
میں تمہارے لیے
بہت سے خط لکھ کر
رکھ دوں گی تم تم
پڑھ لینا۔
کچھ رشتے وقت سے نہیں،
دل سے جیتے ہیں۔
دو بستیاں جو وعدوں سے بندھی ہوں،
وہ وقت کی زنجیروں سے آزاد ہوتی ہیں۔
ایک وعدہ
کچھ وعدے نبھانے کے لیے نہیں ہوتے،
وہ تو زندگی بن جانے کے لیے ہوتے ہیں۔
Dear Diary,
My best friend...
I miss you
Written By
SABA KHAN
URDU
NOVELS
COLLECTION
NOVELS COLLECTION

ایک وعدہ

از قلم صبا خان (S.K)

مصنفہ کی طرف سے

"ایک وعدہ" میرے دل کے بہت قریب ایک کہانی ہے۔ اس ناول کے ذریعے میں یہ بتانا چاہتی تھی کہ سچی محبت صرف حاصل کرنے کا نام نہیں، بلکہ قربانی، وفاداری، اعتماد اور وعدہ نبھانے کا نام بھی ہے۔ زندگی میں بعض اوقات ایک فیصلہ یا ایک وعدہ نہ صرف ایک انسان بلکہ کئی زندگیوں کی تقدیر بدل دیتا ہے۔ میری دعا ہے کہ اس کہانی کے کردار، ان کے جذبات اور ان کا سفر آپ کے دل کو چھو جائے، اور آپ اس سے محبت، امید اور رشتوں کی قدر کا ایک خوبصورت پیغام لے کر جائیں۔

صبا خان (S.K)

"ایک وعدہ کرو گی مُجھ سے ؟"

اُس نے اپنے پاس موجود اپنی دوست سے کہا۔اُس کے لہجے میں عجیب سی سنجیدگی تھی،ایسی سنجیدگی جو عام طور پر اُس کی شخصیت کا حصہ نہیں تھی۔اُس کی آنکھوں میں جیسے کوئی اَن کہی بات ٹھہری ہوئی تھی۔

"تم کہہ کر تو دیکھو، تمہارے لیے تو میں جان بھی دے دوں۔"

اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔شاید وہ ماحول کو ہلکا کرنا چاہتی تھی، لیکن سامنے بیٹھی اپنی دوست کے چہرے پر چھائی خاموشی اُسے بے چین کر رہی تھی۔

"اگر میں مر گئی تو مُجھ سے جُڑے رشتوں کو سنبھال لینا۔میری محبت کو سنبھال لینا۔"

وہ بولی تو اُس کی دوست حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔چند لمحوں کے لیے جیسے اُسے یقین ہی نہ آیا ہو کہ اُس نے واقعی یہ الفاظ سنے ہیں۔

"تمہارا دِماغ تو ٹھیک ہے، لڑکی؟ تم مجھے اپنی محبت کو سنبھالنے کا کہہ رہی ہو۔اس کا انجام کیا ہو گا، سمجھتی ہو؟"

اُس نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔اُس کے لہجے میں حیرانی کے ساتھ ساتھ تشویش بھی شامل تھی۔

"محبت کرنے والے اگر انجام کی فکر کرتے تو شاید اس دنیا میں کوئی محبت ہی نہیں کر پاتا۔"

وہ بولی تو اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، لیکن وہاں موجود اُس کی دوست تو اُس کی آنکھوں کو پڑھ رہی تھی۔ اُن آنکھوں میں صرف اُداسی تھی، ایک ایسی اُداسی جو اُس کی شخصیت کا خاصہ بالکل نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ زندگی سے بھرپور رہنے والی لڑکی تھی، مگر آج اُس کی مسکراہٹ بھی جیسے دل تک پہنچنے سے قاصر تھی۔

"تم یہ مرنے کی باتیں کیوں کرتی ہو، ہر وقت؟"

اُس نے اُس کی ویران آنکھوں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ دل میں ایک انجانا سا خوف سر اُٹھا رہا تھا، جیسے وہ کوئی ایسی بات محسوس کر رہی ہو جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہ ہو۔

"اس لیے کہ اس زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ شاید میری تم سے رُوبرو یہ آخری ملاقات ہو۔ تم نے کہا نا، تم میرے لیے کچھ بھی کرو گی، بس یہ وعدہ کر لو۔ میرے دِل کو سکون مل جائے گا۔"

وہ بہت یقین سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اور اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اُس کی آنکھوں میں عجیب سا اطمینان اور انتظار تھا، جیسے اُس کے لیے یہ وعدہ بہت اہم ہو۔

اور اُس کی دوست... وہ کیسے اپنی دوست کا یقین توڑ سکتی تھی؟

"وعدہ، تم سے جُڑے ہر رشتے کی حفاظت کروں گی، تمہاری محبت کی بھی۔ وعدہ ہے تم سے۔"

وہ بھی اُس کا ہاتھ تھام کر بولی۔

اُس کے الفاظ سنتے ہی اُس کے چہرے پر ایک پُر سکون سی مسکراہٹ پھیل گئی، جیسے اُس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہو۔ اگلے ہی لمحے اُس نے خوشی سے اُسے گلے لگا لیا۔

شاید دونوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ بعض وعدے صرف الفاظ نہیں ہوتے، بلکہ پوری زندگی کا رخ بدل دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔

//////////

اس وقت ابراہیم ہاؤس میں موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وسیع و عریض گھر، جو کبھی زندگی اور رونق سے بھرا رہتا تھا، آج عجیب سی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ آواز تھی تو بس اُس دو ماہ کے معصوم بچے کی جو کب سے اپنے کمرے میں موجود رو رہا تھا۔ اُس کی ننھی ننھی سسکیاں جیسے گھر کی خاموش دیواروں سے ٹکرا کر واپس لوٹ رہی تھیں۔

دو ہفتے پہلے ہی اُس معصوم کی ماں کا انتقال ہوا تھا۔ ایک ایسا نقصان جس نے نہ صرف اُس ننھے وجود سے اُس کی ماں کی آغوش چھین لی تھی بلکہ پورے گھر کی خوشیاں بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

اور ان دو ہفتوں میں آج چوتھی کیئر ٹیکر بھی اُسے سنبھالنے سے انکار کر چکی تھی۔ شاید کوئی بھی اُس بچے کے مسلسل رونے، اُس کی بے چینی اور اُس کی ماں کی کمی سے پیدا ہونے والی اذیت کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

اور اُس کا باپ... وہ تو ابھی تک اُس کی ماں کے جانے کے صدمے سے باہر ہی نہیں آ پایا تھا۔ اُس کے لیے اپنی بیوی کی جدائی کا دکھ ہی اتنا بڑا تھا کہ وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، چہ جائیکہ اُس ننھے وجود کی ٹوٹی ہوئی دنیا کو سنبھالتا۔

لیکن جب وہ بچہ رو رو کر تھک گیا تو خاموش ہو گیا۔

وہ خاموشی بھی عجیب تھی۔ ایسی خاموشی جو سکون نہیں دیتی تھی بلکہ دل میں ایک انجانا سا درد پیدا کر دیتی تھی۔ جیسے اُس ننھے وجود نے اپنی ضرورت، اپنا احتجاج اور اپنی بے بسی سب تھک کر وقت کے حوالے کر دی ہو۔

////////////////

وہ اس وقت اپنے کیبن میں موجود تھی۔ اُس کے ہاتھ مسلسل کچھ لکھ رہے تھے مگر اُس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ واضح تھی۔ سامنے رکھی فائلوں پر نظریں جمی ہوئی تھیں لیکن ذہن جیسے کسی اور الجھن میں اُلجھا ہوا تھا۔ وہ اپنی مخصوص پولیس کی وردی میں تھی اور سر پر حجاب لے رکھا تھا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور اُس کے سینئر وہاں آئے۔

وہ فوراً کھڑی ہوئی اور اُنہیں سلام کیا۔

"سر شہاب، آپ یہاں؟ کوئی کام تھا تو آپ مجھے بلا لیتے۔"

آفیسر آرنے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اُنہوں نے اُسے ہاتھ سے ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اُن کے چہرے کی سنجیدگی کو دیکھ کر اُسے کچھ اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ وہ اُس سے کیا بات کریں گے۔دل میں ایک انجانا سا بوجھ اُترنے لگا تھا۔

"آفیسر، کچھ دن پہلے آپ نے ریپ کیس میں جن مجرموں کو پکڑا تھا، آج وہ چھوٹ جائیں گے۔اُن کے خلاف دی گئی کمپلینٹ واپس لی جا چکی ہے۔مجھے افسوس ہے اس بات کا۔"

شہاب صاحب نے سامنے موجود اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔

جس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے ایک سایہ سا لہرایا تھا۔دل میں اُٹھنے والی مایوسی نے چند لمحوں کے لیے اُس کی مضبوطی کو چیلنج کیا، لیکن وہ بہت جلدی اس پر قابو پا گئی تھی۔شاید وہ ایسے فیصلوں کی عادی ہو چکی تھی، مگر ہر بار یہ زخم پہلے سے زیادہ گہرا محسوس ہوتا تھا۔

"جی سر، تو اب کیا؟ ہم کیا کر سکتے ہیں؟ جب لوگ خود ہی اپنی حفاظت بھی کروانا نہیں چاہتے تو رہنے دیتے ہیں اس بات کو۔"

آفیسر آر نے بہت نارمل انداز میں کہا، جیسے اس بات سے اُسے کوئی فرق نہیں پڑتا ہو۔مگر اُس کے لہجے میں چھپی تلخی کو شہاب صاحب بخوبی محسوس کر سکتے تھے۔

"وہ سب ٹھیک ہے آفیسر، لیکن اب آپ کو اپنی سیکیورٹی کا خیال رکھنا ہو گا۔آپ نے اُن لوگوں کو پکڑا تھا اور اب وہ ضرور آپ کے پیچھے آئیں گے۔"

سر شہاب نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

سر شہاب اُس کی ماما کے فرسٹ کزن تھے اور اس دنیا میں اُس کے واحد رشتے دار بھی۔ وہ اُس کی بہت پرواہ کرتے تھے۔ لیکن وہ اُس کے غصے اور اُس کی تکلیف دونوں سے واقف تھے۔ اس لیے اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ جو خود کو نارمل ظاہر کر رہی ہے، حقیقت اُس کے برعکس ہے۔ اور یہی بات اُن کی پریشانی کی وجہ بھی تھی۔

"ویسے آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں سر۔ ڈرنا تو ہمیں ہی چاہیے، کیوں کہ ہم کچھ اچھا جو کرنا چاہتے ہیں۔ اور ہم تو ایک ایسے معاشرے میں رہتے ہیں جہاں اگر کوئی شخص سکون کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو وہ نظر سے اندھا، بات کرنے میں گونگا اور سننے کے لیے بہرہ ہونا ضروری ہے۔"

آفیسر آرنے کالی آنکھوں میں سنجیدگی لیے طنزیہ انداز میں کہا۔

اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں میں چھپا احتجاج صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے اندر کی کیفیت کو چھپانے میں کامیاب تو ہو رہی تھی، لیکن اُس کے الفاظ اُس کے دل کا حال بیان کر رہے تھے۔

"بیٹا، یہ سسٹم جس میں ہم رہتے ہیں، اس کو ہم بدل نہیں سکتے، مگر ہمارے اختیار میں جو کچھ ہو گا وہ ہم کریں گے۔ تم یقین رکھو۔"

اُنہوں نے اُس کے پاس آ کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"اس سسٹم کو بدلنا ہو گا انکل، کیوں کہ اب تبدیلی ضروری ہو گئی ہے۔ اس معاشرے کو اور اس میں رہنے والے لوگوں کو، سب کو اپنے لیے اور ان تمام معصوموں کے لیے بدلنا ہی ہو گا۔ میں جانتی ہوں

ایک لمحے میں کچھ بھی نہیں بدلتا، لیکن ہم شروعات ضرور کریں گے، چاہے اس کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔"

اُس نے شہاب صاحب کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا جنون تھا۔ ایسا جنون جو کسی ذاتی مقصد کا نہیں بلکہ ایک مشن کا ہوتا ہے۔ وہ مشن جس کے لیے انسان ہر قیمت ادا کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔

"ہم ضرور کریں گے، لیکن فی الحال تم اپنے غصے پر قابو پاؤ گی اور کچھ عرصے کے لیے یہاں سے دور جاؤ گی۔ جب سب کچھ نارمل ہو گا تو میں تمہیں واپس بلا لوں گا۔"

شہاب صاحب نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، مجھے یقین ہے آپ پر، لیکن میں جلدی واپس آؤں گی۔"

آر نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اُن کی بات ٹال کر اُن کا دل بھی نہیں توڑنا چاہتی تھی اور ویسے بھی اُسے کہیں اور جانا تھا۔ مگر کچھ عرصے کے لیے دور جانا، اپنی پہچان اور اپنے مقصد سے دور جانا، اُس کے لیے آسان نہیں تھا۔

آر نے کہا تو شہاب صاحب نے بھی سر اثبات میں ہلا دیا۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ مگر دونوں جانتے تھے کہ یہ خاموشی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

//////////////////

آئمہ، تمہیں کتنی بار سمجھا چکی ہوں، اس بچے کے پاس رہا کرو، وہی تمہارے اس گھر میں آنے کی کنجی ہے۔

انیلہ صاحبہ نے اپنی بھانجی کو اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔ اُن کے لہجے میں نصیحت کم اور ایک سوچی سمجھی چال زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

اس وقت وہ دونوں ابراہیم ہاؤس کے وسیع ہال میں موجود تھیں۔ دوپہر کی ہلکی روشنی بڑی بڑی کھڑکیوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی، مگر اُن دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کے سائے اس روشنی سے کہیں زیادہ گہرے تھے۔

"خالہ جانی، آپ جانتی ہیں کہ میں یہ بچے وچے نہیں سنبھال سکتی۔ آپ ارسم سے بات کریں نا ہماری شادی کی۔"

آئمہ نے بے زاری سے کہتے ہوئے اُن کی طرف دیکھا، پھر لاڈ سے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، مگر انیلہ صاحبہ نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"لڑکی، تھوڑے ہوش کے ناخن لو۔ دو ہفتے پہلے اُس کی بیوی مری ہے، اور تمہیں لگتا ہے وہ تم سے شادی کے لیے تیار ہو جائے گا؟"

وہ قدرے سخت لہجے میں بولیں، پھر ذرا سا جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"تمہارے پاس صرف ایک راستہ ہے۔اُس کے بچے کو خود سے اٹیچ کر لو، پھر اُسے تم سے شادی کرنی ہی پڑے گی۔"

آئمہ نے اُن کی بات غور سے سنی، مگر اگلے ہی لمحے بے دلی سے منہ بنالیا۔

"اور آپ کو یقین ہے کہ وہ میرے یہ سب کرنے پر مان جائے گا،اور اگر وہ پھر بھی نہ مانا تو؟"

آئمہ نے اُن کی طرف تفحص بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اگر نہ مانا تو بھی میرے پاس اور بہت راستے ہیں۔اس بار تو اسے تم سے شادی کرنی ہی پڑے گی۔تم بس اب اُس کے بچے کے ساتھ وقت گزارا کرو، باقی میں سنبھال لوں گی۔ویسے بھی اُسے کوئی کیئر ٹیکر نہیں مل رہی، کوئی اس بچے کو سنبھال نہیں پا رہا۔"

انیلہ صاحبہ نے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ لیے کہا،اور اگلے ہی لمحے دونوں کی دبی دبی ہنسی پورے ہال میں گونج اٹھی، جیسے وہ کسی معصوم بچے نہیں بلکہ اپنے منصوبے کی کامیابی پر خوش ہو رہی ہوں۔

انیلہ صاحبہ،ابراہیم صاحب کی دوسری بیوی تھیں اور ارسم اور رومان کی سوتیلی ماں۔

ارسم نے اُن کی اور ابراہیم صاحب کی مرضی کے خلاف عنایا سے شادی کی تھی، جس پر وہ اُس سے سخت خائف تھیں۔مگر عنایا کے انتقال کے بعد اُنہیں اپنی بھانجی آئمہ کو اس گھر میں لانے کا موقع مل گیا تھا، کیونکہ آئمہ صرف ارسم سے شادی کرنا چاہتی تھی،اور انیلہ صاحبہ کے لیے اپنی بھانجی کی یہ خواہش ہر قیمت پر پوری کرنا سب سے زیادہ اہم تھی۔

////////////////

اس وقت وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے اُس کے ہاتھ میں اپنی اور اُس کی شادی کی تصویر موجود تھی۔ اپنی نیلی سمندر جیسی آنکھوں میں نمی لیے وہ بس اُس کی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اُس تصویر میں قید مسکراہٹوں کے ذریعے گزرے ہوئے دنوں کو دوبارہ محسوس کرنا چاہتا ہو۔

اُس کے مرنے کے بعد سے ہی ارسم کے لیے تو سب ختم ہو چکا تھا۔ زندگی جیسے اپنی رونق، اپنی خوشی اور اپنا مقصد سب ساتھ لے گئی تھی۔ ابھی بھی وہ بکھری ہوئی حالت میں بیٹھا تھا۔ کئی دنوں سے اُس نے اپنا حلیہ نہیں سدھارا تھا۔ دو دن پہلے جب رومان واپس ہاسٹل جا رہا تھا تب اُس نے ہی زبردستی اُسے تیار کروایا تھا۔ ابھی بھی وہ اُسی حلیے میں موجود تھا۔ بکھرے بال، تھکا ہوا چہرہ اور آنکھوں کے نیچے اُترتی سیاہی اُس کی حالت کا پتہ دے رہی تھی۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ملازمہ زوہان کو اُس کے پاس چھوڑ کر گئی تھی جو بیڈ پر سویا ہوا تھا۔

"تم نے مُجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی میرا ساتھ نہیں چھوڑو گی، لیکن پھر ایسا کیوں کیا عنایا؟ ہمارا بیٹا... میں اسے کیسے سنبھالوں گا تمہارے بغیر؟"

وہ مسلسل اُس سے شکوہ کر رہا تھا، جیسے وہ وہیں موجود ہو اور اُس کی بات سن رہی ہو۔ جیسے اگلے ہی لمحے وہ مسکراتے ہوئے اُس کے سامنے آجائے گی اور کہے گی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

مگر وہ وہاں نہیں تھی۔

لیکن پھر بھی اُس کا احساس موجود تھا۔

کمرے کی ہر چیز میں، ہر کونے میں، ہر یاد میں۔

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ زوہان نے اُٹھ کر رونا شروع کر دیا تھا۔اُس کی ننھی سی آواز نے ارسم کو اپنے خیالوں سے باہر نکال لیا۔

وہ فوراً اُس کے پاس آیا اور اُسے اُٹھایا تو وہ بھی خاموشی سے اپنے بابا کو دیکھنے لگا۔

وہ بالکل اپنی ماں کی طرح دکھتا تھا۔ویسی ہی بھوری آنکھیں، گول معصوم چہرہ اور چھوٹی سی ناک۔بس بال اپنے بابا کی طرح تھے، سلکی کالے رنگ کے۔

ہر بار اُسے دیکھ کر ارسم کا دل عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا تھا۔زوہان میں اُسے عنایا کی جھلک نظر آتی تھی اور یہی بات اُس کے لیے سکون بھی تھی اور تکلیف بھی۔

"تمہاری ماما ہم دونوں کو چھوڑ کر چلی گئی ہے، دوبارہ کبھی واپس نہ آنے کے لیے۔ہم دونوں کو اُس کے بغیر رہنے کی عادت ڈالنی ہو گی، ٹھیک ہے؟ بابا کی بات مانو گے نا؟"

ارسم نے زوہان کی جانب دیکھتے ہوئے اُسے اپنے بازوؤں میں اُٹھا کر نم آنکھوں سے کہا۔

جیسے وہ اُس کی ساری باتیں سمجھ رہا ہو۔

اور وہ واقعی بہت غور سے اپنے بابا کی طرف دیکھ رہا تھا۔اپنی معصوم آنکھوں سے، جن میں دنیا کی کوئی سمجھ تو نہیں تھی مگر پھر بھی جیسے وہ اپنے باپ کے دل کا بوجھ محسوس کر رہا ہو۔

تبھی اُس کے کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

اُس نے اندر آنے کی اجازت دی تو ملازمہ اندر داخل ہوئی۔

"وہ صاحب، نیچے نئی کیئر ٹیکر آئی ہے۔ بڑی بی بی نے کہا آپ کو بلا لاؤں۔"

اُس نے سر جھکا کر کہا۔

"ٹھیک ہے، تم زوہان کو لے کر جاؤ۔ میں آتا ہوں۔"

اُس نے زوہان کو اُس کے حوالے کیا اور وہ اُسے لے کر نیچے چلی گئی۔

ارسم چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔

اُس کے ذہن میں بس ایک ہی سوال گردش کر رہا تھا۔

"اگر یہ کیئر ٹیکر بھی چلی گئی تو وہ زوہان کو کس طرح سنبھالے گا؟"

اپنے غم سے لڑنا ایک الگ بات تھی، مگر ایک معصوم زندگی کی ذمہ داری نبھانا... یہ اُس کے لیے ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

////////////////

اس وقت ہال کمرے میں انیلہ صاحبہ اور ابراہیم صاحب موجود تھے اور اُن کے سامنے ہی صوفے پر وہ بیٹھی اپنے ہاتھ مسل رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ تھی اور نظریں مسلسل جھکی ہوئی

تھیں۔اس وقت سے انیلہ صاحبہ اُس سے کتنے ہی سوال پوچھ چکی تھیں اور وہ ان سب کا سر جھکا کر جواب دے رہی تھی۔

"ہاں تو لڑکی، تم شادی شدہ ہو یا نہیں؟"

انیلہ صاحبہ نے اُس سے ایک اور سوال کیا تھا اور وہ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"جی نہیں، میری شادی نہیں ہوئی۔"

رامین نے اُن کی طرف نہیں دیکھا تھا، بس سر جھکا کر کہا تھا۔اُس کے لہجے میں ہمیشہ کی سی شائستگی تھی مگر ساتھ ہی ایک عجیب سی جھجھک بھی محسوس ہو رہی تھی۔

تبھی ملازمہ زوہان کو لیے آگئی تھی۔

زوہان ایک بار پھر سے رونا شروع کر چکا تھا کیونکہ وہ اپنی ماں اور باپ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں رہتا تھا۔اُس کی ننھی سی دنیا اچانک بدل گئی تھی اور وہ اُس تبدیلی کو سمجھنے سے قاصر تھا۔اسی لیے اب سب کو مسئلہ ہو رہا تھا۔کوئی اُس معصوم بچے کی پریشانی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔سب اپنی زندگی میں دوبارہ مگن ہو چکے تھے، بس ایک وہ بچہ اور اُس کا باپ ہی ابھی تک سنبھل نہیں پائے تھے۔

"چُپ کرواؤ اسے۔"

انیلہ صاحبہ نے ملازمہ سے کہا لیکن وہ پھر بھی رو رہا تھا۔

کچھ دیر وہ خاموشی سے دیکھتی رہی۔اُس کی نظریں بار بار زوہان کے آنسوؤں سے بھرے چہرے پر جا ٹھہرتیں۔نہ جانے کیوں اُس معصوم کی بے چینی اُس کے دل میں بھی ہلچل پیدا کر رہی تھی۔

پھر وہ کھڑی ہوئی اور فوراً ملازمہ سے زوہان کو لے لیا۔

"چُپ... میرا پیارا بچہ، روتے نہیں ہیں۔"

رامین نے زوہان کو جیسے ہی ملازمہ سے لیا، وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ جیسے اُسے کسی اپنے کی آغوش مل گئی ہو۔

وہ حیران کن حد تک پُر سکون ہو گیا تھا اور خوش ہو کر اُس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔اُس کی معصوم آنکھوں میں ایک عجیب سا تجسس تھا، جیسے وہ اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

اور یہ منظر ہال کمرے میں داخل ہوتے ارسم نے بھی دیکھا تھا۔

جہاں تھوڑی دیر پہلے اُس کا بیٹا رو رہا تھا، اب وہ مسکرا رہا تھا۔

اپنے بیٹے کے چہرے پر اتنے دنوں کے بعد مسکراہٹ دیکھ کر اُس کے زخموں پر جیسے مرہم لگا تھا۔ کئی دنوں بعد پہلی بار اُسے محسوس ہوا تھا کہ شاید زوہان دوبارہ ہنسنا سیکھ سکتا ہے۔

انیلہ صاحبہ بڑی غور سے رامین کو دیکھ رہی تھیں۔

اور ابراہیم صاحب کو اس بات کی تسلی ہوئی تھی کہ اب زوہان کسی کے قابو تو آئے گا۔

"آپ آج سے ہی کام کر سکتی ہیں اگر آپ کو کوئی اعتراض نہیں تو۔"

ارسم نے رامین کی طرف دیکھ کر کہا جو کب سے بس زوہان سے باتیں کر رہی تھی، ایسے جیسے آس پاس کوئی موجود ہی نہ ہو۔

"مگر ارسم، تم نے اس لڑکی کے بارے میں کوئی جانچ پڑتال نہیں کی۔ ہم اسے صحیح سے جانتے تک نہیں اور تم اسے آج سے ہی کام کرنے کا کہہ رہے ہو۔"

انیلہ صاحبہ نے فوراً اُس کی نفی کرتے ہوئے کہا کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی بھی نئی کیئر ٹیکر آئے۔ وہ آئمہ کو وہیں رکھنا چاہتی تھیں۔

"ماما، میں فیصلہ کر چُکا ہوں۔ اور آپ پلیز میرے اور میرے بیٹے کے معاملے میں مت بولیں۔"

اُس نے اُنہیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

اُس کے لہجے میں تھکن بھی تھی اور سختی بھی۔ شاید بیٹے کے معاملے میں اب وہ کسی کی مداخلت برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

جس پر اُنہوں نے ابراہیم صاحب کی طرف دیکھا تو وہ اُن کا اشارہ سمجھ کر بولے۔

"اگر ارسم کو کوئی مسئلہ نہیں تو مجھے اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔"

ابراہیم صاحب نے بھی ارسم کے فیصلے میں اُس کا ساتھ دیا تو انیلہ صاحبہ پیر پٹکتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

اور پیچھے اُنہوں نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

"اچھا بیٹا، تم کنٹریکٹ بنوالینا۔ میں چلتا ہوں، تمہاری ماں کو دیکھوں۔"

ابراہیم صاحب نے ارسم کی طرف دیکھ کر کہا اور وہاں سے چلے گئے۔

کمرے میں اب ایک عجیب سی خاموشی رہ گئی تھی، مگر اُس خاموشی کے درمیان زوہان کی ہلکی سی مسکراہٹ اب بھی موجود تھی۔ شاید وہی مسکراہٹ آنے والے دنوں کی ایک نئی شروعات بننے والی تھی۔

//////////////////

اب وہاں صرف ارسم اور رامین تھے اور رامین نے ابھی بھی زوہان کو اُٹھا رکھا تھا۔ زوہان سکون سے اُس کی گود میں موجود تھا اور اپنی معصوم آنکھوں سے کبھی اُسے تو کبھی ارد گرد کے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا؟"

ارسم نے رامین سے پوچھا۔

"جی، مجھے کوئی پرو بلم نہیں۔ لیکن اگر آپ میرے بارے میں کچھ بھی پتہ کرنا چاہتے ہیں تو کر لیں اور اگر کچھ پوچھنا چاہیں تو پوچھ سکتے ہیں۔"

رامین نے سنجیدگی سے اپنی کالی آنکھیں اُس کی آنکھوں میں ڈالے کہا۔

اُس کے لہجے میں اعتماد تھا۔نہ کوئی گھبراہٹ تھی اور نہ ہی خود کو ثابت کرنے کی بے جا کوشش۔ جیسے وہ سچائی کے سوا اپنے پاس کچھ رکھتی ہی نہ ہو۔

"نہیں، میرے لیے اتنا بہت ہے کہ آپ کی کمپنی میرے بیٹے کے لیے سکون کا باعث ہے۔"

ارسم نے رامین کی گود میں موجود زوہان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اُس کی نظریں چند لمحوں کے لیے اپنے بیٹے کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ کئی دنوں بعد وہ اُسے اتنا پُر سکون دیکھ رہا تھا۔یہی ایک بات تھی جس نے ارسم کو بغیر کسی مزید سوال کے فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اور وہ حیرت سے اُس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شاید اُسے توقع نہیں تھی کہ کوئی شخص صرف ایک بچے کے سکون کی خاطر اُس پر اتنا بڑا اعتماد کر لے گا۔

"میں ملازمہ سے کہہ دیتا ہوں کہ آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دے اور آپ اپنا سامان شام کو ہی لے آیئے گا۔ میں کنڑیکٹ تیار کروا لیتا ہوں۔آپ جو چاہیں مجھے اپنی مرضی سے پیکج بتا سکتی ہیں، مجھے کوئی پرو بلم نہیں ہو گی۔"

ارسم نے اب اُس کی طرف دیکھا جو خاموشی سے اُس کی بات سن رہی تھی۔

"آپ کو جیسا بہتر لگے، میری ایسی کوئی خواہش نہیں۔"

رامین نے دوٹوک انداز میں کہا۔

اُس کے لیے اس وقت پیسوں یا سہولیات سے زیادہ اہم کچھ اور تھا، اور شاید یہی وجہ تھی کہ اُس نے بغیر کسی دلچسپی کے یہ جواب دیا تھا۔

ارسم نے بھی سر اثبات میں ہلا دیا۔

پھر اُس نے ملازمہ کو بلا کر رامین کو کمرہ دکھانے کا کہا، جہاں پہلے بھی کیئر ٹیکر رہتی تھیں۔

رامین زوہان کو احتیاط سے ملازمہ کے حوالے کر کے اُس کے ساتھ چل دی، جبکہ ارسم چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ اُس کی نظریں اپنے بیٹے پر تھیں جو غیر معمولی طور پر پُر سکون دکھائی دے رہا تھا۔

شاید پہلی بار اُسے امید کی ایک ہلکی سی کرن دکھائی دی تھی۔

اس کے بعد وہ خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

//////////////

"یہ کیا کر رہی ہو تم، لڑکی؟ اپنی یہ کلا میرے کمرے میں ہی یاد آتی ہے تمہیں؟"

آر نے سامنے بیٹھی عنایا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو صبح سے اُس کے کمرے پر قبضہ جمائے اپنی پینٹنگ میں مگن تھی۔ پورے کمرے میں رنگ بکھرے پڑے تھے۔ کہیں برش اِدھر اُدھر پڑے تھے، کہیں رنگوں کی کھلی ہوئی ٹیوبز، تو کہیں آدھی بنی ہوئی پینٹنگز اپنی تکمیل کی منتظر تھیں۔ اُس کا ہمیشہ صاف ستھرا رہنے والا کمرہ آج کسی مصور کی ورکشاپ کا منظر پیش کر رہا تھا، اور وہ کافی دیر سے خود کو ضبط کیے ہوئے تھی۔

"شرم کرو، لڑکی! میں تمہاری اکلوتی دوست ہوں، اور اب تو بہن بھی ہوں، پھر بھی تم مجھے ایسے بولو گی؟"

عنایا نے مصنوعی آنسو صاف کرنے کی ادا کرتے ہوئے کہا۔

جس پر آر کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ عنایا کی یہی ادا تو تھی جو اُس کے خراب سے خراب موڈ کو بھی چند لمحوں میں بہتر کر دیتی تھی۔

"تم اپنے یہ ڈرامے کب بند کرو گی، ہاں؟ اور آج کل کن چکروں میں ہو تم؟ سچ سچ بتانا مجھے۔"

آر نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

اُس کے لہجے کی سنجیدگی محسوس کرتے ہی عنایا بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کن چکروں میں؟ مجھے سمجھ نہیں آ رہا کس بارے میں بات کر رہی ہو؟"

عنایا نے نظریں چراتے ہوئے جواب دیا۔

اور یہی ایک حرکت آر کے لیے کافی تھی یہ سمجھنے کے لیے کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔

"عنایا، میری جان... انکل اور آنٹی تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دیں گے۔ بہتر ہے تم اپنے فیصلے پر ایک بار پھر غور کر لو۔"

آر اُس کے پاس، زمین پر بکھرے رنگوں کے درمیان بیٹھ گئی۔ اُس نے نرمی سے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اگر محبت دماغ سے کی جاتی تو میں ضرور غور کر لیتی۔"

عنایا نے بے پروائی سے جواب دیا، جیسے یہ بات اُس کے لیے کسی بحث کا موضوع ہی نہ ہو۔

اُس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی... وہی چمک جو صرف محبت میں گرفتار لوگوں کی آنکھوں میں اُترتی ہے۔

"تم جانو اور تمہارے کام۔ تمہیں پتہ ہے، یہ محبت وُحبت میرے رینج سے باہر کی چیز ہے۔"

آرنے بے بسی سے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔

کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی، عنایا ایک بار جو فیصلہ کر لے، پھر اُس سے پیچھے ہٹنا اُس کی فطرت میں نہیں تھا۔ ضد اور محبت... دونوں ہی اُس کی شخصیت کا اہم حصہ تھے۔

"لیکن میں چاہتی ہوں کہ تمہیں بھی محبت ہو، اور تم بھی اس احساس کو محسوس کرو۔ یہ کتنا خوبصورت ہوتا ہے۔"

عنایا نے دوبارہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

اُس کے لہجے میں بناوٹ نہیں تھی۔ وہ دل سے چاہتی تھی کہ اُس کی سب سے عزیز دوست بھی وہ خوشی محسوس کرے جو آج اُس کی زندگی کا سب سے حسین احساس بن چکی تھی۔

"یہ کام مجھ سے نہیں ہو گا۔ ہاں، اگر تم مجھے اپنی بہو بنالو تو میں دل و جان سے بن جاؤں گی، اب فیصلہ تم کرو۔"

آرنے اُسے چھیڑنے کے لیے کہا۔

"ہاں بھئی ! تم میرے بیٹے کے پیچھے پڑ جاؤ، جو بے چارہ ابھی تک دنیا میں آیا بھی نہیں۔ جس کی خالہ بننا ہے، اُس کو شوہر بنانا چاہتی ہو، نادیدہ لڑکی !"

عنایا نے مصنوعی خفگی سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

اور اگلے ہی لمحے دونوں زور سے ہنس پڑیں۔

کمرے میں کچھ دیر تک صرف اُن کی بے فکر ہنسی گونجتی رہی۔ ایسی ہنسی، جس میں برسوں کی دوستی، بے شمار یادیں اور ایک دوسرے کے لیے بے غرض محبت چھپی ہوئی تھی۔ اُنہیں دیکھ کر کوئی بھی آسانی سے اندازہ لگا سکتا تھا کہ اُن کا رشتہ صرف دوستی کا نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی زندگی کا لازمی حصہ بن چکا تھا۔

"ویسے تم اگر میری بہو بن گئی نا، تو تمہیں پہلے اپنے ہونے والے شوہر کو پالنا پڑے گا۔ کتنا مزا آئے گا !"

عنایا نے جوش سے کہا۔

جس پر آرنے فوراً اُس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"مذاق کر رہی تھی میں، گدھی ! ہر بات پر یقین کر لیتی ہو۔ اور یہ محبت اور شادی میرے بس کا روگ نہیں، اس لیے تم خوش رہو، اوکے۔"

آرنے ہنستے ہوئے کہا۔

عنایا چند لمحے خاموش رہی، پھر اُس نے سنجیدگی سے آر کی طرف دیکھا۔

"میری دعا ہے، تمہیں بھی کوئی ایسا محبت کرنے والا ملے، جس کے آنے سے تمہاری ساری محرومیاں ختم ہو جائیں۔"

وہ چند لمحے رکی، پھر دھیرے سے بولی،

"جیسے مجھے محبت ملی ہے، ویسی ہی محبت... دیکھ لینا، ایک دن تم میری بات ضرور یاد کرو گی۔"

اس بار اُس کے لہجے میں شرارت نہیں تھی، صرف خلوص تھا۔ وہ دل کی گہرائیوں سے اپنی سب سے عزیز دوست کے لیے دعا مانگ رہی تھی۔ شاید وہی واحد شخص تھی جو آر کے دل میں چھپی تنہائی اور محرومیوں کو حقیقت میں سمجھتی تھی۔

آر بھی چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔

اُسے محبت پر یقین نہیں تھا... کم از کم اپنے لیے تو بالکل نہیں۔ مگر نہ جانے کیوں، عنایا کی باتیں سن کر ایک لمحے کے لیے اُس کے دل میں جیسے کوئی خاموش سی لہر اُٹھی، جسے وہ خود بھی سمجھ نہ سکی۔

اور پھر دونوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئیں۔

اُنہیں کیا معلوم تھا کہ زندگی اُن دونوں کے لیے پہلے ہی ایسے فیصلے لکھ چکی ہے، جن کا تصور بھی وہ اُس لمحے نہیں کر سکتی تھیں۔

//////////////

اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔

چاروں طرف گہرا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا درختوں کی شاخوں سے ٹکرا کر ایک پراسرار سی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی، جبکہ دور کہیں جھینگر مسلسل اپنی آواز میں رات کی خاموشی کو اور بھی گہرا کر رہے تھے۔

اُسی سنّاٹے کے بیچ وہ پُرانا فارم ہاؤس خاموشی سے ایستادہ تھا۔ بظاہر وہ ایک عام سی عمارت لگتی تھی، مگر اُس کی خاموش دیواروں کے پیچھے نہ جانے کتنی چیخیں، کتنے ظلم اور کتنے ہیانسانیّت سوز راز دفن تھے۔

وہ تینوں فارم ہاؤس سے کچھ فاصلے پر اندھیرے کی اوٹ میں موجود تھے، جہاں چند لمحے پہلے ہی ایک نوجوان لڑکی کو زبردستی اندر لے جایا گیا تھا۔ یہ وہی لوگ تھے جو صرف ایک دن پہلے جیل سے فرار ہوئے تھے۔

یہ منظر دیکھتے ہی آر کے اندر غصے کی ایک تیز لہر دوڑ گئی۔

اُس کی سیاہ آنکھوں میں سختی پہلے سے کہیں زیادہ نمایاں ہو گئی۔ اُس نے اپنی مٹھیاں اس قدر مضبوطی سے بھینچ رکھی تھیں کہ ہاتھوں کی رگیں ابھر آئی تھیں، مگر وہ جانتی تھی کہ اس وقت غصہ نہیں، عقل سے کام لینا ضروری ہے۔ اسی لیے اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔

"آفیسر خانزادہ، آپ کو نہیں لگتا ہے ہم یہاں بنا اجازت آئیں ہیں؟ اگر ہمارے کسی سینئر کو اس بات کی بھنک پڑ گئی تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

اُس کے ساتھ موجود کانسٹیبل شہلا، جو عمر میں اُس سے تقریباً دس سال بڑی تھیں، پریشانی بھرے لہجے میں بولیں۔ اُن کے چہرے پر خوف صاف جھلک رہا تھا۔

"شہلا صاحبہ، آج یہ سب ایک لڑکی کے ساتھ ہو رہا ہے... کل اگر یہی سب آپ کی بیٹی کے ساتھ ہو تو کیا آپ تب بھی یہی کہیں گی؟"

آر—— جسے صرف اُس کے قریبی لوگ ہی اس نام سے پکارتے تھے، باقی سب کے لیے وہ صرف خانزادہ تھی—— نے اپنی سنجیدہ سیاہ آنکھوں سے اُن کی طرف دیکھا۔

اُس کی آواز بلند نہیں تھی، مگر اُس کے لہجے میں ایسا وزن تھا کہ شہلا صاحبہ بے اختیار خاموش ہو گئیں۔

اُن کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

چند لمحوں بعد اُنہوں نے نظریں جھکا لیں۔

"آفیسر، مجھے لگتا ہے ہمیں اب اندر جا کر اُس لڑکی کو بچانا چاہیے، اس سے پہلے کہ کچھ غلط ہو جائے۔" ساتھ کھڑی دوسری کانسٹیبل نے بے چینی سے کہا۔

"نہیں، پہلے ہمارے پاس ثبوت آئیں گے۔ اور اُس لڑکی کو کچھ نہیں ہو گا، تم فکر مت کرو۔ وہ اپنی حفاظت کرنا اچھی طرح جانتی ہے۔"

خانزادہ کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر اگلے ہی لمحے اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے وہ مسکراہٹ چھپالی۔

وہ مسکراہٹ اتنی مختصر تھی جیسے آئی ہی نہ ہو، لیکن پھر بھی وہاں موجود دونوں خواتین حیرت سے اُسے دیکھنے لگیں۔

شاید پہلی بار اُنہوں نے اپنی آفیسر کو اس انداز میں مسکراتے دیکھا تھا۔

"آفیسر خانزادہ... کیا وہ لڑکی آپ نے اندر بھیجی ہے؟"

کانسٹیبل شہلا نے حیرانی سے پوچھا۔

خانزادہ نے اُن کی طرف دیکھا اور نہایت پُرسکون لہجے میں بولی،

"آپ نے وہ مقولہ نہیں سنا، شہلا صاحبہ؟ خدا بھی اُنہی کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔"

اُس کے الفاظ سن کر دونوں خواتین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

اُن کے چہروں پر حیرت صاف لکھی ہوئی تھی، مگر اب اُنہیں اندازہ ہو چکا تھا کہ اُن کی آفیسر پہلے ہی اپنی پوری منصوبہ بندی کر چکی ہے۔

تبھی خانزادہ کے کان میں لگے ایر پوڈ سے ایک مدھم سی آواز سنائی دی۔

اُس کی نظریں فوراً فارم ہاؤس کی طرف اٹھیں اور چہرے پر سنجیدگی پہلے سے کہیں زیادہ گہری ہو گئی۔

"اب چلنے کا وقت ہے۔"

وہ آہستہ مگر پُر اعتماد لہجے میں بولی۔

"چلو اندر... لیکن آپ دونوں چھپ کر رہیں گی۔ سامنے صرف میں جاؤں گی۔ اوکے؟"

اُس کے لہجے میں حکم بھی تھا اور اعتماد بھی۔

"لیکن آپ اکیلی..."

شہلا صاحبہ نے کچھ کہنا چاہا، مگر خانزادہ نے صرف ایک نظر اُن کی طرف ڈالی۔

اُس خاموش نگاہ میں ہی اتنا حکم تھا کہ شہلا صاحبہ فوراً خاموش ہو گئیں۔

وہ دونوں اچھی طرح جانتی تھیں کہ جب خانزادہ کوئی فیصلہ کر لیتی ہے تو اُسے بدلنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

چنانچہ مزید بحث کیے بغیر دونوں نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

رات کی تاریکی اب پہلے سے کہیں زیادہ گہری محسوس ہونے لگی تھی۔

ٹھنڈی ہوا ایک بار پھر درختوں سے ٹکرائی، جیسے آنے والے طوفان کی خبر دے رہی ہو۔

اور پھر وہ تینوں نہایت احتیاط سے قدم بڑھاتے ہوئے فارم ہاؤس کے اندر کی طرف بڑھ گئیں، جہاں اُن کا سامنا صرف مجرموں سے نہیں، بلکہ ایک خطرناک امتحان سے ہونے والا تھا۔

//////////////////

اس وقت وہ ابراہیم ہاؤس میں شفٹ ہو چکی تھی۔

رات آہستہ آہستہ اپنی گہرائی میں اُتر رہی تھی۔ گھر کے زیادہ تر حصے خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں جلتی مدھم روشنیاں خاموش راہداریوں پر سنہری عکس بکھیر رہی تھیں، جبکہ باہر سے آنے والی ٹھنڈی ہوا کھڑکیوں کے شیشوں سے ٹکرا کر ہلکی سی سرگوشی پیدا کر رہی تھی۔

رامین پانی لینے کی غرض سے کچن میں آئی، جہاں ہلکی پیلی روشنی پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ تازہ مصالحوں اور پکے ہوئے کھانے کی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی، جبکہ برتنوں کی ہلکی ہلکی آوازیں خاموش ماحول میں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

کچن میں ایک ملازمہ رات کا کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی۔

رامین نے آتے ہی اس سے پانی مانگا تو اُس نے فوراً فریج کھول کر ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی اور احترام سے اُس کے سامنے رکھ دی۔

رامین نے گلاس میں پانی ڈالا اور قریب رکھی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

بظاہر وہ سکون سے پانی پی رہی تھی، مگر اُس کی گہری کالی آنکھیں مسلسل کچن کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کبھی دیواروں پر ٹھہرتیں، کبھی شیلفوں پر رکھے برتنوں پر، کبھی کھڑکی کی جانب اور کبھی دروازے پر۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ صرف چیزوں کو نہیں، بلکہ اُن کے پیچھے چھپے رازوں اور کہانیوں کو پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

اُس نے سامنے موجود ملازمہ سے پوچھا۔

ملازمہ نے اپنا کام روکا اور احترام سے اُس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"جی، میرا نام ثمینہ ہے۔"

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"ثمینہ... اچھا نام ہے۔ تم مجھے بتاؤ کہ یہاں کتنے لوگ رہتے ہیں؟ وہ کیا ہے نا کہ میں یہاں آ تو گئی ہوں، لیکن مجھے کسی کے بارے میں پتہ نہیں۔ اور اگر ایسے کسی سے سامنا ہو گیا اور میں نے کچھ غلط کر دیا تو میری نوکری نہ چلی جائے۔"

رامین نے مصنوعی پریشانی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

ثمینہ نے اُس کی بات سمجھی اور جواب دینے لگی۔

"دیکھئے بی بی جی، یہاں بس انیلہ صاحبہ، ابراہیم صاحب اور اُن کے دو بیٹے، ارسم صاحب جن کے بیٹے کے لیے آپ کو رکھا گیا ہے، اور رومان صاحب رہتے ہیں۔ اور ہاں، انیلہ صاحبہ کا بیٹا بھی کبھی کبھی رہنے آ جاتا ہے۔"

وہ چند لمحوں کے لیے رکی، جیسے سوچ رہی ہو کہ مزید بات کرنی چاہیے یا نہیں، پھر آہستہ سے بولی۔

"انیلہ صاحبہ کا بیٹا... مطلب ارسم صاحب کے بھائی؟"

رامین نے تجسس سے پوچھا۔

ثمینہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہ بی بی، وہ تو جی انیلہ صاحبہ کی پہلی شادی میں سے ہے۔ کہاں ارسم اور رومان بابا... اور کہاں وہ جاہل، آوارہ گرد انسان۔"

وہ قدرے جھک کر رازداری سے اُس کے کان کے قریب بولی۔

رامین خاموشی سے اُس کی بات سنتی رہی۔

"اور ہاں، آپ نہ کسی کی فکر نہ کرو۔ بس انیلہ صاحبہ سے اور اُن کے اُس بیٹے سے تھوڑا فاصلے پر رہنا، اور کوئی بھی بات ہو تو فوراً ارسم صاحب کو بتا دینا۔ وہ سب کو سیٹ کر دیں گے۔"

ثمینہ نے سنجیدگی سے اُسے خبردار کیا۔

رامین اُس کی باتیں پوری توجہ سے سن رہی تھی، مگر صرف الفاظ نہیں... وہ اُس کے چہرے پر اُبھرتے اور مٹتے تاثرات بھی غور سے پڑھ رہی تھی۔

"اچھا... تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ یہاں بہت کچھ ہوا ہے، لیکن تم کھل کر بات نہیں کرنا چاہتی۔ سمجھ سکتی ہوں۔ اور تمہیں اپنے ارسم صاحب پر اتنا یقین کیوں ہے؟"

رامین نے سکون سے پوچھا۔

یہ سوال سنتے ہی ثمینہ کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کے لیے بدل گیا۔

یوں لگا جیسے کوئی پرانا منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہو گیا ہو...

جیسے کسی تلخ یاد نے اچانک اُس کے دل کا دروازہ کھٹکھٹا دیا ہو...

اور جیسے وہ واقعی بہت کچھ جانتی ہو۔

مگر اگلے ہی لمحے اُس نے خود کو سنبھال لیا اور نظریں جھکا لیں۔

"نہ بی بی... ہم چھوٹے لوگ ہیں۔ اپنا گھر چلانے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ ہمیں اِن لوگوں کے کاموں سے کیا لینا دینا۔"

وہ جلدی سے بات بدلتے ہوئے دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی، جیسے رامین وہاں موجود ہی نہ ہو۔

رامین چند لمحے خاموش بیٹھی اُسے دیکھتی رہی۔

اُسے پورا یقین تھا کہ ثمینہ نے کوئی نہ کوئی بات ضرور چھپائی ہے۔

لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کچھ سچائیاں سوالوں سے نہیں، وقت کے ساتھ خود سامنے آتی ہیں۔ اُنہیں زبردستی زبان پر نہیں لایا جا سکتا۔

اس نے خاموشی سے اپنا پانی ختم کیا، گلاس میز پر رکھا اور آہستہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

ایک آخری نظر اُس نے پورے کچن پر ڈالی، جیسے ہر منظر کو اپنے ذہن میں محفوظ کر رہی ہو، پھر خاموش قدموں سے واپس اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

////////////////

ارسم، تمہیں کتنی بار کہا ہے میں نے کہ ساری چیزیں اپنی جگہ پر واپس رکھا کرو، جہاں سے اُٹھاتے ہو وہیں۔

عنایا کی آواز جیسے یکایک اُس کے کانوں میں گونج اٹھی۔

وہ بے اختیار پلٹا، جیسے اُسے یقین ہو کہ عنایا حسبِ معمول اُس کے پیچھے ہی کھڑی ہو گی، مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

کمرے میں ویسی ہی خاموشی بسی ہوئی تھی جیسی پچھلے کئی مہینوں سے اُس کی ساتھی بن چکی تھی۔ صرف کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا پردوں کو ہلکے ہلکے جنبش دے رہی تھی، جبکہ دیوار پر لگی گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک خاموشی کو اور گہرا کر رہی تھی۔

اُس کی نظر بیڈ پر پڑے گیلے ٹاول پر جا ٹھہری، جو کچھ دیر پہلے وہ بے دھیانی میں وہیں پھینک آیا تھا۔

شاید اُسی منظر نے عنایا کی آواز کو اُس کے ذہن میں پھر سے زندہ کر دیا تھا۔

عنایا کو ہر چیز ترتیب سے رکھنے کی عادت تھی۔

ہر چیز اپنی جگہ...

ہر چیز سلیقے سے...

اور ارسم...

وہ ہمیشہ استعمال کے بعد چیزیں اِدھر اُدھر چھوڑ دیا کرتا تھا۔

تب عنایا چِڑ کر اُس سے کہتی تھی،

"کسی دن تم مجھ سے لکھوالو، خود بیٹھ کر صاف کر رہے ہو گے کمرہ اور مجھے یاد کرو گے۔"

اور وہ ہمیشہ بے فکری سے ہنس کر جواب دیتا،

"تم مجھے چھوڑ کر کہاں جاؤ گی؟ اور ویسے بھی تم سارے راستے واپسی کے بند کر کے آئی ہو میرے پاس۔"

وہ جان بوجھ کر اُن کی شادی والی ضد یاد دلا کر اُسے چھیڑا کرتا تھا۔

جس پر عنایا مصنوعی خفگی سے اُسے گھورتی اور بڑے فخر سے کہتی،

"تمہیں غلط فہمی ہے، ایک راستہ ساری زندگی کے لیے کھلا ہے میرے پاس، اور اگر میں نے اُسے تمہارے ڈراموں کا بتا دیا نا تو تمہاری خیر نہیں ہو گی۔ بچوں تمہیں ایسا سبق سکھائے گی نا، بچو گے نہیں، زندگی بھر یاد رکھو گے۔"

وہ خوشی خوشی اپنی دوست کو یاد کرتے ہوئے کہتی تھی۔

اور جب بھی وہ آر کا ذکر کرتی، اُس کی بھوری آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک اُتر آتی تھی۔ ایسی چمک جو اُس کے دل میں اپنی دوست کے لیے بے پناہ محبت کی گواہی دیتی تھی۔

"اتنا یقین ہے تمہیں اُس پر؟"

وہ حیرت سے پوچھتا تھا۔

تو عنایا فوراً جواب دیتی،

"جان سے زیادہ۔اس لیے تم اپنی فکر کرو، میری نہیں۔"

عنایا ہمیشہ کی طرح اُسے آر پر فوقیت دے جاتی تھی۔

اور وہ بس منہ بنا کر رہ جاتا، جبکہ عنایا اُس کی حالت پر ہنسنے لگتی۔...

آج...

وہی ارسم اپنے کمرے میں اکیلا موجود تھا۔

خاموشی سے ایک ایک چیز اپنی جگہ پر رکھ رہا تھا۔

وہی کام...

جس پر کبھی عنایا اُسے ڈانٹا کرتی تھی۔

اُس نے بیڈ سے ٹاول اُٹھایا، کرسی سیدھی کی، بکھری ہوئی چیزیں ترتیب سے رکھیں، مگر ہر چیز کے ساتھ کوئی نہ کوئی یاد بھی اُس کے دل میں زندہ ہوتی چلی گئی۔

کمرے میں سب کچھ ویسا ہی تھا...

مگر پھر بھی سب کچھ بدل چکا تھا۔

اُس کی نیلی آنکھوں میں نمی اُتر آئی، جبکہ ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

یہ کمرہ اُس کے لیے صرف چار دیواریں نہیں تھا۔

یہ اُن بے شمار لمحوں کا امین تھا جو اُس نے عنایا کے ساتھ گزارے تھے۔

ہر چیز...

ہر کونا...

ہر دیوار...

اُسے کسی نہ کسی یاد تک لے جاتی تھی۔

کبھی بے فکر قہقہوں تک...

کبھی معصوم شرارتوں تک...

اور کبھی اُن لمحوں تک...

جنہیں یاد کر کے آج بھی اُس کے لیے سانس لینا دشوار ہو جاتا تھا۔

اُسے نہیں لگتا تھا کہ وہ کبھی حقیقت میں زندگی میں آگے بڑھ سکے گا۔

کچھ لوگ بچھڑ ضرور جاتے ہیں...

مگر اُن کی موجودگی کبھی ختم نہیں ہوتی۔

وقت زخموں پر مرہم ضرور رکھ دیتا ہے، مگر کچھ نشانات ایسے ہوتے ہیں جو آخری سانس تک دل پر نقش رہتے ہیں۔

اور عنایا...

اُس کی زندگی کا ایسا ہی ایک نشان تھی۔

جسے شاید وہ کبھی مٹا نہیں سکے گا۔

مگر اگلے ہی لمحے اُس کے ذہن میں اپنے ننھے بیٹے کا خیال آیا۔

زوہان...

وہ ننھا سا وجود، جو اب اُس کی جینے کی سب سے بڑی وجہ بن چکا تھا۔

جس کے لیے اُسے مضبوط رہنا تھا...

ہر صبح اُٹھنا تھا...

ہر دن مسکرانا تھا...

اور ہر حال میں جینا تھا۔

ارسم نے ایک گہرا سانس لیا۔

اپنی پلکوں میں ٹھہرے آنسو ضبط کیے، خود کو سنبھالا اور کمرے کی آخری چیز بھی اُس کی جگہ پر رکھ دی۔

پھر ایک طویل نظر پورے کمرے پر ڈالی۔

جیسے ایک بار پھر ہر یاد کو خاموشی سے اپنے دل میں سمیٹ رہا ہو۔

اور پھر خاموش قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

//////////////

اس وقت وہ سر شہاب کے آفس میں سر جھکائے خاموش کھڑی تھی، جبکہ سر شہاب اپنے غصے پر قابو پانے کی کوشش میں آفس کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک مسلسل چہل قدمی کر رہے تھے۔

رات فارم ہاؤس میں پیش آنے والے واقعے کی خبر اُن تک پہنچ چکی تھی۔

آفس کی فضا غیر معمولی حد تک سنجیدہ تھی، مگر سامنے کھڑی لڑکی کے چہرے پر حیرت انگیز سکون تھا، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

اسی بے فکری نے سر شہاب کے ضبط کو مزید آزمائش میں ڈال دیا۔

آخر کار وہ اُس کے سامنے آ کر رُکے اور قدرے بلند آواز میں بولے،

"تمہیں میں نے کہا تھا نا، آفیسر آر، کچھ عرصہ یہاں سے دور چلی جاؤ۔ اور یہ سب کیا کیا ہے تم نے؟"

انہوں نے رات کے واقعے کا ذکر کیا تو آر نے بے جھجک اپنی نظریں اُن کی آنکھوں میں ڈال دیں۔

"میں نے صرف اُس لڑکی کی مدد کی جسے مدد کی ضرورت تھی۔ یہی تو ہمارا کام ہے نا، سر؟ میں نے صرف اپنا اور اُس لڑکی کا بچاؤ کیا، جسے ہم سیلف ڈیفنس کہتے ہیں۔"

وہ انتہائی پُر سکون لہجے میں بولی، جیسے اسے کسی اور بات کا علم ہی نہ ہو۔

سر شہاب نے بے بسی سے ایک گہرا سانس لیا۔

"اور تم نے اِس سیلف ڈیفنس میں ایک لڑکے کی ٹانگیں توڑ دیں، جس کے بارے میں ڈاکٹر جواب دے چکے ہیں کہ وہ شاید کبھی چل بھی نہ سکے۔"

انہوں نے سخت لہجے میں کہا۔

آر کے ہونٹوں پر لمحہ بھر کے لیے ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر اگلے ہی لمحے وہ پہلے کی طرح سنجیدہ ہو کر بولی،

"تو اچھا ہے نا، سر... اب اُس کے قدم کبھی غلط راستے پر نہیں بھٹکیں گے۔"

وہ مکمل اطمینان سے اپنی وضاحت پیش کر رہی تھی۔

سر شہاب نے اُسے گھور کر دیکھا تو وہ خاموشی سے دوبارہ سر جھکا گئی۔

مگر اُن کے پاس ابھی شکایتیں ختم نہیں ہوئی تھیں۔

"اور تمہارے اِس سیلف ڈیفنس میں ایک لڑکے کے دونوں بازو ٹوٹ گئے... جبکہ دوسرے کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے اپنی بینائی کھو چکی ہیں۔ اس کے بارے میں کیا کہو گی، آفیسر آر؟"

اس بار اُن کی آواز پہلے کی نسبت نرم ضرور تھی، مگر اس میں موجود تھکن اور فکر صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

وہ جانتے تھے کہ سامنے کھڑی اس ضدی لڑکی پر غصہ کرنا شاید کبھی فائدہ مند ثابت نہیں ہو گا۔

آر نے ایک لمحہ اُن کی طرف دیکھا، پھر پہلے کی طرح پُر سکون لہجے میں بولی،

"جی سر، یہ بھی اچھا ہی ہوا۔ اُس کے بازو اس لیے ٹوٹے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں کا غلط استعمال کر رہا تھا... اور جہاں تک آنکھوں کی بات ہے، جب آنکھیں ہی نہیں ہوں گی تو کسی معصوم پر بری نظر ڈالنے یا کوئی

غلط کام کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کو نہیں لگتا کہ اس میں کچھ بھی غلط نہیں؟"

وہ اِس انداز سے بات کر رہی تھی جیسے اُس نے دنیا کا سب سے منطقی فیصلہ کیا ہو۔

سر شہاب چند لمحوں تک خاموش کھڑے اُسے دیکھتے رہے۔

پھر اُنہوں نے آہستگی سے سر ہلایا۔

"تم جانتی ہو وہ سب لڑکے کون ہیں؟ اور اُن کے خاندان کتنی طاقت رکھتے ہیں؟"

اس بار اُن کے لہجے میں غصے سے زیادہ ایک باپ جیسی فکر تھی۔

"تم خود کو بار بار مشکل میں کیوں ڈال رہی ہو، بیٹا؟"

یہ لفظ سنتے ہی آر کے چہرے کے تاثرات لمحہ بھر کو نرم پڑ گئے۔

"آپ کو تو پتہ ہی ہے، سر... جب تک اللہ نے زندگی لکھی ہے، وہ تو ہمیں گزارنی ہی ہے۔ کوئی بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور جب وقت آ جائے گا تو جانا تو سب نے اُسی کے پاس ہے۔"

وہ چند لمحے رکی، پھر پہلے سے زیادہ سنجیدگی سے بولی،

"لیکن میں اُس کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی کہ اُس کے بندوں کی مدد کر سکتی تھی، پھر بھی نہیں کی... خاص طور پر اُس وقت جب اُنہیں میری ضرورت تھی۔"

اُس کی آواز میں غیر معمولی یقین تھا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ وہ چاہے کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں، اللہ کی اجازت اور اُس کے مقرر کیے ہوئے وقت سے پہلے کچھ نہیں کر سکتے۔ میں اپنا خیال رکھوں گی... آپ سے وعدہ ہے۔"

سر شہاب کافی دیر تک خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔

اُن کی آنکھوں میں بے اختیار نمی سی اُتر آئی تھی۔

وہ اچھی طرح جانتے تھے...

سامنے کھڑی یہ لڑکی ضدی ضرور ہے، مگر اُس کی ہر ضد کسی بے گناہ کو انصاف دلانے کے لیے ہوتی ہے۔

وہ آہستہ سے اُس کے قریب آئے، محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا اور مسکراتے ہوئے بولے،

"تم بالکل اپنی ماں کی طرح ہو... ویسی ہی بے خوف، ویسی ہی حق کے لیے ہر حال میں کھڑی رہنے والی۔"

وہ چند لمحے رکے، پھر فخر سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے،

"مجھے تم پر فخر ہے۔"

آر نے خاموشی سے اُن کی طرف دیکھا۔

اُس کی آنکھوں میں پہلی بار نمی کی ہلکی سی جھلک ابھری، مگر وہ ہمیشہ کی طرح اُسے چھپا گئی۔

اس نے احترام سے سر ہلایا، آہستہ سے اجازت لی اور خاموش قدموں سے آفس سے باہر نکل گئی۔

سر شہاب کافی دیر تک بند ہوتے دروازے کو دیکھتے رہے۔

پھر اُن کے لبوں پر ایک بے اختیار دعا آئی۔

"یااللہ... میری اس بچی کی ہمیشہ حفاظت فرمانا۔"

////////////////

اس وقت وہ لائبریری میں موجود تھی، جو ابراہیم ہاؤس کے ایک پُر سکون اور خاموش حصے میں واقع تھی۔

گھر کے باقی حصوں کے برعکس یہاں ہر وقت ایک عجیب سا سکون بکھرا رہتا تھا۔ کھڑکیوں سے چھن کر آنے والی مدھم دھوپ لکڑی کی شیلفوں پر قطار در قطار سجی کتابوں پر پڑ رہی تھی، جبکہ پرانے کاغذوں اور کتابوں کی مخصوص خوشبو پورے ماحول میں رچی ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس جگہ نے برسوں سے بے شمار کہانیاں اپنے سینے میں سمو رکھی ہوں۔

زیادہ تر لوگ اِدھر کا رخ نہیں کرتے تھے۔

آج ہی ثمینہ نے اُسے بتایا تھا کہ گھر میں ایک بڑی لائبریری بھی موجود ہے، اور تب سے وہ اسے دیکھنے کا ارادہ کیے ہوئے تھی۔

زوہان کو سلانے کے بعد آخر کار اُسے موقع مل گیا تھا۔

ویسے بھی زوہان جب ایک بار سوتا تھا تو کم از کم دو گھنٹے تک نہیں اُٹھتا تھا، اسی لیے وہ اطمینان سے وہاں چلی آئی تھی۔

ابراہیم ہاؤس میں آئے اُسے پورا ایک ہفتہ ہو چکا تھا۔

اس دوران اُس کی کسی سے خاص بات نہیں ہوئی تھی۔

وہ زیادہ تر وقت زوہان کے ساتھ ہی گزارتی تھی۔

ہاں، انیلہ صاحبہ اور اُن کی بھانجی آئمہ اکثر زوہان کے پاس آجاتی تھیں۔

آئمہ تو آج کل مستقل ابراہیم ہاؤس میں ہی ٹھہری ہوئی تھی اور پوری کوشش کر رہی تھی کہ زوہان اُس کا عادی ہو جائے۔

لیکن زوہان کا ردِ عمل ہمیشہ ایک جیسا ہوتا۔

جیسے ہی آئمہ اُسے گود میں لینے کی کوشش کرتی، وہ فوراً منہ بنا کر رونا شروع کر دیتا، جیسے اپنی ننھی سی زبان میں احتجاج کر رہا ہو۔

اور پھر دو منٹ بعد آئمہ خود ہی اُسے چھوڑ کر بھاگ جاتی تھی۔

دوسری طرف ارسم روز کافی دیر زوہان کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔

وہ اُس سے باتیں کرتا، اُس کے ننھے ننھے ہاتھ اپنی انگلیوں میں تھام لیتا، کبھی اُس کے گال دباتا اور کبھی بس خاموشی سے اُسے دیکھتا رہتا، جیسے اُس چھوٹے سے وجود میں ہی اپنی پوری دنیا تلاش کر رہا ہو۔

رامین اکثر خاموشی سے اُس کی یہ ساری باتیں سنتی اور دیکھتی رہتی تھی۔

اب ارسم دوبارہ آفس جانا شروع کر چکا تھا، لیکن واپسی پر سب سے پہلے زوہان کے پاس ہی آتا تھا۔

لائبریری میں موجود رامین تقریباً تمام شیلفز دیکھ چکی تھی۔

اُس کی کالی آنکھیں ایک ایک کتاب پر ٹھہرتیں، عنوان پڑھتیں اور پھر آگے بڑھ جاتیں، مگر وہ چیز ابھی تک نہیں ملی تھی جس کی وہ تلاش میں تھی۔

تبھی لائبریری کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔

خاموشی میں دروازے کی ہلکی سی آواز بھی واضح محسوس ہوئی۔

وہ پلٹ کر دیکھتی، اس سے پہلے ہی ارسم اندر داخل ہو چکا تھا۔

"آپ یہاں؟"

ارسم نے اُسے وہاں دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

کیونکہ لائبریری میں عموماً کوئی نہیں آتا تھا۔

سوائے اُس کے۔

اور جب عنایا زندہ تھی تو وہ بھی اکثر یہاں وقت گزارا کرتی تھی۔

"ہاں، وہ میں۔۔۔"

رامین ابھی کوئی جواب دیتی کہ ارسم نے اُس کی بات کاٹ دی۔

"آپ کو کتابیں پسند ہیں؟"

اُس نے رامین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

رامین نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے، آپ کو جو بکس چاہیے آپ لے لیجیے۔"

ارسم نے مختصر سا جواب دیا۔

پھر وہ وہاں موجود میز کی طرف بڑھا، اپنی چند فائلز اُٹھائیں اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی لائبریری ایک بار پھر اپنی پُر سکون خاموشی میں ڈوب گئی۔

چند لمحوں بعد رامین کو آخر وہ کتاب مل گئی جس کی وہ تلاش کر رہی تھی۔

کتاب ہاتھ میں آتے ہی اُس کے چہرے پر ہلکا سا اطمینان ابھرا، جیسے اُس کی محنت رنگ لے آئی ہو۔

وہ کتاب اپنے ساتھ لیے خاموشی سے کمرے کی طرف واپس آ گئی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس کی نظریں سیدھا زوہان پر پڑیں، جو ابھی بھی سکون سے گہری نیند سو رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اُس کے قریب گئی، کتاب ایک طرف رکھی اور بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

کچھ لمحے وہ خاموشی سے اُس ننھے وجود کو دیکھتی رہی۔

سوتے ہوئے بھی اُس کے چہرے پر معصومیت بکھری ہوئی تھی۔

"تم کتنے پیارے ہو۔"

اُس نے دھیمی آواز میں کہا، جیسے خود سے بات کر رہی ہو۔

"تم فکر نہیں کرنا، میں ہوں تمہارے پاس۔"

اُس کے لہجے میں بے اختیار نرمی اور اپنائیت اُتر آئی تھی۔

"اور کبھی نہیں جاؤں گی... تب تک تو کبھی نہیں، جب تک مجھے یہ یقین نہ ہو جائے کہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی۔

پھر جھک کر اُس کے ماتھے پر محبت سے ایک نرم سا بوسہ ثبت کیا۔

"میرا وعدہ ہے تم سے۔"

شاید اُس کی آواز زوہان تک پہنچ گئی تھی۔

کیونکہ اگلے ہی لمحے اُس نے اپنی گول مٹول آنکھیں آہستہ آہستہ کھول دیں۔

چند لمحے وہ پلکیں جھپکائے رامین کو دیکھتا رہا۔

پھر اچانک اُس کے ننھے سے چہرے پر ایک روشن سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

وہ معصوم مسکراہٹ دیکھ کر رامین کے ہونٹوں پر بھی بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

اُس نے فوراً اُسے اپنی گود میں اُٹھا لیا۔

زوہان خوشی سے ہاتھ پاؤں ہلانے لگا، جیسے اپنی ننھی سی زبان میں اُس سے باتیں کر رہا ہو۔

اور پھر کچھ دیر تک اُس کمرے میں صرف ایک معصوم بچے کی کھلکھلاہٹ گونجتی رہی...

اور اُس کھلکھلاہٹ کے ساتھ ایک خاموش دل بھی آہستہ آہستہ مسکرانا سیکھ رہا تھا۔

//////////////

"تم بھی ناراض ہو نا مجھ سے؟"

عنایا نے دھیمی آواز میں اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کمرے میں ہر طرف سامان بکھرا ہوا تھا۔ بیڈ پر کپڑے، میز پر چند ضروری فائلیں، کھلی ہوئی ٹریول بیگ اور ایک طرف رکھی ٹریننگ کی یونیفارم اس بات کا ثبوت تھیں کہ روانگی کی تیاریاں آخری مرحلے میں تھیں۔

آر خاموشی سے اپنی ٹریننگ کے لیے سامان پیک کر رہی تھی۔

اُس کے ہاتھ مسلسل مصروف تھے، مگر چہرہ مکمل سنجیدہ تھا۔ وہ ایک ایک چیز احتیاط سے بیگ میں رکھ رہی تھی، جیسے خود کو کام میں مصروف رکھ کر اپنے جذبات سے بچانا چاہتی ہو۔

دو دن پہلے ہی عنایا ارسم کے ساتھ بھاگ کر شادی کر چکی تھی۔

اُس ایک فیصلے نے دونوں خاندانوں میں جیسے طوفان برپا کر دیا تھا۔

انکل اور آنٹی نے اُس سے بات کرنا بند کر دی تھی۔

اور آر...

وہ بھی اُس سے ناراض تھی۔

کیونکہ اُس کا ماننا تھا کہ عنایا اپنے ماما بابا کو منا سکتی تھی۔

وہ ہمیشہ سے ہر مشکل کا حل نکالنے والی لڑکی تھی۔

پھر اس بار اُس نے ہار کیوں مان لی؟

"تمہیں تو پتہ ہے وہ کبھی نہیں مانتے۔"

عنایا آہستہ آہستہ اُس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

اُس کی آواز میں بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"اور مان بھی جاتے تو کہتے کہ ارسم کے ماما بابا رشتہ لے کر آئیں، لیکن وہ بھی ہماری شادی کے لیے راضی نہیں تھے۔"

وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"میں کیا کرتی؟ تم تو مجھے سمجھو یار۔"

وہ آ کر اُس کے پاس بیٹھی اور نرمی سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

مگر آر نے خاموشی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور دوبارہ سامان سمیٹنے لگی۔

یہ خاموشی...

یہ بے رخی...

عنایا کے لیے شاید کسی بھی ڈانٹ سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

اُس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

اور اگلے ہی لمحے آنسو خاموشی سے اُس کے رخساروں پر بہنے لگے۔

آخر آر نے اپنا کام روک دیا۔

اُس نے ایک گہرا سانس لیا اور عنایا کی طرف دیکھا۔

"میں ناراض نہیں ہوں تم سے۔"

اُس نے نسبتاً نرم لہجے میں کہا۔

"لیکن مجھے برا ضرور لگا۔"

عنایا نے نم آنکھوں سے اُسے دیکھا۔

"وہ عنایا کہاں ہے جو مشکلوں کے حل ڈھونڈنے والوں میں سے تھی، نہ کہ اُن سے بھاگنے والوں میں سے؟"

آر کے لہجے میں شکوہ تھا۔

مگر اُس شکوے کے پیچھے صرف محبت اور فکر چھپی ہوئی تھی۔

عنایا فوراً اُس کے گلے لگ گئی۔

"میں سب ٹھیک کر دوں گی، پکا۔"

وہ جلدی جلدی بولی۔

"ماما بابا کو بھی منالوں گی۔ کب تک ناراض رہیں گے اپنی اکلوتی بیٹی سے ؟"

وہ الگ ہوئی اور امید بھری نظروں سے اُس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔

اس بار آر کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

جیسے اُس کی ناراضی کی دیوار میں پہلی دراڑ پڑی ہو۔

"میری ٹریننگ ہے، پتہ ہے نا تمہیں۔"

اُس نے نرمی سے کہا۔

"اب کب اس شہر میں واپس آؤں گی، یا میری پوسٹنگ کہیں اور ہو گئی تو شاید کافی عرصے تک نہ آ سکوں۔"

یہ کہتے ہوئے پہلی بار اُس کی آواز میں جدائی کی ہلکی سی کسک محسوس ہوئی۔

"تم اپنا خیال رکھنا۔"

اُس نے عنایا کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"اور مجھے کال کرتی رہنا۔ کوئی بھی مسئلہ کیوں نہ ہو، مجھے سب بتاؤ گی۔ سمجھ آئی تمہیں ؟"

عنایا نے فوراً سر ہلا دیا۔

"پریشان مت ہو۔"

وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"اگر رابطہ نہ بھی ہوا تو تمہارے لیے بہت سارے خط لکھ دوں گی۔"

اب اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ واپس آ چکی تھی۔

"جب واپس آؤ گی تو تمہیں دے دوں گی، تب پڑھنا۔"

پھر اُس نے شرارت سے آنکھ دبائی۔

"اور میرے سارے مسئلے باری باری حل کرنا، ٹھیک ہے؟"

عنایا کی لمبی وضاحت سن کر آر بے اختیار ہنس پڑی۔

اُس کی ہنسی کے ساتھ ہی کمرے میں پھیلا بوجھل پن جیسے کچھ کم ہو گیا۔

"تم بس ہمیشہ ایسی ہی رہنا۔"

آر نے اُسے دوبارہ اپنے گلے سے لگا لیا۔

"میں تمہیں بہت یاد کروں گی۔"

اس بار عنایا کے آنسو دوبارہ بہنے لگے۔

اُس نے جلدی سے اپنے گال صاف کیے، مگر آنکھوں میں چھپی اداسی پھر بھی نہ چھپ سکی۔

کیونکہ یہ پہلی بار تھا کہ وہ دونوں اتنے لمبے عرصے کے لیے ایک دوسرے سے دور ہونے والی تھیں۔

اور شاید دونوں ہی اس جدائی کے لیے دل سے تیار نہیں تھیں۔

کافی دیر تک وہ خاموشی سے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھی رہیں۔

کبھی کوئی بولتا، کبھی دونوں صرف ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیتیں۔

جیسے ہر گزرتا لمحہ اپنی یادوں میں محفوظ کر لینا چاہتی ہوں۔

پھر آرنے ہمیشہ کی طرح اُسے بے شمار ہدایات دیں، اپنا خیال رکھنے کی نصیحت کی، اور آخر کار وہاں سے روانہ ہو گئی۔

عنایا کافی دیر تک دروازے پر کھڑی اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اُس کی نظروں میں دعائیں تھیں، دل میں بے شمار باتیں...

یہ جانے بغیر کہ یہ اُن کی آخری بے فکر ملاقاتوں میں سے ایک تھی۔

//////////////

رامین کو ابراہیم ہاؤس آئے ہوئے پورا ایک مہینہ ہو چکا تھا۔

اس ایک مہینے میں وہ وہاں رہنے والے تقریباً ہر فرد کی عادتوں سے بخوبی واقف ہو گئی تھی۔

یہ گھر جتنا بڑا تھا، اتنا ہی خاموش بھی محسوس ہوتا تھا۔

گھر کے زیادہ تر مکین صرف رات کو سونے کے لیے ہی واپس آتے تھے۔

البتہ ارسم اس معاملے میں سب سے مختلف تھا۔

چاہے آفس کی مصروفیات کتنی ہی کیوں نہ ہوں، وہ لنچ کے وقت لازماً گھر آتا تاکہ کچھ وقت زوہان کے ساتھ گزار سکے۔

رات کو بھی آفس سے واپسی کے بعد اُس کا زیادہ تر وقت اپنے بیٹے کے نام ہوتا۔

ایسا لگتا تھا جیسے اُس کی پوری دنیا اب صرف دو چیزوں تک محدود ہو چکی ہو...

اپنا کام...

اور زوہان۔

جب سے رامین اس گھر میں آئی تھی، آئمہ نے بھی مستقل یہیں رہنا شروع کر دیا تھا۔

مگر زیادہ تر وقت وہ اور انیلہ صاحبہ گھر سے باہر ہی رہتی تھیں۔

اور اگر گھر میں ہوتیں بھی تو زیادہ تر انیلہ صاحبہ کے کمرے میں بند رہتی تھیں۔

اس دوران رومان اپنے ہاسٹل میں تھا۔

ثمینہ نے اُسے بتایا تھا کہ وہ اپنے آخری سمسٹر کے پیپرز ختم ہونے کے بعد ہی واپس آئے گا۔

ابراہیم صاحب ہمیشہ کی طرح اپنے کام میں مصروف رہتے تھے اور دوسروں کے معاملات میں کم ہی مداخلت کرتے تھے۔

اس پورے عرصے میں رامین کی کسی سے خاص بات نہیں ہوئی تھی۔

بس ایک زوہان تھا...

جواب مکمل طور پر اُس سے مانوس ہو چکا تھا۔---

رات کافی گہری ہو چکی تھی۔

گھر کی راہداریوں میں خاموشی پھیلی ہوئی تھی اور ہر طرف سکون کا راج تھا۔

زوہان کو ارسم اکثر رات کے وقت اپنے کمرے میں ہی سلاتا تھا۔

آج بھی وہ اُسے اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

رامین پانی لینے کے لیے آہستہ آہستہ کچن کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک انیلہ صاحبہ کے کمرے سے آنے والی آوازوں نے اُس کے قدم روک دیے۔

وہ بے اختیار وہیں ٹھہر گئی۔

دروازہ بند تھا، مگر اندر ہونے والی گفتگو صاف سنائی دے رہی تھی۔

"خالہ! اس لڑکی کو گھر سے نکالیں۔ زوہان تو میرے پاس آتا ہی نہیں، سب اُس کی وجہ سے ہے۔"

آئمہ غصے سے بول رہی تھی۔

وہ بیڈ پر انیلہ صاحبہ کے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہوش کے ناخن لو، لڑکی!"

انیلہ صاحبہ نے سخت لہجے میں اُسے سمجھایا۔

"ابھی اگر میں نے کچھ بھی کہا نا، تو ارسم کبھی نہیں مانے گا۔ پہلے زوہان کو اپنے قابو میں کرو، پھر میں ارسم سے تمہاری شادی کی بات کروں گی۔ بلکہ تم تو اس لڑکی سے سیکھ لو کہ زوہان کو کیسے سنبھالا جاتا ہے۔"

انہوں نے تحمل سے کہا۔

"خالہ! آپ چاہتی ہیں میں اُس کیئر ٹیکر سے سیکھوں؟ آپ کا دماغ تو اپنی جگہ پر ہے؟ پتہ نہیں کون ہے، میں ایسی لڑکیوں کو منہ بھی نہیں لگاتی۔"

آئمہ نے ناک چڑھاتے ہوئے نفرت بھرے انداز میں کہا۔

"اگر واقعی ارسم سے شادی کرنی ہے تو یہ سب کرنا پڑے گا۔ شاید تم بھول رہی ہو کہ میں نے اس گھر میں آنے کے لیے کیا کچھ کیا ہے۔"

انیلہ صاحبہ نے اُسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی دونوں کے چہروں پر ایک پراسرار، شیطانی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

دروازے کے باہر کھڑی رامین خاموشی سے اُن کی ہر بات سنتی رہی۔

اُس کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں آیا، مگر اُس کی کالی آنکھوں میں اب ایک نئی سنجیدگی اتر چکی تھی۔

کچھ لمحے مزید وہاں رکنے کے بعد وہ خاموش قدموں سے واپس اپنے کمرے کی طرف لوٹ آئی۔

اندر آتے ہی اُس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔

چند لمحے وہ خاموش کھڑی رہی۔

پھر ایک گہرا سانس لیا۔

"یااللہ... معاف کرنا، لیکن اس وقت مجھے بہت بری بری گالیاں یاد آرہی ہیں۔"

وہ خود سے بڑبڑائی۔

"کتنے کمینے لوگ دیکھے ہیں میں نے، لیکن ان جیسے لعنتی پہلی بار ملے ہیں۔"

وہ غصے سے دانت بھینچتے ہوئے بولی۔

"ایک معصوم بچے کو بھی اپنی سیاست کا حصہ بنانا چاہتے ہیں۔"

اُس نے قریب رکھا تکیہ دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے جکڑ لیا۔

شاید وہ جانتی تھی کہ اگر اپنے غصے کو کسی طرح قابو نہ کیا تو اگلا وار کمرے کے کسی بے چارے سامان پر ہو گا۔

"لیکن کوئی بات نہیں..."

اس بار اُس کے لہجے میں عجیب سا اعتماد تھا۔

"جب تک میں اس گھر میں ہوں، یہ لوگ خوشی سے خواب دیکھتے رہیں..."

اُس کی کالی آنکھوں میں عزم کی چمک صاف جھلک رہی تھی۔

"... کیونکہ اِن کے یہ خواب کبھی حقیقت نہیں بننے دوں گی۔"

//////////////////

اس وقت وہ اپنے کمرے میں بالکل اکیلی بیٹھی تھی۔

کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

صرف دیوار پر لگی گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک اُس خاموش ماحول میں سنائی دے رہی تھی، جیسے گزرتے ہوئے ہر لمحے کا احساس دلا رہی ہو۔

اُس کے ہاتھوں میں ایک ڈائری تھی۔

اور وہ کافی دیر سے خاموشی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

جیسے خود میں اتنی ہمت جمع کر رہی ہو کہ اُسے کھول کر پڑھ سکے۔

مگر شاید بعض یادوں کا سامنا کرنا کسی جنگ لڑنے سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

اسی لمحے اُسے عنایا کی ایک بات یاد آئی۔

"میں تمہارے لیے بہت سارے خط لکھ کر رکھ دوں گی، تم پڑھ لینا۔"

عنایا نے یہ بات ہنستے ہوئے کہی تھی۔

بالکل مذاق کے انداز میں۔

لیکن نہ جانے کیوں آر کو وہ بات کبھی مذاق محسوس نہیں ہوئی تھی۔

اور آج...

اُس کے ہاتھ میں موجود یہی ڈائری اس بات کا ثبوت تھی کہ عنایا کی کہی ہوئی ہر بات کسی نہ کسی طرح سچ ثابت ہو جاتی تھی۔

پتہ نہیں وہ حقیقتوں کو مذاق کا رنگ کیسے دے دیتی تھی۔

وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھی۔

زندگی سے بھرپور...

ہر لمحہ مسکراتی ہوئی...

اور دوسروں کے چہروں پر بھی مسکراہٹ بکھیر دینے والی۔

رامین نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے ڈائری کھولی۔

پہلے ہی صفحے پر عنایا کی لکھائی موجود تھی۔

وہی بے ترتیب، ٹیڑھی میڑھی لکھائی...

جس پر وہ ہمیشہ اُسے چھیڑا کرتی تھی۔

اور عنایا جان بوجھ کر اپنی لکھائی اور بھی خراب کر دیتی تھی، صرف اُسے تنگ کرنے کے لیے۔

"ہیلو ڈیئر ڈائری اور میری پیاری دوست۔"

پہلی ہی سطر پڑھتے ہی اُس کے ہونٹ لرز گئے۔

اُس نے آہستگی سے اپنی انگلیاں اُن لفظوں پر پھیریں۔

جیسے اُن حروف کے درمیان کہیں عنایا کی موجودگی کو محسوس کرنا چاہتی ہو۔

اگلے ہی لمحے اُس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو خاموشی سے صفحے پر گرنے لگے۔

"تمہیں کہا تھا نا، قدر کر لو میری۔ایک بار چلی گئی تو واپس نہیں آؤں گی۔"

اُسے یوں محسوس ہوا جیسے عنایا کی شوخ آواز بالکل اُس کے قریب گونجی ہو۔

وہ بے اختیار چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

مگر کمرہ خالی تھا۔

ہمیشہ کی طرح...

وہ صرف ایک یاد تھی۔

اور یادیں...

کبھی واپس نہیں آیا کرتیں۔

رامین نے ایک گہرا سانس لیا۔

پلکوں پر ٹھہرے آنسو صاف کیے اور اگلا صفحہ کھول لیا۔

"آج میرا ابراہیم ہاؤس میں پہلا دن تھا۔ یہاں ارسم کے امی اور بابا مجھ سے بالکل بات نہیں کر رہے، پر ہاں رومان بہت اچھا ہے۔ وہ میری بہت مدد کر رہا ہے یہاں سیٹ ہونے میں۔"

رامین خاموشی سے پڑھتی رہی۔

ہر لفظ کے ساتھ اُس کی نظروں کے سامنے عنایا کا ہنستا مسکراتا چہرہ ابھرتا جا رہا تھا۔

"انیلہ آنٹی مجھے بالکل بھی پسند نہیں کرتیں اور اُن کی بھانجی... وہ ہر وقت میرے لیے مشکلیں کھڑی کرتی ہے کیونکہ وہ ارسم سے شادی کرنا چاہتی تھی، لیکن میری وجہ سے ایسا نہیں ہو پایا۔"

رامین کی نظریں لفظوں پر جمی رہیں۔

"میں نے ارسم کو سب بتایا تھا تو اُس نے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا، لیکن انیلہ آنٹی نے اُسے روک لیا کہ اب ایسا کچھ نہیں ہو گا۔"

وہ خاموشی سے اگلا جملہ پڑھنے لگی۔

"ارسم بہت اچھا ہے، میرا بہت خیال رکھتا ہے، مجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔"

یہ جملہ پڑھ کر اُس کی پلکیں ہلکے سے لرز گئیں۔

"مجھے تمہاری بہت یاد آتی ہے آر۔"

اُس کی آنکھیں ایک بار پھر دھندلا گئیں۔

"میں ماما بابا سے بھی ملنے گئی تھی لیکن وہ میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتے۔ لیکن میں نے تمہیں وعدہ کیا تھا کہ میں سب ٹھیک کر دوں گی، اس لیے کوشش کرتی رہوں گی۔ آخر ماں باپ ہیں، کب تک ناراض رہیں گے۔"

ہر لفظ میں ایک امید تھی...

وہی امید جس کے سہارے شاید عنایا آخری وقت تک جیتی رہی۔

رامین نے اگلا صفحہ پلٹا۔

اور اُس کی سانس جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

"انیلہ آنٹی کا ایک بیٹا بھی ہے۔"

اُس کی نظریں فوراً تیز ہو گئیں۔

"وہ بہت بُرا ہے۔"

کمرے کی خاموشی پہلے سے کہیں زیادہ بوجھل محسوس ہونے لگی۔

"جب وہ دیکھتا ہے تو دل کرتا ہے اُس کی آنکھیں نکال دوں۔ مجھے اُس کی نظروں سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

رامین کے ہاتھ غیر ارادی طور پر مٹھیوں میں بدل گئے۔

اُس کی انگلیوں کی پوریں سفید پڑنے لگی تھیں۔

"جب وہ گھر آتا ہے تو میں اپنے کمرے سے باہر نکلنا چھوڑ دیتی ہوں۔"

اُس کی کالی آنکھوں میں غصے کی ایک تیز چمک اُبھر آئی۔

"وہ کئی مرتبہ مجھ سے فضول باتیں کر چکا ہے، لیکن میں گھر میں فساد نہیں ڈالنا چاہتی، اس لیے خاموش ہو جاتی ہوں۔"

ہر لفظ...

ہر جملہ...

اُس کے دل پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔

"انکل ابراہیم نے مجھے قبول کر لیا ہے، میرے لیے یہی بہت ہے۔"

رامین نے چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

جیسے اپنے اندر اٹھتے طوفان کو قابو میں کرنا چاہتی ہو۔

مگر ڈائری ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"آج انیلہ آنٹی نے میرا ہاتھ مروڑ دیا کیونکہ اُنہوں نے مجھے اپنے کپڑے استری کرنے کے لیے دیے تھے، لیکن وہ مجھ سے جل گئے۔"

اُس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔

"پہلے تو مجھے حیرت ہوئی کہ وہ مجھے کام کیوں کہہ رہی ہیں، لیکن اب سمجھ آ گئی ہے۔"

"وہ صرف اپنا حساب پورا کرنا چاہتی تھیں۔"

رامین خاموشی سے پڑھتی رہی۔

"رومان کے ساتھ میری اچھی دوستی ہو گئی ہے۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے اور انکل بھی اب مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔"

پھر آخری سطریں آئیں۔

اور یہی وہ الفاظ تھے جنہوں نے اُس کے ضبط کی آخری دیوار بھی گرادی۔

"آج مجھے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی ہے۔"

اُس کے ہاتھ لرزنے لگے۔

"تم خالہ بننے والی ہو اور میں ماما۔"

آنسو ایک بار پھر اُس کی پلکوں سے پھسل کر ڈائری کے صفحوں پر گرنے لگے۔

"تم یہاں نہیں ہو، مجھے تمہاری کمی ہر وقت محسوس ہوتی ہے۔"

"تم بس جلدی سے واپس آجاؤ۔"

"بہت ساری باتیں کرنی ہیں تم سے۔"

وہ مزید نہیں پڑھ سکی۔

اُس نے لرزتے ہاتھوں سے ڈائری بند کی۔

اور اُسے مضبوطی سے اپنے سینے سے لگالیا۔

جیسے اُس ڈائری میں عنایا کا وجود سمٹ آیا ہو۔

اُس کے اندر اب مزید ہمت باقی نہیں رہی تھی۔

کتنی باتیں تھیں عنایا کے پاس...

کتنے خواب...

کتنی امیدیں...

کتنی شکایتیں...

اور کتنے راز...

لیکن اُن میں سے ایک بھی وہ اپنی سب سے قریبی دوست کو نہ بتا سکی۔

"مجھے معاف کر دینا..."

اُس کی آواز بری طرح ٹوٹ گئی۔

"جب تمہیں میری سب سے زیادہ ضرورت تھی، میں تمہارے پاس نہیں تھی۔"

آنسو مسلسل اُس کے رخساروں پر بہتے جا رہے تھے۔

"نہ تمہاری خوشی میں..."

وہ چند لمحے رکی۔

"اور نہ تمہارے غم میں۔"

کمرے کی خاموشی اب صرف اُس کی سسکیوں سے ٹوٹ رہی تھی۔

وقت بہت آگے نکل چکا تھا۔

اور اب وہ چاہ کر بھی اُسے واپس نہیں لا سکتی تھی۔

مگر اُسے اپنا وعدہ یاد تھا۔

وہ وعدہ...

جو اُس نے عنایا سے کیا تھا۔

اور اُس وعدے کو نبھانے کے لیے...

وہ ہر حد تک جانے کے لیے تیار تھی۔

//////////////

دوپہر کا وقت تھا۔

پورا ابراہیم ہاؤس غیر معمولی خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کھڑکیوں سے چھن کر آتی دھوپ فرش پر سنہری نقش بنا رہی تھی، جبکہ وسیع ہال میں ایک عجیب سا سکوت پھیلا ہوا تھا۔

اس وقت گھر میں کوئی موجود نہیں تھا۔

ثمینہ بھی کھانا بنا کر واپس اپنے گھر جا چکی تھی۔ اُس نے پہلے ہی انیلہ صاحبہ سے ایک دن کی چھٹی لے رکھی تھی۔

رامین زوہان کے لیے دودھ لینے کچن کی طرف آئی تھی۔ اس وقت پورے گھر میں صرف وہ اور زوہان ہی موجود تھے۔

وہ ابھی ہال سے گزر ہی رہی تھی کہ اچانک اُسے اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔

اُس کے قدم بے اختیار رک گئے۔

وہ فوراً پلٹی اور سامنے کھڑے شخص کو دیکھا، جو سر سے پاؤں تک اُسے بے دریغ گھور رہا تھا۔

اُس کی نظریں ایسی تھیں کہ جیسے سامنے کسی انسان کو نہیں، بلکہ کسی چیز کو دیکھ رہا ہو۔

"تو تم ہو نئی ملازمہ؟"

عابد نے مسلسل اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

رامین کو اُس کی نظریں اپنے آر پار اترتی محسوس ہوئیں۔

اگرچہ اُس نے ہمیشہ کی طرح مکمل حجاب اوڑھ رکھا تھا، مگر پھر بھی اُس شخص کی بے باک نگاہیں اُسے شدید ناگوار گزر رہی تھیں۔

اُس نے اپنی بے زاری کو چہرے پر آنے نہیں دیا۔

"آپ کون؟"

رامین نے اپنی گہری کالی آنکھیں اُس کی آنکھوں میں گاڑتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ارے! گھر میں کام کرتی ہے اور گھر کے فرد کو، اتنی اہم شخصیت کو نہیں جانتی؟ حیرت ہے۔"

عابد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

رامین ابھی اُسے کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ پیچھے سے ایک آواز گونجی۔

"جانا اُنہیں جاتا ہے جو قابل ہوں۔ پہلے قابل تو بن جاؤ، تلوے چاٹنا چھوڑ دو ہمارے، پھر شاید تمہیں وگ جاننے لگیں، کیوں میری امی کی اولاد؟"

رامین نے چونک کر پیچھے دیکھا۔

یہ آواز اُس نے پہلی بار سنی تھی۔

عابد نے سامنے کھڑے شخص کو دیکھا، اُس کی باتیں سنیں، مگر غصے سے دانت پیستے ہوئے بھی بنا کچھ کہے وہاں سے چلا گیا۔

چند لمحوں بعد وہ نوجوان رامین کے سامنے آ کر رک گیا۔

"السلام علیکم، ویسے آپ ہی ہیں نا ہمارے زوہان کی نئی کیئر ٹیکر؟"

رومان نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

رامین چند لمحے حیرت سے اُسے دیکھتی رہی۔

"جی... لیکن آپ...؟"

وہ ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ رومان نے مسکراتے ہوئے اُس کی بات کاٹ دی۔

"میں زوہان کا چاچو اور ارسم بھائی کا چھوٹا بھائی ہوں، رومان۔ ویسے آپ سے مل کر اچھا لگا۔ شکر ہے کہ وہان کو کوئی تو سنبھال سکتا ہے، ہم سب اُس کے لیے بہت فکر مند تھے۔"

رومان نے خلوص بھرے لہجے میں کہا۔

رامین خاموشی سے اُس کی بات سنتی رہی۔

"جی، مجھے پتہ ہے۔ آپ کا بتایا تھا ثمینہ نے۔"

رامین نے جواب دیا تو رومان ہنس پڑا۔

"اس ثمینہ کے پیٹ میں بھی کوئی بات نہیں ٹکتی۔ خیر، آپ کو اگر دوبارہ وہ انسان تنگ کرے تو آپ دو کس کے لگا دیجیے گا اُسے، آپ کو اجازت ہے۔ اور اگر کوئی بھی بات ہو تو فوراً مجھے یا بھائی کو بتا دینا آپ۔ ویسے بھی اب میں یہیں ہوں۔"

اُس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا، مگر اُس کے لہجے میں اپنے لوگوں کے لیے ذمہ داری صاف محسوس ہو رہی تھی۔

رامین چند لمحے خاموش رہی، پھر آہستگی سے بولی،

"لیکن اگر وہ اِتنا بُرا ہے تو آپ اُسے یہاں آنے کیوں دیتے ہیں؟ سوری... میرا مطلب..."

رومان کے چہرے پر آتی سنجیدگی دیکھ کر اُس نے فوراً معذرت کر لی۔

"نہیں، آپ سوری مت بولیں۔ کچھ چیزیں ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ آپ کو پتہ ہو گا، ایسے لوگ بھی آزمائش ہوتے ہیں، اور یہ ہمارے حصے میں لکھی گئی آزمائش سمجھیے آپ۔ لیکن آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی، وعدہ ہے میرا آپ سے۔"

رومان نے سنجیدہ لہجے میں اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

چند لمحے پہلے والی شوخی اب اُس کے چہرے سے غائب ہو چکی تھی اور اُس کی جگہ ایک عجیب سی پختگی نے لے لی تھی۔

رامین نے اُس کی بات خاموشی سے سنی۔

"تھینک یو، میں اب چلتی ہوں۔ زوہان کو دودھ دینا ہے، وہ اُٹھ گیا ہو گا۔"

اُس نے نرمی سے کہا۔

"جی بالکل۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو آپ بلا جھجک مجھے بتا سکتی ہیں۔ آپ جائیں۔"

رومان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

رامین نے اثبات میں سر ہلایا اور آہستہ آہستہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

جبکہ رومان بھی اپنا سامان اُٹھائے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا، جو وہ ہاسٹل سے واپس اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

گھر ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔

مگر اس خاموشی کے پردے کے پیچھے بہت سے ایسے راز چھپے تھے، جن سے رامین ابھی پوری طرح واقف نہیں تھی۔

////////////////

اس وقت وہ ایک پُر سکون ریسٹورنٹ میں موجود تھی۔

دوپہر کا وقت تھا، اس لیے ریسٹورنٹ میں زیادہ رش نہیں تھا۔ ہلکی موسیقی فضا میں مدھم سی گونج رہی تھی، جبکہ چند لوگ خاموشی سے اپنی اپنی میزوں پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

خانزادہ ایک کونے والی میز پر بیٹھی تھی۔

اُس کے سامنے وہی لڑکی موجود تھی جس نے فارم ہاؤس والے کیس میں اُن لڑکوں کو سزا دلوانے میں اُس کی مدد کی تھی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا، تم یہاں سے چلی جانا، لیکن تم کبھی میری بات کو سنجیدہ نہیں لیتی نا۔"

خانزادہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سامنے بیٹھی صوفیہ بڑے اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھی۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے اُسے اپنے ارد گرد کی کسی چیز کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔

خانزادہ کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے اُس کا ہاتھ رکا، مگر اگلے ہی لمحے وہ دوبارہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔

"سر شہاب کہتے ہیں کہ میں ڈھیٹ ہوں، لیکن حقیقت میں تو تم ہو ڈھیٹ۔"

خانزادہ اس بار قدرے غصے سے بولی۔

تب صوفیہ نے آخر کار چمچ میز پر رکھا اور اُس کی طرف دیکھا۔

"سینئر، تم نے جیسا کہا تھا، میں نے ویسا ہی کیا تھا۔ اُس وقت نہ تو میں اپنی اصلی شکل میں تھی اور نہ ہی میری آواز اصلی تھی، تو کون مجھے پہچانے گا؟ اور ویسے بھی اُن ساروں کا حلیہ تو تم بگاڑ چکی ہو، اب کیا ہی کر لیں گے وہ؟"

صوفیہ نے ہمیشہ کی طرح بے فکری سے کہا۔

وہ خانزادہ کی جونیئر تھی۔

یونیورسٹی کے زمانے سے ہی اُسے خانزادہ سے بے حد لگاؤ تھا۔

وہ ہر معاملے میں اُسے اپنا آئیڈیل مانتی تھی اور حتیٰ کہ اُس کی عادتوں تک کو اپنانے کی کوشش کرتی تھی۔

شاید یہی وجہ تھی کہ جب خانزادہ پولیس آفیسر بنی تو صوفیہ نے بھی اپنے امتحانات مکمل ہوتے ہی پولیس ٹریننگ جوائن کر لی تھی۔

اور جب فارم ہاؤس والے کیس میں خانزادہ کو کسی قابلِ اعتماد شخص کی ضرورت محسوس ہوئی تو اُس نے بلا جھجک صوفیہ کو اپنے پاس بلا لیا تھا۔

اور صوفیہ...

وہ تو ویسے بھی اپنی سینئر کے لیے ہر وقت حاضر رہتی تھی۔

"ہاں، اُن کی حالت تو اب کچھ کرنے کی نہیں رہی، لیکن تمہیں پھر بھی محتاط رہنا چاہیے۔"

اس بار خانزادہ نے نسبتاً نرم لہجے میں اُسے سمجھایا۔

"دیکھو سینئر، مجھے پتہ ہے اُن تینوں لڑکوں میں سے ایک کے والد کی پہنچ بہت اوپر تک ہے، لیکن کسی کو میرے بارے میں کچھ نہیں پتہ۔ سب تمہیں ضرور جانتے ہیں، اور تم میری فکر کر رہی ہو۔"

صوفیہ نے سنجیدگی سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا اس سب سے دور رہنا ہی بہتر ہے، صوفیہ، تاکہ صحیح وقت پر تم میری مدد کر سکو۔ اور جہاں تک میری سیفٹی کی بات ہے تو اس بار ہمارے پاس جو ثبوت ہیں، وہ ابھی میری حفاظت کی ضمانت کے لیے کافی ہیں۔ تم پریشان مت ہو۔"

آر خانزادہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

صوفیہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"اس کا مطلب تم اُس امیر آدمی کا انتظام بھی کر چکی ہو۔ ویسے تمہاری شخصیت کو یہی جچتا ہے، سینئر۔"

اُس نے داد دیتی نظروں سے خانزادہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

خانزادہ ہلکا سا مسکرائی، مگر اگلے ہی لمحے اُس نے خود کو سنبھال لیا۔

"ٹھیک ہے، اب تم میری بات تو مانو گی نہیں، تو میں تمہارے یہاں رہنے کا انتظام کر دیتی ہوں۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔"

وہ کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولی۔

صوفیہ بھی فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

"میں جانتی ہوں، تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہاں، لیکن تمہیں میری ضرورت ہو تو میں حاضر ہو جاؤں گی۔ بس ایک آواز دے دینا۔"

صوفیہ نے مسکراتے ہوئے اُسے سلیوٹ کیا۔

خانزادہ نے اُس کی حرکت پر بے اختیار سر نفی میں ہلایا۔

اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور پھر وہ وہاں سے باہر نکل گئی۔

جبکہ صوفیہ اُسے جاتے ہوئے دیکھ کر خاموشی سے مسکراتی رہی۔

وہ صرف اپنی سینئر کی عزت نہیں کرتی تھی...

بلکہ دل سے چاہتی تھی کہ ایک دن وہ بھی بالکل خانزادہ جیسی مضبوط، نڈر اور فرض شناس پولیس آفیسر بنے۔

//////////////////

اس وقت لنچ کا وقت تھا اور ارسم گھر پر ہی موجود تھا۔ وہ اپنے کمرے میں کچھ فائلز دیکھ رہا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

"آجایئے۔"

اُس نے نظریں فائل سے ہٹائے بغیر اجازت دی۔

اگلے ہی لمحے رامین تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس کے چہرے پر واضح گھبراہٹ تھی اور سانس بھی کچھ تیز چل رہی تھی۔

"وہ... زوہان کو بہت تیز بخار ہے۔ پلیز، اُسے فوراً ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔"

اُس نے پریشانی بھرے لہجے میں کہا۔

ارسم نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ وہ فوراً اُٹھا اور دونوں زوہان کو لے کر ہسپتال کے لیے روانہ ہو گئے۔

راستے بھر رامین نے زوہان کو اپنی گود میں مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ اُس کے ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی، جبکہ اُس کی اپنی حالت بھی کسی بیمار شخص سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

"اِسے بخار کب ہوا؟"

ارسم نے گاڑی چلاتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"صبح تک تو بالکل ٹھیک تھا... ابھی اچانک بخار ہو گیا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہا ایسا کیسے ہوا۔"

رامین نے بے چینی سے جواب دیا۔

اُس کی نظریں بار بار زوہان کے سرخ چہرے پر جا ٹھہرتی تھیں۔ دل بس یہی چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اُس کا بخار فوراً اُتر جائے۔

ارسم نے ایک لمحہ اُس کی طرف دیکھا، پھر نرم لہجے میں بولا،

"آپ پریشان نہ ہوں۔ بچے اکثر بیمار ہو جاتے ہیں، اور زوہان کو بھی پہلے کئی بار بخار ہو چکا ہے۔ ان شاء اللہ، وہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ اُسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا، کیونکہ اس وقت رامین خود زوہان سے زیادہ پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں ہسپتال پہنچ گئے۔

ارسم سید ھا زوہان کو اپنے فیملی ڈاکٹر، ڈاکٹر علی، کے پاس لے گیا۔

ڈاکٹر علی نے زوہان کا معائنہ کیا، چند دوائیاں لکھیں اور ضروری احتیاطی تدابیر سمجھائیں۔

رامین پوری توجہ سے اُن کی ہر بات سن رہی تھی۔ وہ بار بار ایک ہی سوال کرتی،

"ڈاکٹر... زوہان ٹھیک تو ہو جائے گا نا؟"

ڈاکٹر علی ہر بار اُسے اطمینان سے جواب دیتے،

"جی، فکر نہ کریں۔ بخار ہے، دوائیوں سے اُتر جائے گا۔"

اُسی دوران رامین کا فون بج اٹھا۔

اُس نے معذرت کی اور فون سننے کے لیے کیبن سے باہر چلی گئی۔

رامین کے باہر جاتے ہی ڈاکٹر علی نے مسکراتے ہوئے ارسم کی طرف دیکھا، جو زوہان کو اپنی گود میں لیے خاموش بیٹھا تھا۔

"لگتا ہے... یہ زوہان سے بہت اٹیچ ہو گئی ہے، ارسم۔"

ارسم نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا،

"صرف وہی نہیں... زوہان بھی اُس سے بہت اٹیچ ہو گیا ہے۔اب تو وہ سوتا بھی اُسی کے ساتھ ہے۔"

ڈاکٹر علی چند لمحے خاموشی سے دونوں کو دیکھتا رہا، پھر سنجیدگی سے بولا،

"ارسم، میری ایک بات مانو گے؟"

"کیسی بات؟"

ارسم نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا۔

"تم شادی کر لو۔"

یہ سن کر ارسم نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"تمہیں اندازہ بھی ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم جانتے ہو نا، میں یہ نہیں کر سکتا۔ عنایا کی یادیں ہی میرے لیے کافی ہیں۔"

اُس کی آواز میں چھپا درد ڈاکٹر علی سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ عنایا کی جدائی نے ارسم کو اندر سے توڑ دیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ ارسم کسی اور کو کبھی عنایا کی جگہ نہیں دے سکے گا۔

"میں جانتا ہوں..."

ڈاکٹر علی نے نرمی سے کہا۔

"لیکن یہ بات میں تمہارے لیے نہیں، زوہان کے لیے کہہ رہا ہوں۔اُسے ایک ماں کی ضرورت ہے، ارسم۔ تم چاہے اُسے دنیا بھر کا پیار دے دو، مگر ماں کی محبت کبھی نہیں دے سکتے۔"

ارسم نے گہرا سانس لیا اور چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا،

"اور علی... کیا تمہیں یقین ہے کہ کوئی لڑکی بغیر کسی غرض کے میرے بیٹے کو ماں کی محبت دے گی؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ شاید میں اُسے کبھی اپنی زندگی میں وہ مقام نہ دے سکوں۔"

ڈاکٹر علی اُس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔

چند لمحے بعد اُس نے معنی خیز انداز میں کہا،

"کچھ سوالوں کے جواب ہمارے سامنے موجود ہوتے ہیں... لیکن ہم اُنہیں دیکھنا نہیں چاہتے۔"

وہ ابھی اپنی بات مکمل ہی کر رہا تھا کہ رامین دوبارہ کیبن میں داخل ہو گئی۔

ڈاکٹر علی فوراً خاموش ہو گیا۔

ارسم نے ایک لمحہ علی کی طرف دیکھا، پھر رامین کی جانب متوجہ ہوا۔

"چلیں؟"

اُس نے مختصر سا کہا۔

رامین نے اثبات میں سر ہلایا۔

ارسم، زوہان کو گود میں لیے ڈاکٹر علی سے مل کر باہر نکل گیا۔

مگر رامین چند لمحے مزید وہیں رکی رہی۔

اُس نے دوبارہ زوہان کی دوائیوں اور احتیاطوں کے بارے میں تفصیل سے پوچھا۔

ڈاکٹر علی اُس کی فکر مندی دیکھ کر مسکرا دیا۔

"فکر نہ کریں، وہ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

اُس نے ایک بار پھر اُسے تسلی دی۔

تب جا کر رامین مطمئن ہوئی اور باہر آ گئی، جہاں ارسم گاڑی میں اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

واپسی کے پورے راستے خاموشی چھائی رہی۔

رامین نے زوہان کو اپنی گود میں سینے سے لگائے رکھا اور مسلسل اُسے ہی دیکھتی رہی، جیسے ایک لمحے کے لیے بھی اُس سے نظریں ہٹانا نہیں چاہتی ہو۔

جبکہ ارسم بھی ڈرائیونگ کرتے ہوئے وقفے وقفے سے ریئر ویو مرر میں دونوں کو دیکھتا رہا۔

نہ جانے کیوں...

آج پہلی بار اُسے یہ منظر عجیب حد تک پُر سکون محسوس ہوا تھا۔

////////////////

اس وقت وہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ زوہان بھی اُسی کے پاس تھا۔ رامین کو کسی کام سے باہر جانا تھا، اس لیے وہ ارسم سے اجازت لے کر کچھ دیر کے لیے چلی گئی تھی اور زوہان کو اُس کے پاس چھوڑ گئی تھی۔

کمرے میں ہلکی سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے آتی مدھم دھوپ فرش پر پھیل رہی تھی، جبکہ ٹیبل پر رکھا لیپ ٹاپ اپنی ہلکی روشنی کے ساتھ کھلا ہوا تھا۔

ارسم پوری توجہ سے اپنے لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا۔ آج کل وہ ایک نئے پروجیکٹ میں غیر معمولی حد تک مصروف تھا، اسی لیے اُس کی نظریں مسلسل اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے چل رہی تھیں۔

دوسری طرف زوہان آرام سے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ ابھی چند لمحے پہلے تک وہ گہری نیند میں تھا، مگر اب آنکھیں کھولے خاموشی سے چھت اور ارد گرد کی چیزوں کو دیکھ رہا تھا، جیسے اپنی ننھی سی دنیا کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

تبھی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

اپنے کام میں مصروف رہتے ہوئے ہی ارسم نے اندر آنے کی اجازت دی۔

اگلے ہی لمحے ثمینہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

"وہ... ارسم بھائی، آپ کو بڑی بیگم بلا رہی ہیں۔"

اُس نے احترام سے کہا۔

ارسم نے لیپ ٹاپ سے نظریں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔اُس کی خاموش نظریں جیسے وجہ پوچھ رہی تھیں۔

ثمینہ فوراً اُس کا اشارہ سمجھ گئی۔

"جی... وہ آپ سے کچھ بات کرنی ہے اُنہوں نے ،اِسی لیے بلایا ہے۔"

اُس نے جلدی سے وضاحت کی۔

ارسم چند لمحے خاموش رہا، پھر اُس کی نظر بیڈ پر موجود زوہان پر گئی۔

"ٹھیک ہے، تم زوہان کو باہر لے جاؤ، میں آتا ہوں۔"

اُس نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

اس دوران زوہان مکمل طور پر جاگ چکا تھا اور اپنی معصوم آنکھوں سے کبھی ارسم کو اور کبھی ثمینہ کو دیکھ رہا تھا۔

"جی اچھا۔"

ثمینہ نے نرمی سے زوہان کو اپنی گود میں اُٹھایا۔

زوہان نے ایک لمحے کے لیے ارسم کی طرف دیکھا، پھر خاموشی سے ثمینہ کے ساتھ چلا گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں دوبارہ خاموشی چھا گئی۔

ارسم نے ایک لمحے کے لیے گہرا سانس لیا، لیپ ٹاپ بند کیا اور جیسے کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

پھر خود کو سنبھالتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا انیلہ صاحبہ کے کمرے کی طرف چل دیا۔

//////////

رومان اس وقت اپنے دوست ثمر کے ساتھ ایک کیفے میں موجود تھا۔

اُن کے رزلٹ آنے میں ابھی چند دن باقی تھے، لیکن فارغ بیٹھنا اُن دونوں کی عادت نہیں تھی۔اسی لیے وہ اس دوران ابراہیم صاحب کی کمپنی میں انٹرنشپ کر رہے تھے۔دونوں کا ارادہ آگے مزید پڑھنے کا بھی تھا، مگر فی الحال اُن کی تمام توجہ رزلٹ کے انتظار پر تھی۔

کیفے میں ہلکی ہلکی موسیقی گونج رہی تھی۔ مختلف ٹیبلز پر لوگ اپنی گفتگو اور قہقہوں میں مصروف تھے، جبکہ کافی کی خوشبو پورے ماحول میں رچی ہوئی تھی۔

وہ دونوں ابھی ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھے ہی تھے کہ اچانک ایک لڑکا گھبرایا ہوا تیزی سے بھاگتا ہوا باہر کی طرف آیا اور سیدھا رومان سے ٹکرا گیا۔

ٹکرا اتنی زوردار تھی کہ رومان اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پیچھے کی طرف گرنے لگا۔

اسی لمحے کسی نے فوراً اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے سنبھال لیا۔

رومان نے حیرت سے سامنے دیکھا۔

"ابے اوئے اندھے! نظر کم آتا ہے تجھے؟"

ایک بلند اور پُر اعتماد نسوانی آواز پورے کیفے میں گونجی۔

رومان ابھی تک حیرت میں اُسی لڑکی کو دیکھ رہا تھا، جبکہ وہ پوری بے باکی سے اُس لڑکے کی کلاس لے رہی تھی۔

"سوری بھائی۔"

آخر کار لڑکے نے شرمندگی سے رومان کی طرف دیکھ کر معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں، آئندہ خیال رکھنا۔"

رومان نے نرمی سے کہا، کیونکہ اُسے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ اگر اُس نے معاف نہ کیا تو سامنے کھڑی لڑکی اُس بے چارے کو مزید سنانے والی تھی۔

لڑکا جلدی سے وہاں سے چلا گیا۔

چند لمحوں بعد وہ لڑکی اُن دونوں کے سامنے آکر رکی۔

"بندہ شکریہ ہی بول دیتا ہے۔ یہاں تو بھلائی کا کوئی زمانہ ہی نہیں رہا۔ آپ جیسے لوگوں کے چکر میں ہی لوگ سوشل سروس کرنا چھوڑ چکے ہیں۔"

اب اُس کے نشانے پر رومان تھا۔

رومان خاموشی سے اُس کی نان اسٹاپ چلتی زبان سن رہا تھا، جبکہ ساتھ کھڑا ثمر بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک رہا تھا۔

"تھینکس آپ بولنے کا موقع دیں گی تو ہی میں بول پاؤں گا۔"

رومان نے آخر کار اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

وہ چند لمحے اُسے دیکھتی رہی، پھر بڑے احسان والے انداز میں سر ہلایا۔

"چلیں... شکریہ قبول کیا۔"

رومان نے بے اختیار ایک لمبا سانس لیا۔

مگر وہ ابھی رکی نہیں تھی۔

"ویسے لڑکوں کو اتنا نازک بھی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم جیسی لڑکیوں کو اُنہیں بچانے کے لیے آگے آنا پڑے۔"

اُس نے رومان کو سر سے پاؤں تک ایک نظر دیکھا۔

"خیر... میں صوفیہ ہوں۔امید کرتی ہوں آئندہ آپ اپنا خیال خود رکھ لیں گے۔"

صوفیہ نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

رومان دیکھنے میں واقعی کافی دُبلا پتلا تھا، حالانکہ کھانے پینے میں اُس کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔اُس کی جسمانی ساخت ہی ایسی تھی کہ دیکھنے والا اُسے کمزور ہی سمجھتا۔

صوفیہ کی بات سن کر رومان حیرت سے منہ کھولے اُسے دیکھتا رہ گیا۔

اب ثمر کی روکی ہوئی ہنسی بھی جواب دے گئی۔

وہ زور زور سے ہنسنے لگا، یہاں تک کہ اُس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

اور رومان کو اپنی بے عزتی کا احساس پہلے سے بھی زیادہ ہونے لگا۔

"ویسے میرا نام ثمر ہے، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔ کوئی تو ملا جس نے اس صاحبزادے کی بھی بولتی بند کرائی۔"

ثمر نے ہنسی روکتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

صوفیہ بھی مسکرا دی۔

"میں یہ سارے کام بہت اچھے سے کرتی ہوں ویسے۔ مجھے آپ کی مدد کر کے بہت خوشی ہوئی۔"

اُس نے بڑے اطمینان سے کہا۔

"اب میں چلتی ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

رومان ابھی تک اُسی سمت منہ کھولے دیکھ رہا تھا جہاں وہ گئی تھی۔

اچانک ثمر نے اُس کے پیٹ میں ہلکا سا مکا مارا۔

جس سے اُس کا کھلا ہوا منہ بند ہوا۔

"کیا لڑکی ہے یہ! میں نے مانگی تھی کیا مدد اس سے؟ خود ہی تعریفیں بھی کر گئی۔"

رومان نے خفگی سے کہا۔

پھر فوراً ثمر کی طرف گھورا۔

"اور تُو... تُجھے تو میں بتاؤں گا، بیٹا! اب آنا میرے پاس۔ تمہاری صحت تو میں ایسی درست کروں گا کہ یاد رکھے گا۔"

وہ غصے سے بولا۔

ثمر نے کندھے اُچکائے۔

"دیکھ... بات کڑوی ہے مگر سچی ہے۔ تُجھے ٹکر دینے والا آخر کار کوئی مل ہی گیا۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"میں تو دعا کروں گا کہ یہ دوبارہ بھی ہم سے ٹکرائے، تاکہ ہمیں بھی تیری طبیعت درست ہوتی دیکھنے کا دوبارہ موقع ملے۔"

ثمر نے پوری ڈھٹائی سے کہا۔

کیونکہ وہ جانتا تھا کہ رومان ہمیشہ اپنے دوستوں کو خوب تنگ کرتا تھا، مگر آج پہلی بار کوئی اُسے بھی ویسے ہی جواب دے گیا تھا۔

"دفعہ ہو جا!"

رومان نے جھنجھلا کر کہا۔

"میں جا رہا ہوں۔ تُو بیٹھ یہاں... اور انتظار کر اپنی شہزادی کا، میری کیا ضرورت ہے تجھے!"

یہ کہہ کر وہ ناراضی سے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

اور ثمر ہنستا ہوا اُس کے پیچھے چل پڑا۔

//////////////

وہ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر اندر داخل ہوا۔

کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ابراہیم صاحب اور انیلہ صاحبہ بیڈ پر خاموش بیٹھے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ماحول پر ایک عجیب سی سنجیدگی طاری تھی، جیسے کوئی اہم فیصلہ ہونے والا ہو۔

ارسم نے ایک نظر دونوں پر ڈالی اور خاموشی سے آگے بڑھ کر سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"آپ نے بلایا تھا مجھے ؟"

اُس نے پُر سکون لہجے میں اُن کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی، میں نے تمہیں بلایا تھا۔دراصل تمہارے بابا اور میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتے ہیں۔"

انیلہ صاحبہ نے ارسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، مگر ساتھ ہی اُس کے چہرے کے تاثرات بھی بغور پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"جی، تو کہیے... کیا بات کرنی ہے آپ نے مجھ سے ؟"

ارسم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

اُس کے لہجے میں نہ بے زاری تھی، نہ دلچسپی... صرف بے حد خاموشی۔

"ہم چاہتے ہیں کہ تم دوبارہ شادی کرلو، ارسم۔"

ابراہیم صاحب نے بغیر کسی تمہید کے صاف لفظوں میں اپنی بات کہہ دی۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

ارسم نے خاموش نظروں سے دونوں کو دیکھا، مگر کچھ نہیں بولا۔

"ہاں، تم آئمہ سے شادی کرلو، ارسم۔ زوہان کو ماں کی ضرورت ہے۔ وہ ابھی بہت چھوٹا ہے، بہتر یہی ہے کہ تم مان جاؤ۔"

ابھی ابراہیم صاحب خاموش ہوئے ہی تھے کہ انیلہ صاحبہ نے فوراً اپنی بات آگے بڑھائی۔

ارسم نے ایک گہرا سانس لیا۔

وہ محسوس کر رہا تھا کہ اُس کے اندر غصہ آہستہ آہستہ سر اُٹھا رہا ہے، مگر اُس نے خود پر قابو رکھا۔

"آپ جانتے ہیں، میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

اُس نے پُرسکون مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

"اور جہاں تک بات ہے زوہان کی، تو اُس کے لیے میں کافی ہوں۔ اور رامین اُس کا بہت اچھا خیال رکھ رہی ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ اُسے کسی اور ماں کی ضرورت ہے۔"

اُس کے الفاظ میں یقین صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"وہ لڑکی صرف ایک کیئر ٹیکر ہے، ارسم۔"

انیلہ صاحبہ نے فوراً جواب دیا۔

"کبھی نہ کبھی وہ یہاں سے چلی جائے گی، اور ماں کی کمی کوئی کیئر ٹیکر پوری نہیں کر سکتی۔ ماں... ماں ہوتی ہے۔"

اُنہوں نے زور دے کر کہا۔

ارسم نے چند لمحے خاموشی سے اُنہیں دیکھا۔

پھر اُس کی نیلی آنکھوں میں ایک عجیب سی سختی اُتر آئی۔

"آپ تو مجھے یہ بالکل مت بتائیں... تو بہتر ہے، امی۔"

اُس نے 'امی' کے لفظ پر خاص زور دیتے ہوئے کہا۔

اُس ایک لفظ نے جیسے انیلہ صاحبہ کی انا پر چوٹ لگا دی۔

اُن کا چہرہ غصے اور تذلیل سے سرخ پڑ گیا۔

"ارسم! یہ کس طرح بات کر رہے ہو تم؟"

ابراہیم صاحب نے سخت لہجے میں اُسے ٹوکا۔

ارسم نے خاموشی سے اُن کی آنکھوں میں دیکھا۔

اُس نظر میں شکوہ بھی تھا اور کئی ان کہے سوال بھی۔

چند لمحوں بعد ابراہیم صاحب خود ہی نظریں جھکا گئے۔

"بابا، میں نے آپ سے کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔"

ارسم آہستہ مگر مضبوط آواز میں بولا۔

"ہمیشہ آپ کے ہر فیصلے کی عزت کی ہے۔"

وہ چند لمحے رکا، پھر اسی سنجیدگی سے بولا،

"آپ سے بھی یہی امید رکھتا ہوں کہ میرے فیصلوں کی عزت کریں گے۔"

اُس نے صوفے سے اُٹھتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھا۔

"مجھے جو کرنا ہو گا، میں خود کر لوں گا۔"

اُس کی آواز پہلے سے زیادہ مضبوط تھی۔

"بس... آپ میرے فیصلوں کے درمیان مت آیئے گا۔"

یہ کہہ کر وہ مزید ایک لمحہ بھی وہاں نہ رکا۔

خاموشی سے مڑا، دروازہ کھولا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

اُس کے جانے کے بعد کمرے میں ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی، مگر اس بار یہ خاموشی پہلے سے کہیں زیادہ بوجھل تھی۔

//////////

اس وقت خان حویلی میں غیر معمولی ہلچل مچی ہوئی تھی۔

ہر ملازم اپنے اپنے کام میں مصروف تھا، جبکہ گارڈز پوری طرح الرٹ کھڑے تھے۔ پورے ہال پر ایک عجیب سا خوف طاری تھا۔

ہال کے وسط میں ظہیر خان غصے سے آگ بگولہ ہو رہے تھے۔

اُن کے چہرے کی سرخی اور آنکھوں میں بھڑکتا غصہ دیکھ کر کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اُن کی طرف سیدھی نظر بھی اُٹھا سکے۔

اُن کے سامنے اُن کا ایک آدمی سر جھکائے کھڑا تھا۔

"تم لوگوں سے اب تک ایک کام نہیں ہو پایا!"

ظہیر خان غصے سے دھاڑے۔

"میں نے کہا تھا نا، مجھے اُس آفیسر کا پتہ چاہیے جس نے میرے بیٹے کی یہ حالت کی ہے!"

اُن کی آواز پورے ہال میں گونج اٹھی۔

سامنے کھڑا آدمی کانپتے ہوئے خاموشی سے اُن کا غصہ برداشت کر رہا تھا۔

اسی دوران دروازہ کھلا اور اُن کا خاص آدمی، امجد، اندر داخل ہوا۔

"خان... پتہ چل گیا ہے کہ آپ کے بیٹے کو مفلوج کرنے والی، اور اُس کے دوستوں کا یہ حال کرنے والی آفیسر کون ہے۔"

امجد نے احترام سے سر جھکا کر کہا۔

ظہیر خان کی نظریں فوراً اُس پر جم گئیں۔

"کون ہے وہ بدذات جس کی اتنی ہمت ہوئی کہ ظہیر خان کے بیٹے کے ساتھ یہ سب کرے؟"

اُنہوں نے غصے سے پوچھا۔

"بتاؤ... تاکہ اُسے اُس کے کیے کی ایسی سزا دوں کہ نسلیں یاد رکھیں۔"

امجد چند لمحے خاموش رہا۔

پھر ہمت کر کے بولا،

"خان... جس نے آپ کے بیٹے کا یہ حال کیا ہے، وہ کوئی اور نہیں..."

وہ ایک لمحے کو رکا۔

"... بلکہ آپ کی بھتیجی... آپ کے بھائی خانزادہ کی بیٹی ہے۔"

یہ سنتے ہی ظہیر خان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

"تو خانزادہ کی اولاد کے بھی پر نکل آئے ہیں!"

وہ غصے سے دھاڑے۔

"اُس کی اتنی ہمت ہو گئی کہ اُس کے ہاتھ میرے بیٹے تک پہنچ گئے!"

غصے میں اُنہوں نے سامنے رکھی قیمتی اشیاء ایک ایک کر کے زمین پر دے ماریں۔

شیشے ٹوٹنے کی آواز پورے ہال میں گونجنے لگی۔

وہاں موجود تمام آدمی خوفزدہ ہو کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔

کیونکہ وہ جانتے تھے...

اس وقت ظہیر خان کے غصے کا کوئی رخ متعین نہیں تھا۔

"خان... یہ... یہ خط آیا ہے اُس کی طرف سے۔"

امجد نے احتیاط سے ایک لفافہ اُن کی طرف بڑھایا۔

ظہیر خان نے جھٹکے سے وہ خط اُس کے ہاتھ سے چھین لیا اور پڑھنا شروع کیا۔

السلام علیکم، چچا جان!

اُمید کرتی ہوں آپ خیریت سے ہوں گے۔

میں چاہتی تو آپ کو کال بھی کر سکتی تھی، مگر کیا کروں... آپ کی آواز سننا مجھے کبھی پسند نہیں آیا۔

اپنے بیٹے کی حالت کا ماتم کر رہے ہوں گے نا آپ؟

اور دل تو بہت کر رہا ہو گا کہ مجھے مار دیں۔

تو لیجیے...

میں آپ کو کھلا چیلنج دیتی ہوں۔

مار سکتے ہیں تو مار دیجیے۔

ویسے ابھی تو یہ صرف میرا سیلف ڈیفنس تھا۔

آپ کو اس خط کے ساتھ وہ ثبوت بھی بھیج رہی ہوں، جن کے بعد آپ کا بیٹا پوری زندگی سلاخوں کے پیچھے سڑے گا، اور آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔

اور ہاں...

یہ صرف ایک کاپی ہے۔

ایسے بہت سے ثبوت میرے پاس محفوظ ہیں۔

اگر آپ نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی، تو وہ تمام ثبوت ہر جگہ پہنچ جائیں گے۔

پھر دنیا کی کوئی طاقت نہ آپ کو بچا سکے گی، نہ آپ کے بیٹے کو۔

اب شوق سے مجھے مارنے کا منصوبہ بنائیے۔

خدا حافظ۔

آپ کی پیاری بھتیجی۔

خط ختم ہوتے ہی ظہیر خان کا ضبط بھی ختم ہو گیا۔

"ڈھونڈو اُسے!"

وہ پاگلوں کی طرح دھاڑے۔

"خانزادہ کی بیٹی میرے ہی ہاتھوں مرے گی!"

اُنہوں نے غصے میں مٹھی بھینچ لی۔

"اپنے ہاتھوں سے جان لوں گا میں اُس کی!"

امجد نے ساتھ رکھی سی ڈی کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا،

"خان، اس سی ڈی میں چھوٹے خان کے خلاف سارے ثبوت موجود ہیں۔ اگر یہ عدالت تک پہنچ گئی تو ہم کچھ نہیں کر پائیں گے۔"

ظہیر خان نے سرخ آنکھوں سے اُسے گھورا۔

امجد نے گہرا سانس لیا۔

"میں جانتا ہوں آپ بدلہ لینا چاہتے ہیں، لیکن اس وقت ہمیں صبر اور احتیاط سے کام لینا ہوگا۔"

کچھ لمحے خاموشی رہی۔

پھر ظہیر خان نے خود کو کسی حد تک قابو میں کیا۔

"ٹھیک ہے..."

اُنہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن مجھے ہر حال میں خانزادہ کا پتہ چاہیے۔"

اُن کی آواز میں اب بھی خطرناک ٹھنڈک موجود تھی۔

"وہ اس وقت کہاں ہے... مجھے معلوم ہونا چاہیے۔"

وہ چند لمحے رکے، پھر دانت پیستے ہوئے بولے،

"مارنا نہیں تو... تڑپانا ضرور چاہتا ہوں میں اُسے۔"

امجد نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

"جی، خان۔"

اتنا کہہ کر وہ وہاں سے نکل گیا۔

جبکہ ظہیر خان چند لمحے وہیں کھڑے رہے، پھر غصے سے بھری لمبی سانس لیتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گئے۔

//////////

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

پورا ابراہیم ہاؤس گہری خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف سناٹا تھا اور زیادہ تر لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو چکے تھے۔

رامین کے کمرے کے دروازے پر اچانک دستک ہوئی۔

اُس نے فوراً اپنے پاس سوئے زوہان کی طرف دیکھا، جو گہری نیند میں تھا۔

اُسے ڈر تھا کہ کہیں دستک کی آواز سے وہ جاگ نہ جائے، اس لیے وہ جلدی سے اُٹھی اور آہستگی سے دروازہ کھول دیا۔

مگر سامنے کھڑے شخص کو دیکھتے ہی اُس کی آنکھوں میں حیرت اُتر آئی۔

وہ فوراً دروازہ بند کرنے لگی، لیکن سامنے والے شخص نے اپنا ہاتھ درمیان میں رکھ کر اُس کی کوشش ناکام بنادی اور زبردستی کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔

"خوبصورت تو بہت ہو تم..."

عابد نے نشے میں دھت لہجے میں کہا۔

"یہ کالی آنکھیں...اور تمہارے یہ ہونٹ..."

وہ لڑکھڑاتے ہوئے اُس کی طرف بڑھا۔

"تم پر تو دل آگیا ہے میرا۔"

اُس کی آنکھیں شراب کے نشے سے سرخ تھیں، جیسے اُسے اپنے ہوش ہی نہ ہوں۔

رامین مسلسل پیچھے ہٹ رہی تھی، مگر اُس کی نظریں بار بار بیڈ پر سوئے زوہان پر جا رہی تھیں۔

اُسے سب سے زیادہ ڈر یہی تھا کہ کہیں زوہان جاگ نہ جائے۔

"آپ میرے کمرے میں اس وقت کیا کرنے آئے ہیں؟"

رامین نے غصے سے کہا۔

"اور آپ نے شراب پی رکھی ہے۔ پیچھے ہٹیں!"

یہ کہتے ہوئے اُس نے اُسے زور سے دھکا دیا۔

مگر عابد دوبارہ اُس کی طرف بڑھا۔

"تم مجھ سے بچ کر کہاں جاؤ گی؟"

وہ ہنسا۔

"میں تو صرف تمہارے لیے یہاں آیا ہوں۔"

اُس نے رامین کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔

رامین نے پوری طاقت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی، مگر اُس کی گرفت مضبوط تھی۔

"اس کا انجام بہت برا ہونے والا ہے... غلیظ انسان۔"

پہلا جملہ اُس نے اونچی آواز میں کہا۔

جبکہ دوسرا صرف سرگوشی میں۔

عابد نے حیرانی سے اُس کی طرف دیکھا۔

رامین کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لیے ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر اگلے ہی لمحے اُس نے اُسے چھپا لیا۔

"ارسم سر!"

اُس نے اچانک زور سے آواز لگائی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا۔

ارسم اندر داخل ہو چکا تھا۔

وہ عابد کی آخری بات سن چکا تھا۔

اُس کی نیلی آنکھوں میں ایسا غصہ اُترا ہوا تھا کہ رامین بے اختیار اُس کے پیچھے جا کر کھڑی ہو گئی۔

"ارسم سر..."

اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ... پتہ نہیں یہاں اس وقت کیوں آ گئے ہیں۔"

"ارسم، میں تو بس..."

عابد ابھی اپنی صفائی دینے ہی والا تھا کہ ارسم کا زوردار گھونسا سیدھا اُس کے پیٹ میں جا لگا۔

عابد درد سے دوہرا ہو گیا۔

مگر ارسم رکا نہیں۔

اُس نے عابد کا کالر پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے اُسے ہال میں لے آیا۔

اگلے ہی لمحے اُس کے گھونسے مسلسل عابد پر برسنے لگے۔

عابد کی چیخیں پورے گھر میں گونجنے لگیں۔

شور سن کر گھر کے سب افراد وہاں جمع ہو گئے۔

انیلہ صاحبہ فوراً اپنے بیٹے کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں۔

"ارسم! پاگل ہو گئے ہو کیا؟"

اُنہوں نے اُس کا ہاتھ روکنے کی کوشش کی۔

"کیوں مار رہے ہو میرے بیٹے کو؟"

دوسری طرف رومان خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

اور سچ تو یہ تھا...

عابد کی پٹائی دیکھ کر وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

"آپ کے بیٹے نے ہمیشہ کی طرح آج بھی اپنی اوقات دکھا دی ہے۔"

ارسم نے غصے سے کہا۔

"اگر آپ نے اپنے بیٹے کی اچھی تربیت کی ہوتی تو شاید مجھے یہ سب نہ کرنا پڑتا۔"

"کیا ہوا، ارسم؟"

ابراہیم صاحب نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"عابد نے کیا کیا ہے؟"

وہ جانتے تھے کہ ارسم کبھی بلاوجہ غصہ نہیں کرتا۔

ارسم نے بغیر کچھ چھپائے پوری بات اُنہیں بتا دی۔

یہ سنتے ہی وہاں خاموشی چھا گئی۔

"میں آج کے بعد اس شخص کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا، بابا۔"

ارسم نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اور اگر یہ دوبارہ اس گھر میں نظر آیا تو میں خود یہ گھر چھوڑ دوں گا۔"

ابراہیم صاحب نے چند لمحے خاموش رہ کر انیلہ صاحبہ کی طرف دیکھا۔

پھر فیصلہ کن انداز میں بولے،

"ایسا ہی ہو گا۔"

"آج کے بعد یہ اس گھر میں نہیں آئے گا۔"

"ابراہیم! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

انیلہ صاحبہ فوراً بول اٹھیں۔

"کوئی اس لڑکی سے بھی تو پوچھے! ہو سکتا ہے اسی نے عابد کو اپنے پاس بلایا ہو اور اب معصوم بن رہی ہو۔"

"امی!"

رومان پہلی بار سخت لہجے میں بولا۔

"یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ کا بیٹا کتنا نیک ہے۔"

اُس کی آواز میں واضح طنز تھا۔

"یہ وضاحت اُن لوگوں کو جا کر دیجیے جو اُس کی حرکتوں سے واقف نہیں۔"

وہ چند لمحے رکا۔

"بہتر ہو گا میرا منہ نہ کھلوائیں۔"

رومان کی بات سن کر انیلہ صاحبہ خاموش ہو گئیں۔

ارسم نے ایک بار پھر عابد کا کالر پکڑا۔

"نکل جاؤ ہمارے گھر سے!"

وہ غصے سے بولا۔

"اور آئندہ اس گھر کے آس پاس بھی نظر آئے... تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے عابد کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔

ابراہیم صاحب اور رومان خاموشی سے یہ سب دیکھتے رہے۔

جبکہ انیلہ صاحبہ نے بہت کوشش کی کہ عابد کو روک لیں، مگر اس بار ارسم نے اُن کی ایک نہ سنی۔

کچھ ہی دیر بعد ہال دوبارہ خاموش ہو گیا۔

اور پھر سب لوگ خاموشی سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

//////////

وہ واپس اپنے کمرے میں آچکی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس کی نظریں زوہان پر پڑیں، جو ابھی بھی پہلے کی طرح پُر سکون نیند سو رہا تھا۔

رامین آہستگی سے بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

کچھ لمحے وہ خاموشی سے اُس ننھے وجود کو دیکھتی رہی، جیسے خود کو یقین دلا رہی ہو کہ اب سب ٹھیک ہے۔

تبھی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"آجائیے۔"

رامین کے کہنے پر دروازہ کھلا اور ارسم اندر داخل ہوا۔

وہ چند لمحے خاموشی سے رامین کو دیکھتا رہا، پھر دھیمی آواز میں بولا،

"آپ ٹھیک ہیں، رامین؟"

اُس کی آواز میں واضح ندامت تھی۔

"مجھے معاف کر دیجیے۔ میرے ہوتے ہوئے بھی آپ کے ساتھ اتنا سب کچھ ہو گیا۔"

اُس نے نظریں جھکا لیں۔

"جو بھی ہوا... اُس کے لیے میں واقعی شرمندہ ہوں۔"

رامین نے اُس کی طرف دیکھا، پھر آہستگی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"آپ کو معافی مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اُس نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"آپ نے تو مجھے بچایا ہے۔ اگر آپ وقت پر نہ آتے تو شاید بہت برا ہو جاتا۔"

ارسم نے پہلی بار اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ کالی آنکھیں پہلے کی طرح پُر اعتماد تھیں۔

اُن میں خوف کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"اگر آپ ہمت کر کے مجھے کال نہ کرتیں تو مجھے کچھ بھی معلوم نہ ہو پاتا۔"

ارسم نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے اپنی جان خود بچائی ہے۔"

اُس کے لہجے میں رامین کی ہمت کے لیے بے اختیار احترام تھا۔

رامین کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"وقت آنے پر میں اپنی... اور اپنے سے جڑے ہر رشتے کی جان بچا سکتی ہوں، ارسم سر۔"

اُس نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ میں نے بچپن سے یہی سیکھا ہے کہ ہماری مدد کوئی نہیں کرتا... جب تک ہم خود اپنی مدد نہ کرنا چاہیں۔"

چند لمحوں کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔

پھر ارسم نے سنجیدگی سے کہا،

"میں وعدہ کرتا ہوں، رامین..."

"جب تک آپ اس گھر میں ہیں، آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گا۔"

رامین نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے آپ پر یقین ہے۔"

اُس کے مختصر سے جواب پر ارسم کے چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی برقرار رہی۔

"آپ آرام کیجیے۔"

اُس نے نرمی سے کہا۔

"میں چلتا ہوں۔"

وہ بیڈ کے قریب آیا، جھک کر زوہان کے ماتھے پر محبت سے بوسہ دیا، پھر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی رامین کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

نہ جانے کیوں...

آج اُسے پھر کسی کی یاد آگئی تھی۔

//////////

آج پھر وہ عنایا کی ڈائری اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھی۔

اُس نے وہی صفحہ کھولا جہاں پچھلی بار پڑھتے ہوئے رُکی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے... مجھے اکثر بہت ڈر لگتا ہے۔"

پہلی ہی سطر پڑھتے ہی اُسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ الفاظ صرف لکھے نہیں گئے تھے...

بلکہ عنایا نے اُس کے بالکل قریب بیٹھ کر دھیرے سے کہے ہوں۔

ہر بار ایسا ہی ہوتا تھا۔

جب بھی وہ یہ ڈائری کھولتی، اُسے لگتا جیسے عنایا کہیں گئی ہی نہ ہو۔

جیسے وہ اب بھی اُس کے آس پاس موجود ہو۔

رامین نے گہرا سانس لیا اور دوبارہ پڑھنا شروع کیا۔

"ارسم اتنا اچھا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"وہ لڑکیوں کی بہت عزت کرتا ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی بھی لڑکی خود کو محفوظ محسوس کر سکتی ہے۔"

"مجھے اسی لیے ڈر لگتا ہے... اگر کسی نے اُسے مجھ سے دور کر دیا تو؟"

"مگر مجھے اُس پر یقین ہے۔ وہ میرے ہوتے ہوئے کبھی کسی اور کی طرف نہیں دیکھے گا۔"

رامین نے خاموشی سے اگلا صفحہ پلٹ دیا۔

"تم جانتی ہو، آج انیلہ آنٹی کے بیٹے نے مجھ سے بدتمیزی کرنے کی کوشش کی۔"

اُس کی سانس ایک لمحے کو تھم گئی۔

"شکر ہے رومان وقت پر آ گیا تھا۔ اُس نے اُس کی اچھی خاطر کی۔"

"وہ تو مجھے کہہ رہا تھا کہ میں ارسم کو سب کچھ بتا دوں، لیکن میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتی۔"

"انیلہ آنٹی پہلے ہی مجھ سے خار کھاتی ہیں، اور اگر اب میں اُن کے بیٹے کے بارے میں کچھ کہوں گی تو وہ سب کچھ اور مشکل کر دیں گی۔"

"اور میں اب کوئی ایسی بات نہیں چاہتی جس کا اثر میرے بچے پر پڑے۔"

رامین کی نظریں ایک ایک لفظ پر جمتی چلی گئیں۔

"میں نے رومان کو بھی سمجھا دیا ہے، لیکن اب وہ ہر وقت میرے آس پاس ہی رہتا ہے، کیونکہ اُسے عابد پر بالکل یقین نہیں ہے۔"

"رومان میں مجھے اپنا بھائی مل گیا ہے۔"

"تمہیں تو معلوم ہے، میں ہمیشہ سے ایک بھائی چاہتی تھی۔"

اُس کے ہونٹ بے اختیار بھینچ گئے۔

"ارسم میرا بہت خیال رکھتا ہے۔"

"میں بہت خوش ہوں۔"

"میں ماما، بابا کے پاس بھی گئی تھی، اُنہیں اپنی سب سے بڑی خوشی بتانے۔"

"ماما تو بہت خوش ہوئیں، مجھ سے ملیں بھی..."

"لیکن بابا ابھی بھی ناراض ہیں۔"

"مگر میں اُنہیں بھی منالوں گی۔"

"تم جلدی آجاؤ..."

"میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

"میں تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔"

اُس نے مزید پڑھنے کے بجائے آہستگی سے ڈائری بند کر دی۔

کافی دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی۔

عنایا کا لکھا ہوا ایک ایک لفظ اُس کے ذہن میں نقش ہو چکا تھا۔

ہر سطر...

ہر احساس...

ہر ادھورا خواب...

وہ سب کچھ اُس کے دل پر نقش ہو گیا تھا۔

اُس نے آہستگی سے ڈائری کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تمہیں جس جس نے تکلیف دی..."

اُس نے دھیمی مگر مضبوط آواز میں کہا۔

"تم اُنہیں معاف کر سکتی ہو..."

وہ چند لمحے رکی۔

"مگر میں نہیں کروں گی۔"

اُس کی کالی آنکھوں میں اب نمی نہیں...

بلکہ ایک مضبوط عزم اُتر آیا تھا۔

"ہر انسان کو اپنے حصے کی سزا ضرور ملے گی۔"

اُس کے لہجے میں غیر معمولی یقین تھا۔

"بس صحیح وقت کا انتظار ہے۔"

اُس نے ڈائری کو مزید مضبوطی سے اپنے سینے سے لگا لیا۔

"ابھی بہت کچھ ہونا باقی ہے..."

اُس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ اُبھری۔

"اور تمہاری دوست..."

وہ آہستہ سے بولی۔

"اپنا ہر وعدہ پورا کرے گی۔"

//////////

صبح کا وقت تھا۔

ابراہیم ہاؤس کے ڈائننگ ہال میں سب ناشتے کے لیے موجود تھے۔

ابراہیم صاحب اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے، جبکہ اُن کے ساتھ ہی انیلہ صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔

وہ کل رات عابد کے گھر سے نکالے جانے کے بعد سے غیر معمولی طور پر خاموش تھیں۔

لیکن اُن کی یہ خاموشی...

طوفان سے پہلے والی خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔

اسی دوران ارسم اور رومان بھی ناشتے کے لیے آ کر اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

ثمینہ سب کو ناشتہ پیش کرنے میں مصروف تھی۔

کچھ ہی دیر بعد رامین بھی زوہان کے لیے دودھ لینے کچن کی طرف آئی۔

اُسے دیکھتے ہی انیلہ صاحبہ بول اٹھیں،

"ابراہیم صاحب، اگر میرا بیٹا اس گھر میں نہیں آسکتا تو یہ کیئر ٹیکر بھی اس گھر میں نہیں رہے گی۔"

اُنہوں نے رامین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب آپ فیصلہ کر لیجیے۔"

یہ سنتے ہی رامین وہیں رک گئی۔

اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب ایک نیا تماشا شروع ہونے والا ہے۔

ابھی ابراہیم صاحب کچھ کہتے، اُس سے پہلے ہی ارسم اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے..."

اُس نے پُر سکون مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

"کیئر ٹیکر اس گھر میں نہیں رہ سکتی..."

وہ چند قدم چل کر رامین کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"لیکن اس گھر کی بہو تو رہ سکتی ہے۔"

اُس کے الفاظ سنتے ہی سب حیرت سے اُسے دیکھنے لگے۔

رامین بھی حیرت سے اُس کا چہرہ تکنے لگی۔

ارسم نے سیدھا اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"رامین..."

اُس کی آواز میں غیر معمولی سنجیدگی تھی۔

"کیا آپ مجھ سے نکاح کریں گی؟"

رامین کی سانس جیسے ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

"آپ پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔"

ارسم نے نرمی سے کہا۔

"آپ جو بھی فیصلہ کریں گی، مجھے قبول ہو گا۔"

وہ چند لمحے رکا۔

"لیکن میرا بیٹا..."

اُس نے زوہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"اب صرف آپ ہی کے پاس رہے گا۔"

یہ کہنے کے بعد اُس نے نظریں انیلہ صاحبہ کی طرف موڑ دیں۔

"اور ایک بات یاد رکھ لیجیے..."

اُس کا لہجہ پہلے سے زیادہ سخت ہو گیا۔

"اس وقت میرے لیے سب سے زیادہ ضروری میرا بیٹا ہے۔"

"اور جو بھی اُس کے سکون اور آرام کے درمیان آئے گا..."

"میں اُسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

انیلہ صاحبہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"تم اب اس نوکرانی سے شادی کرو گے؟"

وہ غصے سے بولیں۔

"جس کے نہ گھر کا پتہ ہے، نہ خاندان کا!"

اُن کے لیے یہ سب ناقابلِ برداشت تھا۔

کل کی آئی ہوئی ایک لڑکی اُن کے سارے منصوبے برباد کر رہی تھی۔

یہاں تک کہ اُن کے اپنے بیٹے کو بھی گھر سے نکال دیا گیا تھا۔

اور اُنہیں ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ سامنے کھڑی رامین دراصل وہ عام لڑکی نہیں تھی، جیسا وہ سمجھ رہی تھیں۔

ارسم نے اُن کی بات مکمل سکون سے سنی۔

پھر بولا،

"شادی کرنے کا مشورہ تو آپ ہی نے دیا تھا۔"

"لیکن آپ کو واقعی یہ لگتا ہے کہ میں ایسی لڑکی سے شادی کروں گا جو میرے بیٹے سے محبت نہیں کرتی، صرف میرے سامنے دکھاوا کرتی ہے؟"

اُس نے صاف لہجے میں کہا۔

"تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔"

پھر اُس نے رامین کی طرف دیکھا۔

"اگر شادی کرنی ہی ہے..."

"تو اُس لڑکی سے کروں گا جو میرے بیٹے سے سچی محبت کرتی ہے، دکھاوے والی نہیں۔"

رامین خاموشی سے اُس کی ہر بات سن رہی تھی۔

جبکہ رومان انیلہ صاحبہ کی حالت دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔

"ابراہیم صاحب!"

انیلہ صاحبہ نے بے بسی سے کہا۔

"آپ کچھ بولتے کیوں نہیں؟"

ابراہیم صاحب نے اخبار ایک طرف رکھا اور پُر سکون لہجے میں بولے،

"انیلہ..."

"ارسم کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہے۔"

"اُسے اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرنے کا پورا حق ہے۔"

وہ چند لمحے رکے۔

"پہلے بھی میں نے اُس کے ایک فیصلے کی مخالفت کی تھی..."

اُن کی آواز میں ہلکی سی ندامت تھی۔

"اور وہ میری غلطی تھی۔"

پھر اُنہوں نے ارسم کی طرف دیکھ کر کہا،

"اب ایسا نہیں ہو گا۔"

"میں تمہارے ہر فیصلے میں تمہارے ساتھ ہوں، بیٹا۔"

ارسم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اب سب کی نظریں رامین پر تھیں۔

"رامین..."

ارسم نے نرمی سے کہا۔

"اگر آپ کو سوچنے کے لیے وقت چاہیے تو لے سکتی ہیں۔"

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

پھر رامین نے آہستہ سے سر اُٹھایا۔

"میں..."

اُس کی آواز مدھم تھی۔

"میں آپ سے شادی کروں گی۔"

اُس کا جواب سنتے ہی رومان فوراً اپنی جگہ سے اُٹھا اور دونوں کے درمیان آ کھڑا ہوا۔

"تو آخر کار..."

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آپ ہماری فیملی کا حصہ بننے جا رہی ہیں۔"

اُس نے خوش دلی سے کہا،

"خوش آمدید!"

رامین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اثبات میں سر ہلا دیا۔

ابراہیم صاحب بھی اُس کے قریب آ گئے۔

"آپ کے گھر میں اگر کوئی ہے..."

اُنہوں نے شفقت سے پوچھا۔

"تو ہمیں بتا دیجیے، ہم باقاعدہ آپ کا رشتہ اُن سے مانگ لیں گے۔"

رامین چند لمحے خاموش رہی۔

پھر دھیرے سے بولی،

"میرے گھر میں..."

اُس نے نظریں جھکا لیں۔

"کوئی نہیں ہے۔"

ارسم نے اُس کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

پھر نرم لہجے میں کہا،

"اب ہے۔"

رامین نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"اب یہ گھر بھی آپ کا ہے..."

"اور یہ خاندان بھی۔"

اُس کے لہجے میں اپنائیت نمایاں تھی۔

"ہم سادگی سے نکاح کریں گے۔"

وہ چند لمحے رکا۔

"اور آج کے بعد..."

"آپ کبھی یہ نہیں کہیں گی کہ آپ کا کوئی نہیں ہے۔"

رامین کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔

ایک ہی لمحے میں جیسے اُس کی برسوں کی محرومیاں کسی نے لفظوں سے سمیٹ لی تھیں۔

"بالکل!"

رومان فوراً بولا۔

"اوراب سے میں آپ کا بھائی ہوں۔"

اُس نے ہنستے ہوئے کہا،

"کوئی بھی آپ کو تنگ کرے، بس مجھے بتادینا۔"

"سب کو سیدھا کردوں گا۔"

اُس کی بات پر پہلی بار رامین دل سے مسکرادی۔

کچھ دیر بعد سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔

جبکہ انیلہ صاحبہ غصے سے بھرپور قدموں کے ساتھ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

اُنہیں اپنی بھانجی آئمہ کو بہت سی خبریں جو دینی تھیں۔

/////////

"کیا کہہ رہی ہیں آپ، خالہ؟ آپ سے کچھ نہیں ہوگا۔ پچھلی بار وہ عنایا تھی، اوراس بار یہ دو ٹکے کی نوکرانی۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"

آئمہ غصے سے چیختے ہوئے بولی۔

اُس کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

غصے کی شدت سے اُس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا، جبکہ اُس کی بھنچی ہوئی مٹھیاں اُس کے اندر اُبلتے ہوئے لاوے کی گواہی دے رہی تھیں۔

اس وقت انیلہ صاحبہ اُس کے گھر آئی ہوئی تھیں اور دونوں اُس کے کمرے میں موجود تھیں۔

کمرے میں ایک عجیب سی کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔

آئمہ بے چینی سے اِدھر اُدھر چکر لگا رہی تھی، جبکہ انیلہ صاحبہ اُسے پُرسکون کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر اُن کے اپنے چہرے پر بھی فکر کے آثار نمایاں تھے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ کچھ نہیں کرو گی تم۔"

انیلہ صاحبہ نے سخت مگر سنبھلے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پچھلی بار جو تم نے کیا تھا، اُس کا رائتہ سمیٹنے میں مجھے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے تھے، جانتی ہو تم؟ جذبات میں آ کر غلط قدم اُٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔"

اُنہوں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر آئمہ کے چہرے پر ضد پہلے سے بھی زیادہ گہری ہو چکی تھی۔

"تو کیا چاہتی ہیں؟"

وہ پلٹ کر اُن کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی رہوں اور ارسم دوسری شادی کر لے؟ اُسے مسئلہ کیا ہے؟ شادی ہی کرنی ہے تو مجھ سے کیوں نہیں کر سکتا؟"

غصے کی شدت میں اُس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا شیشے کا گلاس پوری طاقت سے زمین پر دے مارا۔

چھناااک...!

شیشے کے ٹوٹنے کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

بے شمار نوکیلے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے، مگر آئمہ کے سینے میں دہکتی آگ پھر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی۔

انیلہ صاحبہ نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

وہ اپنی بھانجی کے مزاج سے بخوبی واقف تھیں۔

"تمہاری انہی حرکتوں سے تو ارسم واقف ہے۔"

اُنہوں نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ زوہان کو اپنے ساتھ اٹیچ کر لو، لیکن تمہیں کہاں بچہ سنبھالنا تھا؟ اب بھگتو۔"

یہ سنتے ہی آئمہ کی آنکھوں میں حسد کی چمک مزید گہری ہو گئی۔

اُس نے اپنی مٹھیاں اتنی زور سے بھینچیں کہ ناخن ہتھیلی میں گڑ گئے۔

"میں کبھی خوش نہیں رہنے دوں گی اُس نوکرانی کو۔"

اُس کی آواز میں نفرت اور ضد صاف جھلک رہی تھی۔

"آخر کار ارسم کو میرے پاس ہی آنا پڑے گا۔ دیکھ لیجیے گا، خالہ آپ۔"

وہ ہر لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی، جیسے خود سے کوئی عہد کر رہی ہو۔

انیلہ صاحبہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہیں۔

چند لمحوں بعد اُنہوں نے بے اختیار نفی میں سر ہلا دیا۔

وہ جانتی تھیں...

آئمہ جب ضد پر آ جائے تو پھر صحیح اور غلط کے درمیان موجود ہر حد بھول جاتی ہے۔

اور یہی بات اُنہیں اندر ہی اندر سب سے زیادہ خوفزدہ کر رہی تھی۔

//////////////

آج اُن کا نکاح تھا۔

نہ کوئی غیر معمولی رونق تھی، نہ ہی بے تحاشا مہمانوں کا ہجوم۔

سب کچھ انتہائی سادگی سے رکھا گیا تھا، مگر اس سادگی میں بھی ایک عجیب سا وقار تھا۔

رامین اپنے کمرے میں خاموشی سے بیٹھی ہوئی تھی۔

اُس نے سفید رنگ کا سادہ مگر خوبصورت فراک پہن رکھا تھا۔

میک اَپ کے نام پر صرف آنکھوں میں ہلکا سا کاجل اور ہونٹوں پر مدھم سی گلابی لپ اسٹک تھی۔

وہ ویسے بھی بناؤ سنگھار کی عادی نہیں تھی، مگر آج اُس کی قدرتی خوبصورتی کچھ اور ہی نمایاں ہو رہی تھی۔

اُس کی گوری رنگت سفید لباس کے ساتھ مزید نکھر کر سامنے آ رہی تھی، جبکہ اُس کی کالی، گہری آنکھوں میں ایک ایسی خاموشی بسی ہوئی تھی، جسے شاید الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔

آج اُس کی زندگی ایک نئے موڑ پر کھڑی تھی۔

ایک ایسا سفر، جس کا اُس نے کبھی خواب نہیں دیکھا تھا۔

وہ یہ سب دل سے چاہتی بھی تھی یا نہیں...

اس سوال کا جواب شاید خود اُس کے پاس بھی نہیں تھا۔

مگر بعض فیصلے خواہشوں سے نہیں، حالات سے کیے جاتے ہیں۔

اور آج وہ بھی اپنی زندگی کا ایک ایسا ہی فیصلہ قبول کرنے جا رہی تھی۔

تبھی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

اُس نے پلکیں اُٹھائیں۔

"آ جایئے۔"

دروازہ کھلا، اور ارسم اندر داخل ہوا۔

وہ چند لمحے خاموشی سے رامین کو دیکھتا رہا، پھر سنجیدہ لہجے میں بولا،

"مولوی صاحب آ گئے ہیں، لیکن رامین... نکاح سے پہلے میں آپ سے ایک بات واضح کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ اپنی بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ رامین نے پُر سکون لہجے میں اُس کی بات کاٹ دی۔

"جانتی ہوں آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

اُس نے سیدھی اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"یہی کہ آپ یہ شادی صرف زوہان کے لیے کر رہے ہیں... اور آپ اپنی پہلی بیوی سے بہت محبت کرتے تھے، اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔"

اُس کی بات سن کر ارسم چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گیا۔

اُس نے حیرت سے رامین کی کالی آنکھوں میں دیکھا، جن میں نہ کوئی شکوہ تھا، نہ کوئی سوال... بس ایک عجیب سا سکون تھا۔

"مجھے آپ کی اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ارسم۔"

رامین نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"کیونکہ میں بھی یہ شادی صرف زوہان کے لیے کر رہی ہوں۔"

اُس نے چند لمحے توقف کیا۔

"اور اُس کے لیے... میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔"

اُس کی آواز نرم ضرور تھی، مگر اُس میں اپنے فیصلے کی مضبوطی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ارسم نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

کئی دنوں سے اُس کے دل میں ایک عجیب سا بوجھ تھا۔

اُسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ رامین کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہو۔

مگر آج پہلی بار اُس بوجھ میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔

"مجھے خوشی ہے، رامین... کہ میں نے صحیح انتخاب کیا۔"

اُس نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، اس گھر میں آپ کو کبھی کسی تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے رُکا۔

"چلیں... مولوی صاحب انتظار کر رہے ہیں۔"

رامین نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔

پھر دونوں ایک ساتھ کمرے سے باہر نکل آئے۔

نیچے ہال میں اُن کی نئی زندگی کا پہلا باب اُن کا انتظار کر رہا تھا۔

//////////

نکاح کی تقریب نہایت سادگی سے منعقد کی گئی تھی۔

نہ کوئی غیر ضروری رسم ورواج تھا، نہ ہی مہمانوں کا ہجوم۔

گھر کے چند قریبی افراد اور ارسم کے چند خاص دوست ہی اس مختصر سی تقریب کا حصہ تھے۔

ہال میں ایک پُر سکون سا ماحول تھا، جہاں ہر چیز خاموش وقار کے ساتھ انجام پا رہی تھی۔

البتہ انیلہ صاحبہ اپنے کمرے سے باہر نہیں آئیں۔

یہ اُن کی ناراضگی تھی...

اور شاید اُن کی خاموش مخالفت بھی۔

مگر آج اُن کی ناراضگی کی پرواہ کرنے والا وہاں کوئی نہیں تھا۔

ابراہیم صاحب پوری تقریب میں خاموشی سے موجود رہے۔

اُن کے چہرے پر عجیب سی سنجیدگی تھی، مگر ساتھ ہی ایک باپ کا اطمینان بھی، جو اپنے بیٹے کو زندگی کا نیا آغاز کرتے دیکھ رہا تھا۔

مولوی صاحب نے نکاح کے کلمات پڑھائے۔

چند ہی لمحوں میں ایجاب وقبول کے الفاظ ادا کیے گئے۔

اور اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر دو اجنبی ایک نئے رشتے میں بندھ گئے۔

نہ اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت تھی...

اور نہ ہی اُنہوں نے کسی خواب کی تعبیر کے طور پر یہ رشتہ قبول کیا تھا۔

مگر دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے عزت، اعتماد اور سمجھ داری ضرور موجود تھی۔

اور بعض رشتوں کی بنیاد محبت سے پہلے یہی چیزیں بنتی ہیں۔

شاید اُن دونوں کے لیے فی الحال یہی کافی تھا۔

نکاح کے بعد رامین، زوہان کے ساتھ ارسم کے کمرے میں منتقل ہو گئی۔

یوں ایک ہی چھت کے نیچے، تین زندگیاں ایک نئے سفر کا آغاز کر چکی تھیں...

ایسا سفر، جس کے راستے ابھی سب کے لیے انجان تھے۔

//////////

یہ رات کا سناٹا تھا۔

چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا، اور سنسان سڑک پر صرف دو سایے دیوانہ وار بھاگ رہے تھے۔

ایک عورت...

اور اُس کی نو سالہ بیٹی۔

دونوں اس قدر گھبراہٹ میں تھیں کہ اُنہیں اپنے پاؤں کا بھی ہوش نہیں تھا۔

عورت کے پاؤں میں چپل تک نہیں تھی۔

مسلسل دوڑتے رہنے کی وجہ سے اُس کے تلوے جگہ جگہ سے چھل چکے تھے، جن سے بہتا خون راستے پر سرخ نشان چھوڑتا جا رہا تھا۔

مگر وہ رکی نہیں...

کیونکہ اُسے اپنی جان سے زیادہ اپنی بیٹی کی فکر تھی۔

اُن کے پیچھے چند آدمی مسلسل اُن کا تعاقب کر رہے تھے۔

اُن کے قدموں کی آواز ہر لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔

اچانک...

دوڑتے ہوئے عورت کا پاؤں راستے میں پڑے ایک بڑے پتھر سے ٹکرایا۔

"آہ...!"

وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور زور سے زمین پر جا گری۔

اب اُس کے جسم میں دوبارہ اُٹھنے کی ہمت باقی نہیں رہی تھی۔

اُس نے کانپتی ہوئی نگاہوں سے اپنی بیٹی کو دیکھا، جس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"بیٹا... جا کر چھپ جاؤ۔"

اُس نے ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہا۔

اُن آدمیوں کی آوازیں اب بالکل قریب سنائی دے رہی تھیں۔

"اور چاہے کچھ بھی ہو... اپنے منہ سے ایک آواز بھی نہیں نکالنا۔ مجھ سے وعدہ کرو۔"

ننھی بچی روتے ہوئے اپنی ماں کو اُٹھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں، ماما... پلیز، آپ بھی ساتھ چلیں۔ بابا آجائیں گے... وہ ہمیں لے جائیں گے۔"

اُس کی معصوم آواز میں یقین تھا...

لیکن اُس کی ماں جانتی تھی کہ اب وقت ختم ہو چکا ہے۔

اب اُس کے پاس صرف دو راستے تھے...

یا خود کو قربان کر کے اپنی بیٹی کو بچا لے...

یا اپنی بیٹی کو بھی اپنی طرح درندوں کے حوالے کر دے۔

اور ایک ماں...

اپنی بیٹی کی بربادی اپنی آنکھوں سے کیسے دیکھ سکتی تھی؟

اُس نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے اپنی بیٹی کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"جاؤ..."

اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"اور میری بات یاد رکھنا... ایک آواز بھی نہیں نکالنا۔ اپنا وعدہ پورا کرنا۔"

بچی نے روتے ہوئے سر ہلایا۔

پھر وہ بھاگتی ہوئی قریب موجود ایک گھنے درخت کے پیچھے جا کر چھپ گئی۔

اگلے ہی لمحے...

وہ چاروں آدمی اُس کی ماں تک پہنچ چکے تھے۔

درخت کے پیچھے کھڑی ننھی بچی یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

اُس کی ماں کی دل دہلا دینے والی چیخیں رات کے سناٹے کو چیر رہی تھیں۔

وہ ظالم اُس کی ماں کی عزت تار تار کر رہے تھے...

اور وہ...

اپنے دونوں ہاتھ پوری طاقت سے اپنے منہ پر رکھے، اپنی چیخوں کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

کیونکہ...

اُس نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا۔

اور وہ اپنی ماں سے کیا ہوا وعدہ ہر قیمت پر نبھانا چاہتی تھی۔

کافی دیر بعد...

وہ درندے اُسے مرنے کے لیے وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

اُس کی ماں بے حس و حرکت زمین پر پڑی تھی۔

اور وہ بچی فوراً اپنی چھپنے کی جگہ سے نکل کر بھاگی۔

"ماما...!"

وہ اپنی ماں کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"ماما،اپنی آنکھیں کھولیں... پلیز اُٹھ جائیں۔ ہمیں جانا ہے... پلیز!"

وہ مسلسل اُن کے بے جان جسم کو ہلاتی رہی، مگر کوئی جواب نہ ملا۔

"ماما...!!"

اچانک اُس کی چیخ پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

"ماما...!"

رامین نیند میں زور زور سے پکار رہی تھی۔

ارسم صوفے پر بیٹھا لیپ ٹاپ پر اپنا کام کر رہا تھا۔

زوہان ہمیشہ کی طرح رامین کے بالکل قریب سکون سے سو رہا تھا۔

رامین کی گھبرائی ہوئی آواز سنتے ہی ارسم فوراً اپنا لیپ ٹاپ ایک طرف رکھ کر اُس کے پاس آیا۔

اُس کا پورا جسم پسینے میں شرابور تھا۔

سانسیں بے ترتیبی سے چل رہی تھیں،اور وہ مسلسل نیند ہی میں "ماما...ماما..." پکار رہی تھی۔

اچانک اُس نے جھٹکے سے آنکھیں کھول دیں۔

وہ ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

اُس کی نظریں سامنے موجود دیوار پر جمی ہوئی تھیں۔

چہرہ بالکل بے تاثر...

جیسے ابھی بھی خواب اور حقیقت کے درمیان کہیں کھوئی ہوئی ہو۔

ارسم پریشانی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"رامین... تم ٹھیک ہو؟"

اُس نے نرمی سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

مگر رامین بری طرح چونک گئی۔

اُس نے فوراً گھبرا کر اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

چند لمحے بعد جب اُس کی نظریں ارسم کے چہرے پر ٹھہریں تو اُس کی گھبراہٹ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی۔

"آئی ایم سوری..."

اُس نے بمشکل کہا۔

"میں... میں ٹھیک ہوں... بالکل ٹھیک ہوں۔"

ارسم نے کچھ کہے بغیر ٹیبل سے پانی کا گلاس اُٹھایا اور اُس کی طرف بڑھا دیا۔

رامین نے پہلے چند لمحے خاموشی سے اُس کے چہرے کو دیکھا...

پھر گلاس لے کر آہستہ آہستہ پانی پینے لگی۔

ارسم بھی خاموشی سے اُس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گیا۔

چند لمحوں تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔

پھر ارسم دھیرے سے بولا،

"رامین... میں نہیں جانتا کہ تمہارے ماضی میں کیا ہوا ہے۔"

اُس کی آواز نہایت نرم تھی۔

"لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم ایک بہت مضبوط لڑکی ہو۔"

اُس نے آہستگی سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبا دیا۔

"اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا... اب تم اکیلی نہیں ہو۔ میں ہوں تمہارے ساتھ۔"

رامین حیرت سے اُسے دیکھتی رہ گئی۔

کئی لمحوں بعد اُس نے دھیمی آواز میں کہا،

"آپ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

اُس کی نظریں اپنے ہاتھ پر جم گئی تھیں۔

"ہو سکتا ہے... میں وہ نہ ہوں جو دکھائی دیتی ہوں۔"

اُس نے آہستہ سے سر اُٹھایا۔

"کیا آپ تب بھی میرا ساتھ دیں گے، ارسم؟"

ارسم نے بغیر ایک لمحہ ضائع کیے اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"رامین..."

اُس کی آواز میں عجیب سا یقین تھا۔

"تم میری بیوی ہو...اور میری عزت ہو۔"

"میں ہمیشہ تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"اپنا ہر فرض پورا کروں گا۔"

وہ چند لمحے رکا۔

"اور جہاں تک تمہارے غلط ہونے کی بات ہے..."

اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"میں لوگوں کو پہچانتا ہوں۔جو لوگ غلط ہوتے ہیں،اُن میں سچ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔"

"لیکن تم..."

اُس نے پورے یقین سے کہا،

"تم کبھی غلط نہیں ہو سکتیں۔مجھے اس بات پر یقین ہے۔"

رامین خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

اُسے یوں محسوس ہوا...

جیسے برسوں سے رِستے ہوئے کسی زخم پر پہلی بار کسی نے مرہم رکھا ہو۔

وہ زخم...

جو کبھی بھر ہی نہیں سکے تھے۔

جنہیں وہ ہر روز خود تازہ کرتی تھی۔

کیونکہ ابھی بہت سے لوگوں کا احتساب باقی تھا۔

"تھینک یو..."

اُس کی آواز بھرّا گئی۔

"مجھ پر یقین کرنے کے لیے۔"

ارسم ہلکا سا مسکرایا۔

"تمہیں مجھے نہیں..."

وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا،

"خود کو تھینک یو کہنا چاہیے۔"

"کیونکہ سب سے زیادہ یقین تم خود پر کرتی ہو۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھا، پھر مڑ کر اُسے دیکھا۔

"اور ہمیشہ کرتی رہنا۔"

یہ کہہ کر وہ واپس صوفے پر آ بیٹھا اور دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

رامین بھی آہستہ سے لیٹ گئی۔

مگر اس بار...

اُس کی آنکھوں میں خوف نہیں تھا۔

اور نہ ہی اُس کے چہرے پر بے بسی۔

بلکہ اُس کے لبوں پر ایک ہلکی سی، پُر سکون مسکراہٹ تھی۔

//////////

"صبح کا وقت تھا۔

گھر ابھی پوری طرح جاگا نہیں تھا۔

کھڑکیوں سے چھن کر آتی ہلکی سنہری دھوپ کچن کے فرش پر پھیل رہی تھی، جبکہ چولہے پر رکھے برتنوں سے اُٹھتی بھاپ پورے ماحول میں ایک مانوس سی گرمی گھول رہی تھی۔

رامین حسبِ معمول ناشتے کی تیاری میں مصروف تھی۔

نکاح کو چند دن گزر چکے تھے، اور اب صبح کے ناشتے کی ذمہ داری اُس نے خود سنبھال لی تھی۔

وہ خاموشی سے پراٹھے سینک رہی تھی۔

اُس کے چہرے پر ہمیشہ کی سی سنجیدگی تھی، مگر اندر کہیں ایک عجیب سا سکون بھی تھا۔

تبھی...

کچن کا دروازہ زور سے کھلا۔

رامین نے پلٹ کر دیکھا۔

سامنے انیلہ صاحبہ کھڑی تھیں۔

اُن کے چہرے پر کئی دنوں سے دبی ہوئی نفرت، غصہ اور شکست ایک ساتھ نمایاں تھی۔

جیسے وہ صرف اسی لمحے کا انتظار کر رہی ہوں کہ اپنی ساری بھڑاس نکال سکیں۔

وہ آہستہ آہستہ رامین کے قریب آئیں۔

اُن کی نظریں نفرت سے اُس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم جیسی لڑکی کو اپنی اوقات میں رہنا چاہیے۔"

اُنہوں نے زہر بھرے لہجے میں کہا۔

"ارسم سے شادی کر لی ہے تو ہر گز یہ مت سمجھ لینا کہ یہ گھر تمہارا ہو گیا ہے۔ تم جیسی بہت آئیں... اور اپنے انجام پر ایسا روئیں کہ رونا بھی نصیب نہ ہوا۔"

رامین خاموشی سے اُنہیں دیکھتی رہی۔

اُس کے چہرے پر نہ خوف تھا، نہ بے بسی۔

بس ایک گہری خاموشی...

جس نے نہ جانے کیوں انیلہ صاحبہ کو اور بھی مشتعل کر دیا۔

غصے میں اُنہوں نے چولہے پر رکھا گرم چمچ اُٹھایا اور اچانک پوری طاقت سے رامین کی طرف بڑھا دیا۔

مگر...

چمچ رامین تک پہنچنے سے پہلے ہی ایک مضبوط ہاتھ نے اُسے تھام لیا۔

انیلہ صاحبہ ایک لمحے کو چونک گئیں۔

رامین نے بغیر کوئی تاثر بدلے وہی گرم چمچ اُن کے بازو پر رگڑ دیا۔

"آہ...!"

شدید جلن سے انیلہ صاحبہ بے اختیار کراہ اُٹھیں۔

اُنہوں نے فوراً اپنا بازو کھینچنا چاہا، مگر اگلے ہی لمحے رامین نے اُن کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی۔

اُس کی گرفت حیرت انگیز حد تک مضبوط تھی۔

"آپ نے غلط کہا..."

رامین کی آواز غیر معمولی طور پر پُرسکون تھی۔

مگر اُس پُرسکون لہجے میں ایسا خطرہ چھپا تھا کہ انیلہ صاحبہ کے دل میں ایک انجانا خوف اُترنے لگا۔

"میں اُن لڑکیوں میں سے ہرگز نہیں ہوں جو آپ کے ظلم برداشت کر کے خاموش رہیں۔"

اُس نے اُن کا بازو مزید مروڑ دیا۔

"آپ نے جو تکلیفیں دی ہیں نا..."

وہ اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اب اُن کا حساب ہو گا۔"

اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"بس انتظار کیجیے..."

"آہستہ آہستہ ہر ظلم کا بدلہ ملے گا..."

"اور اُس وقت آپ کچھ بھی نہیں کر سکیں گی۔"

"بازو چھوڑو میرا... پاگل لڑکی!"

انیلہ صاحبہ درد سے بلبلاتے ہوئے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگیں۔

چند لمحوں بعد رامین نے خود ہی اُنہیں چھوڑ دیا۔

انیلہ صاحبہ ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھیں کہ اچانک...

رامین کے چہرے کے تاثرات مکمل بدل گئے۔

اُس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔

لہجہ نرم ہو گیا۔

اور وہ مؤدبانہ انداز میں بولی،

"آنٹی... آپ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہی ہیں؟"

انیلہ صاحبہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگیں۔

ابھی چند لمحے پہلے جو لڑکی اُن کے بازو مروڑ رہی تھی، وہی اب معصومیت سے اُن سے سوال کر رہی تھی۔

غصے نے اُن کا ہوش چھین لیا۔

"تم گنداخون ہو!"

وہ پوری طاقت سے چلائیں۔

"تم جیسے لوگوں کو میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ تمہارا انجام ایسا کروں گی کہ خود کو آئینے میں دیکھنے کے قابل بھی نہیں رہو گی، بدذات لڑکی!"

اُنہیں یہ خبر تک نہ تھی...

کہ کچن کے دروازے پر دو اور لوگ خاموشی سے کھڑے اُن کی ایک ایک بات سن چکے تھے۔

"انیلہ...!"

ابراہیم صاحب کی گرجدار آواز پورے کچن میں گونج اُٹھی۔

انیلہ صاحبہ کے قدم جیسے وہیں جم گئے۔

اُنہوں نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا۔

دروازے پر ابراہیم صاحب اور ارسم دونوں موجود تھے۔

اور اُن کے چہروں پر پھیلا غصہ صاف بتا رہا تھا کہ وہ سب کچھ سن چکے ہیں۔

"ابراہیم... ارسم... میرا وہ مطلب نہیں تھا..."

انیلہ صاحبہ گھبراہٹ میں وضاحت دینے لگیں۔

مگر ارسم نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے اُن کی بات درمیان ہی میں کاٹ دی۔

"امی..."

اُس کی آواز غیر معمولی طور پر سخت تھی۔

"آپ کا جو بھی مطلب تھا..."

"ہم سب سن چکے ہیں۔"

وہ رامین کے قریب آیا۔

اور بغیر کچھ کہے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"آج کے بعد..."

اُس نے انیلہ صاحبہ کی طرف انگلی اُٹھاتے ہوئے کہا،

"آپ میری بیوی سے دور رہیں گی۔"

"اور اگر دوبارہ آپ کے منہ سے اُس کے لیے ایک بھی غلط لفظ نکلا..."

اُس کی نیلی آنکھوں میں غصہ صاف جھلک رہا تھا۔

"تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے رامین کا ہاتھ تھاما اور اُسے اپنے ساتھ لے کر کچن سے باہر نکل گیا۔

ابراہیم صاحب وہیں کھڑے رہے۔

اُن کی نظریں غصے سے انیلہ صاحبہ پر جمی ہوئی تھیں۔

اسی لمحے...

رامین نے چلتے چلتے ایک بار پلٹ کر دیکھا۔

اُس کی نظریں سیدھی انیلہ صاحبہ سے ملیں۔

اور اگلے ہی لمحے...

اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُنہیں آنکھ ماردی۔

انیلہ صاحبہ جیسے پتھر کی مورت بن گئیں۔

صدمہ...

حیرت...

اور غصہ...

تینوں ایک ساتھ اُن کے چہرے پر نمایاں تھے۔

وہ سمجھ ہی نہ سکیں کہ چند لمحوں میں بازی اُن کے ہاتھ سے کیسے نکل گئی۔

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی، انیلہ۔"

ابراہیم صاحب نے گہری مایوسی سے کہا۔

"بہتر ہو گا خود کو سنبھال لو، ورنہ مجھے ایسا فیصلہ کرنا پڑے گا جو شاید تمہیں بالکل پسند نہ آئے۔"

اُنہوں نے مزید ایک لفظ کہنے کی مہلت بھی نہ دی۔

اور وہاں سے چلے گئے۔

کچن میں اب مکمل خاموشی چھا گئی۔

انیلہ صاحبہ نے آہستہ سے اپنا جلا ہوا بازو دیکھا۔

جلن اب بھی ویسی ہی تھی۔

مگر اُس سے کہیں زیادہ اُن کا غرور جل رہا تھا۔

اُنہوں نے دانت بھینچ لیے۔

"یہ لڑکی..."

وہ نفرت سے بڑبڑائیں۔

"یہ ہرگز وہ نہیں ہے جو نظر آتی ہے۔"

اُن کی آنکھوں میں پہلی بار بے چینی اُتری۔

"میرے اتنے سالوں کی محنت..."

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچ گئیں۔

"چند ہی دنوں میں برباد کر دی اس نے۔"

چند لمحے وہ خاموش کھڑی رہیں۔

پھر اپنی سانسیں ہموار کرتے ہوئے خود سے بولیں،

"اب مجھے بہت سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہو گا..."

//////////

وہ اس وقت اپنی گاڑی میں بیٹھا تھا۔

دھوپ اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہی تھی، مگر گاڑی کے اندر اے سی کی ٹھنڈی ہوا ایک الگ ہی سکون دے رہی تھی۔

رومان اسٹیئرنگ پر ایک ہاتھ رکھے سامنے سڑک کو دیکھ رہا تھا۔

وہ اپنے دوست ثمر کا انتظار کر رہا تھا، جو قریب ہی موجود دکان سے کچھ سامان لینے گیا تھا۔

اُس نے بے زاری سے گھڑی پر نظر ڈالی ہی تھی کہ اچانک...

ٹھک... ٹھک...

کسی نے گاڑی کی کھڑکی پر دستک دی۔

رومان نے چونک کر سر اُٹھایا اور شیشہ نیچے کیا۔

اگلے ہی لمحے اُس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

سامنے...

صوفیہ کھڑی تھی۔

ایک ہاتھ میں بڑا سا تھیلا تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اپنی خراب کھڑی گاڑی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

"ارے نازک لڑکے، چلو اچھا ہوا کوئی تو ملا۔ دراصل مجھے اپنی ٹریننگ کیمپ تک جانے کے لیے لفٹ چاہیے۔ میری گاڑی خراب ہو گئی ہے، تم مجھے چھوڑ دو گے؟"

صوفیہ نے ایسے کہا جیسے وہ کوئی درخواست نہیں بلکہ سیدھا حکم سنا رہی ہو۔

رومان نے ایک لمحہ اُسے گھورا۔

پھر گہرا سانس لیتے ہوئے بولا،

"پہلی بات تو یہ کہ میں کوئی نازک لڑکا نہیں ہوں، ٹھیک ہے؟"

صوفیہ نہایت سکون سے اُس کی پوری بات سنتی رہی۔

جیسے اُس کی بات کا اُس پر رتی برابر بھی اثر نہ ہوا ہو۔

جونہی رومان خاموش ہوا، وہ پوری سنجیدگی سے بولی،

"اچھا... تم نے پہلی بات تو بتا دی، کوئی دوسری بات بھی ہے؟"

وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور ویسے بھی تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ اگر میں وقت پر ٹریننگ پر نہ پہنچی تو تمہیں دیکھ لوں گی۔"

اُس کے آخری جملے میں واضح دھمکی چھپی ہوئی تھی۔

"آرڈر تو تم مجھے ایسے دے رہی ہو جیسے میں تمہارا کوئی جورو کا غلام ہوں۔"

رومان بھی اب پوری طرح اپنی زون میں آ چکا تھا۔

صوفیہ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

پھر نہایت بے نیازی سے بولی،

"تم؟"

اُس نے بھنویں اُچکائیں۔

"میں تمہیں اپنا غلام بھی نہ رکھوں۔ شکل دیکھی ہے کبھی آئینے میں؟ اُلو لگتے ہو۔"

رومان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم ڈگڈگی پر ناچنے والی بندریا!"

وہ بھی فوراً پلٹ کر بولا۔

"تم بتاؤ گی مجھے کہ میں کیا ہوں؟"

اب وہ بھی گاڑی سے باہر آ چکا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔

دونوں کی نظریں ایک دوسرے پر جمی تھیں۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے اگلے ہی لمحے لفظوں کی جنگ ہاتھا پائی میں بدل جائے گی۔

"بس کرو تم دونوں!"

اچانک ثمر اُن کے درمیان آ گیا۔

اُس نے دونوں کو الگ کرتے ہوئے کہا،

"سڑک پر کھڑے ہو، ہوش کرو! کتے بلی کی طرح لڑ رہے ہو۔"

اُس کی بات سن کر دونوں نے پہلی بار اپنے ارد گرد نظر دوڑائی۔

آس پاس سے گزرنے والے کئی لوگ رک رک کر اُنہیں دیکھ رہے تھے۔

کچھ کے چہروں پر ہنسی تھی، تو کچھ حیرت سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

صوفیہ نے فوراً موقع سے فائدہ اُٹھایا۔

"تم اپنے دوست کو سمجھاؤ۔"

اُس نے معصوم بنتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو بس لفٹ مانگی تھی، اور یہ شروع ہی ہو گیا۔"

رومان نے فوراً اُسے گھورا۔

مگر صوفیہ نے ایسے ظاہر کیا جیسے اُس نے دیکھا ہی نہ ہو۔

"اچھا بس، بہت ہو گیا۔"

ثمر نے رومان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آپ کو لفٹ چاہیے نا؟ ہم چھوڑ دیتے ہیں، بس ایڈریس بتا دیں۔"

رومان ابھی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ ثمر نے اُسے آنکھیں دکھائیں۔

رومان نے ہونٹ بھینچے اور خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔"

صوفیہ نے ایسے جواب دیا جیسے اُن پر کوئی بہت بڑا احسان کر رہی ہو۔

چند ہی لمحوں بعد...

تینوں گاڑی میں موجود تھے۔

پورے راستے صوفیہ مسلسل بولتی رہی۔

کبھی ٹریننگ کے قصے...

کبھی یونیورسٹی کی باتیں...

اور کبھی نہ جانے کیا کیا۔

جبکہ رومان کھڑکی کی طرف منہ کیے، دونوں کانوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا۔

اُس کی حالت دیکھ کر ثمر کو بار بار ہنسی آ رہی تھی، مگر وہ بڑی مشکل سے خود کو روک رہا تھا۔

آخر کار گاڑی ایک بڑی عمارت کے سامنے آ کر رکی۔

صوفیہ نے اطمینان سے اپنا تھیلا اُٹھایا۔

"تھینک یو۔"

وہ کہہ کر جیسے ہی نیچے اُتری، رومان اور ثمر نے سامنے نظر اُٹھائی۔

اور اگلے ہی لمحے...

دونوں کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

سامنے...

پولیس اسٹیشن تھا۔

ثمر نے حیرت سے صوفیہ کو دیکھا۔

"تم... پولیس اسٹیشن میں ٹریننگ لو گی؟"

صوفیہ نے اُن دونوں کے چہروں پر اُڑتے ہوئے رنگ دیکھے تو ہلکا سا مسکرائی۔

"ڈاکٹر ہاسپٹل میں ہی ٹریننگ لیتے ہیں نا..."

وہ بڑے سکون سے بولی۔

"تو ایک پولیس آفیسر کو کہاں ٹریننگ لینی چاہیے ؟"

اُس نے نہایت آرام سے اُن کے سروں پر ایک اور بم پھوڑا۔

رومان اور ثمر چند لمحے خاموش اُسے ہی دیکھتے رہ گئے۔

صوفیہ نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ اُنہیں ہاتھ ہلایا۔

"اچھا، اللہ حافظ !"

اور پھر پُر اعتماد قدموں سے پولیس اسٹیشن کے اندر داخل ہو گئی۔

کچھ لمحوں تک دونوں دوست اُسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

پھر ثمر نے آہستہ سے رومان کی طرف دیکھا۔

"بھائی..."

اُس نے بمشکل ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

"تو نے غلط جگہ پنگا لے لیا ہے۔"

رومان نے غصے سے اُس کی طرف دیکھا۔

"بھاڑ میں جا، خبیث انسان !"

اُس نے ثمر کے بازو پر زور کا گھونسا مارتے ہوئے کہا۔

"تیرے چکر میں ہوا ہے یہ سب۔ بڑا باتیں کرنے کا شوق چڑھا تھا نا تجھے !"

ثمر اپنی ہنسی نہ روک سکا۔

اور اگلے ہی لمحے اُس کا قہقہہ پوری گاڑی میں گونج اُٹھا۔

جبکہ رومان جھنجھلاتا ہوا گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔

//////////

ظہیر خان اس وقت اپنے بیٹے کے کمرے میں، اُس کے بیڈ کے کنارے بیٹھے تھے۔

کمرے میں عجیب سی ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔

ہر طرف مہنگی چیزیں موجود تھیں، مگر اُن سب کے باوجود وہاں ایک گھٹن، ایک بے بسی اور شکست کا احساس صاف محسوس ہو رہا تھا۔

بیڈ پر لیٹا مراد خان نفرت بھری نظروں سے اپنی بے جان ٹانگوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہ ٹانگیں...

جو کبھی اُس کے غرور کی طرح اکڑی رہتی تھیں، آج حرکت کرنے کے قابل بھی نہیں رہیں تھیں۔

ظہیر خان نے اپنے بیٹے کی طرف دیکھا۔

اُن کی آنکھوں میں غصہ بھی تھا اور بے بسی بھی۔

"مراد بیٹا، میں اُسے تمہارے سامنے سزا دوں گا، تم فکر مت کرو۔"

اُنہوں نے اپنے بیٹے کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

مگر مراد نے فوراً نفرت سے اُن کی طرف دیکھا۔

"بس کر دیں، ابا حضور!"

وہ جھنجھلا کر بولا۔

"پچھلے ایک مہینے سے یہی سن رہا ہوں میں۔ آپ سے کچھ نہیں ہونے والا۔ ایک عام سی لڑکی کو بھی سزا نہیں دے سکتے آپ!"

غصے کی شدت سے اُس کے ماتھے کی رگیں اُبھر آئی تھیں۔

وہ ہر حال میں خانزادہ سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔

اپنی اس معذوری کا...

اپنی اس ذلت کا...

ہر حساب چکانا چاہتا تھا۔

ظہیر خان کا صبر بھی اب جواب دے چکا تھا۔

وہ اچانک غصے سے کھڑے ہو گئے۔

"اگر اتنی ہی عام لڑکی تھی تو پھر اُس نے تمہاری یہ حالت کیسے کر دی، شہزادے؟"

اُن کی آواز کمرے میں گونجی۔

"لڑ لیتے نا اپنے اُن دو نکمے دوستوں کے ساتھ، جو تمہارے ساتھ ہی مفلوج ہو کر پڑے ہیں!"

مراد کے چہرے پر ذلت اور غصے کے آثار مزید گہرے ہو گئے۔

"مار لیں آپ بھی طعنے!"

وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

"جس دن اس معذوری سے اُٹھ گیا نا... اُسی دن آپ کی پیاری بھتیجی کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹ دوں گا۔"

ظہیر خان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

"بار بار مجھے یہ یاد مت دلاؤ کہ اُس کی رگوں میں ہمارا خون دوڑتا ہے۔"

اُنہوں نے نفرت سے کہا۔

"اُسے اور اُس کی ماں کو گھر سے نکالنا ہماری سب سے بڑی غلطی تھی۔"

وہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولے۔

"اُسی دن ختم کر دینا چاہیے تھا اُن دونوں کو۔"

مراد کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اور آپ کو لگتا ہے..."

وہ ہلکا سا ہنسا۔

"کہ تایا ابو اُس وقت آپ کو ایسا کرنے دیتے؟"

اپنے بڑے بھائی کا ذکر سنتے ہی ظہیر خان کے چہرے پر شدید ناگواری اُتر آئی۔

"وہ تو پہلے ہی پاگل ہو چکا تھا!"

اُنہوں نے نفرت سے کہا۔

"ایک رپورٹر سے شادی کر کے لے آیا تھا... وہ بھی ہمارے خاندان میں۔"

اُن کی آواز میں حقارت نمایاں تھی۔

"اُس عورت کی ہمت اور زبان نے ہمارے خاندان کی عزت کا جنازہ نکال دیا تھا۔"

وہ غصے سے آگے بولے۔

"مگر ازمیر خانزادہ کو کیا فرق پڑتا تھا؟"

"پاگلوں کی طرح اُس عورت کے آگے پیچھے پھرتا رہتا تھا۔"

اُنہوں نے حقارت سے ہنکارا بھرا۔

"اگر میں اُس کی جگہ ہوتا..."

اُن کی آنکھوں میں سفاکی اُتر آئی۔

"تو جس دن اُس عورت کی عزت لٹی تھی، اُسی دن اُس کا گلا گھونٹ دیتا۔"

اُن کے الفاظ ابھی فضا میں ہی تھے کہ دروازہ زور سے کھلا۔

امجد تیزی سے اندر داخل ہوا۔

اُس کی سانسیں پھولی ہوئی تھیں اور چہرہ غیر معمولی حد تک سنجیدہ تھا۔

ظہیر خان نے فوراً اُس کی حالت بھانپ لی۔

"کیا ہوا ہے، امجد؟"

اُنہوں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہو؟"

امجد نے ایک لمحہ سر جھکایا۔

پھر آہستہ سے بولا،

"خان..."

"عامر مارا گیا ہے۔"

چند لمحوں کے لیے پورا کمرہ ساکت ہو گیا۔

ظہیر خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کیا؟"

اُنہوں نے غصے سے دھاڑتے ہوئے پوچھا۔

"کس نے کیا ہے یہ سب؟"

"کہیں یہ بھی خانزادہ کی بیٹی کا کیا دھرا تو نہیں؟"

عامر...

صرف اُن کا آدمی نہیں تھا۔

بلکہ اُن کے پورے منشیات کے نیٹ ورک کی سب سے مضبوط کڑی تھا۔

ملک بھر میں اُن کا کاروبار اُسی کے ذریعے چلتا تھا۔

اُس کی موت...

صرف ایک آدمی کی موت نہیں، بلکہ کروڑوں کے نقصان کی خبر تھی۔

"نہیں، خان۔"

امجد نے فوراً جواب دیا۔

"ابھی تک ایسا کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔"

وہ چند لمحے رکا۔

"لیکن..."

"مرنے سے پہلے وہ ایک لڑکی سے ضرور ملا تھا۔"

ظہیر خان نے نظریں سکیڑ لیں۔

"کہاں؟"

"ایک ہوٹل میں۔"

امجد نے جواب دیا۔

"لیکن وہ آپ کی بھتیجی نہیں تھی۔"

ظہیر خان چند لمحے گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

اُن کی آنکھوں میں شکوک اور غصہ ایک ساتھ گردش کر رہے تھے۔

پھر وہ آہستہ مگر خطرناک لہجے میں بولے،

"پتہ کرو..."

"ہر حال میں پتہ کرو کہ یہ کس کا کام ہے۔"

اُنہوں نے امجد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور اگر اس سب کے پیچھے بھی اُس لڑکی کا ہاتھ ہوا..."

اُنہوں نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تو اس بار..."

"پھر اُسے مجھ سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔"

امجد نے خاموشی سے سر جھکا کر حکم کی تعمیل کا اشارہ دیا۔

اور اگلے ہی لمحے وہاں سے نکل گیا۔

جبکہ کمرے میں موجود باپ اور بیٹا...

اب صرف ایک ہی چیز سوچ رہے تھے۔

"انتقام..."

////////

وہ اس وقت جیل میں موجود تھا۔

پچھلے کئی دنوں سے اُس کی زندگی ایک ہی معمول بن چکی تھی۔

صبح...

مار...

رات...

مار...

اور پھر اگلے دن وہی سلسلہ دوبارہ۔

اُس کے جسم پر نیل ہی نیل تھے، ہونٹ پھٹ چکے تھے اور چہرہ بری طرح سوج گیا تھا۔

وہ روز ایک ہی سوال کرتا...

کہ اُسے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟

اُس کا قصور کیا ہے؟

اور اُسے کسی سے ایک فون کال ہی کروا دی جائے تاکہ وہ یہاں سے نکل سکے۔

لیکن ہر سوال کے بدلے اُسے صرف ڈنڈوں کی بارش ملتی۔

آج بھی اُسے تفتیش کے لیے ایک کیبن میں لایا گیا تھا۔

اُس کے ہاتھ کرسی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔

سامنے ایک پولیس آفیسر خاموشی سے کھڑا تھا۔

کمرے میں عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

تبھی...

کیبن کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔

عابد نے بے اختیار دروازے کی طرف دیکھا۔

اور اگلے ہی لمحے...

اُس کے پورے جسم میں جیسے سرد لہر دوڑ گئی۔

اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

دروازے سے خانزادہ اندر داخل ہوئی تھی۔

وہ اپنی مخصوص پولیس یونیفارم میں ملبوس تھی۔

سر پر سیاہ حجاب تھا، جبکہ اُس کی کالی، گہری آنکھوں میں پہلے کی طرح غیر معمولی سنجیدگی اور رعب موجود تھا۔

وہ پُر سکون قدموں سے چلتی ہوئی اندر آئی۔

"تم جاؤ۔"

اُس نے مختصر لہجے میں وہاں موجود آفیسر کو حکم دیا۔

"جی، میم۔"

وہ فوراً سر جھکا کر باہر نکل گیا۔

اب پورے کیبن میں صرف دو ہی لوگ موجود تھے۔

خانزادہ...

اور عابد۔

کمرے میں ایسی خاموشی چھا گئی کہ دونوں کی سانسوں کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

خانزادہ چند لمحے خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آئی۔

"کیا ہوا؟"

اُس نے نہایت سکون سے پوچھا۔

"آج نہیں بولو گے کہ میں کتنی حسین ہوں؟"

وہ آہستہ آہستہ اُس کے قریب آئی۔

"میری یہ آنکھیں..."

اُس نے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا۔

"اور میرے یہ ہونٹ..."

اُس کی نظریں سیدھی عابد کی آنکھوں میں تھیں۔

"اب حسین نہیں لگ رہے تمہیں؟"

عابد کے ہونٹ خوف سے لرزنے لگے۔

"تم..."

وہ بمشکل بولا۔

"تم... کون ہو؟"

اُس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"تم نے... جان بوجھ کر مجھے پھنسایا ہے نا؟"

خانزادہ اُس کی حالت دیکھ کر ہلکا سا مسکرائی۔

مگر اُس مسکراہٹ میں ذرا سی بھی نرمی نہیں تھی۔

"جن لوگوں کی نیت خراب ہوتی ہے..."

اُس نے پر سکون لہجے میں کہا۔

"اُنہیں پھنسایا نہیں جاتا..."

وہ چند لمحے رکی۔

"وہ خود ہی اپنے جال میں پھنس جاتے ہیں۔"

عابد خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

اُس کی آنکھوں میں اب صرف خوف باقی رہ گیا تھا۔

خانزادہ کی نظریں اُس کے بندھے ہوئے ہاتھوں پر ٹھہریں۔

پھر وہ دھیمے مگر انتہائی خطرناک لہجے میں بولی،

"اور تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"میں تم لوگوں کو سکون سے جینے دوں گی؟"

اُس کے ہر لفظ میں برسوں کا درد چھپا ہوا تھا۔

"تمہارے حساب کا وقت آچکا ہے، انیلہ کے بیٹے۔"

وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"تم نے..."

"تمہاری ماں نے..."

"اور تمہاری اُس کزن نے..."

اُس کی آنکھوں میں نفرت کی چمک ابھر آئی۔

"جو کچھ بھی کیا ہے..."

"اب اُس کی سزا باری باری بھگتو گے۔"

وہ عابد کے بالکل قریب آ کر رکی۔

"لیکن مزہ تو تب آئے گا..."

اُس کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

"جب سزا آہستہ آہستہ..."

"تم لوگوں کو تڑپا تڑپا کر دی جائے گی۔"

عابد کے چہرے کا رنگ مکمل اُڑ چکا تھا۔

"تم... یہ سب کیوں کر رہی ہو؟"

وہ گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

"ہم نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

خانزادہ کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے شدید درد لہرا گیا۔

ایسا درد...

جو برسوں سے اُس کے اندر زندہ تھا۔

"تم لوگوں نے..."

اُس نے گہرا سانس لیا۔

"مجھ سے وہ چھینا ہے..."

اُس کی آواز پہلی بار بھاری ہوئی۔

"جس کا کوئی ازالہ نہیں ہو سکتا۔"

چند لمحوں کے لیے پورا کمرہ خاموش ہو گیا۔

پھر اُس نے خود کو سنبھالا۔

اور پہلے سے زیادہ مضبوط لہجے میں بولی،

"اب میں بھی تم لوگوں کی زندگی سے سب کچھ چھین لوں گی۔"

"ابھی تو بہت سے پردے اُٹھنے باقی ہیں..."

"اور بہت سے حساب ہونے باقی ہیں۔"

یہ کہہ کر اُس نے میز پر رکھی بیل دبا دی۔

چند ہی لمحوں بعد دروازہ کھلا۔

وہی جونیئر آفیسر اندر داخل ہوا۔

"اسے دوبارہ سیل میں ڈال دو۔"

خانزادہ نے بے تاثر لہجے میں حکم دیا۔

پھر جیسے اُسے کچھ یاد آیا۔

"اور ہاں..."

اُس نے آفیسر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جتنے بھی نامعلوم مجرموں والے کیس ہیں، اُن سب میں اس کا نام شامل کر دو۔"

اُس کی نظریں دوبارہ عابد پر جم گئیں۔

"ویسے بھی..."

"اس نے ایسے بہت سے جرم کیے ہیں..."

"جن کی سزا اسے آج تک نہیں ملی۔"

"جی، میم۔"

جونیئر آفیسر نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

اُس نے عابد کی کرسی کھولی اور اُسے تقریباً گھسیٹتے ہوئے دوبارہ جیل کی طرف لے گیا۔

عابد کی ڈری ہوئی نظریں آخری لمحے تک خانزادہ پر جمی رہیں۔

دروازہ بند ہوتے ہی پورا کیبن خاموش ہو گیا۔

خانزادہ آہستہ سے اپنی کرسی پر بیٹھی۔

اپنا سر پشت سے ٹکا دیا۔

چند لمحے اُس نے آنکھیں بند رکھیں۔

اُس کی سانسیں اگرچہ پُر سکون تھیں...

مگر دل کے اندر برسوں سے سلگتی آگ پہلے سے زیادہ بھڑک چکی تھی۔

"ہر مجرم..."

اُس نے دل ہی دل میں کہا۔

"اپنے ہر جرم کی سزا بھگتے گا۔"

اُس کی بند پلکوں کے پیچھے اپنی ماں کا چہرہ اُبھر آیا۔

"یہ میرا وعدہ ہے آپ سے، ماما..."

اُس کے لبوں پر مدھم سی سرگوشی ابھری۔

"آپ کی بیٹی..."

"آپ ہی کے نقشِ قدم پر چلے گی۔"

//////////

ازمیر خان، شاویز خان کے بڑے بیٹے تھے۔

وہ اپنے خاندان کے ہر فرد کے بے حد عزیز تھے۔

شاویز خان کے دو بیٹے تھے۔

بڑا بیٹا، ازمیر خان...

اور چھوٹا، ظہیر خان۔

شاویز خان کو شروع ہی سے اپنے بڑے بیٹے سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔

وہ اُنہیں اپنا جانشین سمجھتے تھے اور یہی چاہتے تھے کہ مستقبل میں اُن کے خاندان کا نام اور رعب بھی ازمیر ہی آگے بڑھائیں۔

خان خاندان اپنے علاقے کے بااثر اور رئیس خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔

اُن کے ہاں ذات پات، خاندانی وقار اور اونچ نیچ کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔

وہ صرف اپنے برابر کے لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا پسند کرتے تھے اور رشتے بھی ہمیشہ اپنے معیار اور حیثیت کے مطابق ہی طے کیے جاتے تھے۔

لیکن...

ازمیر خان کی سوچ اپنے خاندان سے بالکل مختلف تھی۔

وہ کشادہ ذہن رکھتے تھے۔

لوگوں کو اُن کی حیثیت یا خاندان سے نہیں، بلکہ اُن کے کردار سے پرکھتے تھے۔

شاید یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیم بھی بیرونِ ملک سے حاصل کی۔

وہاں رہ کر اُن کی سوچ مزید وسیع ہو گئی تھی۔

پھر...

قسمت نے اُن کی ملاقات زرمینہ صاحبہ سے کروادی۔

زرمینہ ایک نہایت بہادر، باہمت اور بااصول خاتون تھیں۔

وہ پیشے کے اعتبار سے ایک جرنلسٹ تھیں۔

اپنے قلم کی طاقت سے وہ کئی طاقتور لوگوں کے سیاہ چہروں سے نقاب اُتار چکی تھیں۔

سچ بولنا اُن کی عادت بھی تھی اور پہچان بھی۔

اسی وجہ سے اُن کے دشمن بھی بے شمار تھے۔

مگر اُنہوں نے کبھی اپنے اصولوں پر سمجھوتہ نہیں کیا۔

ازمیر خان اُن کی سچائی، بہادری اور مضبوط شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن سے محبت کر بیٹھے۔

اور پھر...

دونوں نے شادی کر لی۔

جب ازمیر خان اپنی نئی دلہن کو لے کر پہلی بار خان حویلی پہنچے...

تو پوری حویلی میں جیسے ہنگامہ برپا ہو گیا۔

شاویز خان اور اُن کی اہلیہ، سونیا بیگم، نے اس شادی کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔

اُن کے نزدیک ایک عام گھرانے کی لڑکی کبھی بھی خان خاندان کی بہو نہیں بن سکتی تھی۔

بات اتنی بڑھ گئی کہ ازمیر خان نے اپنی خودداری پر سمجھوتہ کرنے کے بجائے...

اپنی بیوی کا ہاتھ تھاما...

اور ہمیشہ کے لیے خان حویلی چھوڑ دی۔

دونوں نے اپنی ایک الگ دنیا بسالی۔

وہ زندگی شاید آسائشوں سے بھرپور نہ تھی...

مگر محبت، عزت اور سکون سے ضرور بھری ہوئی تھی۔

وقت گزرتا گیا۔

اور پھر...

اُن کی زندگی میں حقیقی بہار اُس دن آئی، جب اُن کی بیٹی نے جنم لیا۔

اُس ننھی سی جان نے جیسے اُن کے گھر کو خوشیوں سے بھر دیا تھا۔

بیٹی کی پیدائش نے نہ صرف ازمیر خان کی دنیا بدل دی...

بلکہ وقت کے ساتھ شاویز خان کے دل کی برف بھی پگھلنے لگی۔

آخر کار...

اپنی ضد اور انا کو ایک طرف رکھتے ہوئے، شاویز خان نے ماضی کی تلخیاں بھلا دیں۔

اُنہوں نے خود ازمیر خان اور اُن کے خاندان کو واپس خان حویلی آنے کی دعوت دی۔

اور یوں...

کئی برسوں بعد، ازمیر خان اپنی بیوی اور ننھی بیٹی کے ساتھ دوبارہ اُس حویلی میں لوٹ آئے، جہاں سے کبھی وہ صرف اپنی محبت کی خاطر خالی ہاتھ نکلے تھے۔

//////////

وہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی، اُس کمرے میں جہاں دیوار پر آج بھی اُس کی شادی کی تصویر پوری شان سے آویزاں تھی۔ ہلکی سی زرد روشنی تصویر پر پڑ رہی تھی، جیسے وقت رک گیا ہو اور اُس ایک لمحے کو ہمیشہ کے لیے قید کر لیا گیا ہو۔ کمرے میں عجیب سی خاموشی بسی ہوئی تھی، مگر اُس خاموشی کے اندر یادوں کی بے شمار آوازیں گونج رہی تھیں۔

اُس کی نظر تصویر پر ٹھہری تو بے اختیار اُسے عنایا کی وہ بات یاد آ گئی۔

"تم دیکھ لینا، تم میرے لیے وہ سب کرو گی جس سے تمہیں چِڑ ہے۔"

عنایا آئس کریم کھاتے ہوئے بڑے مزے سے بولی تھی، جبکہ اُس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح شرارت ناچ رہی تھی۔

"تمہیں ہر بار یہ کیوں لگتا ہے کہ میں تمہاری ساری باتیں مان جاؤں گی؟ کبھی کبھی تم واقعی بہت ڈرامے کرتی ہو۔"

اُس نے بھی اُسی کے انداز میں جواب دیا تو عنایا اچانک خاموش ہو گئی۔

وہ چند لمحے اُسے خاموش دیکھتی رہی، پھر اُس کی خاموشی توڑنے کے لیے بولی۔

"تم سنجیدہ مت ہوا کرو... کیونکہ تمہاری سنجیدگی مجھے بہت ڈراتی ہے۔"

عنایا نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا، مگر اُس مسکراہٹ کے پیچھے چھپی اداسی صرف وہی محسوس کر سکتی تھی۔

"تمہیں پتا ہے... ارسم بہت اچھا ہے۔ کسی بھی لڑکی کو اُس سے پیار ہو جائے گا۔"

اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

اُس دن وہ صرف عنایا سے ملنے کے لیے ایک دن کی چھٹی لے کر آئی تھی، مگر نہ جانے کیوں اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ عنایا آج کچھ مختلف ہے۔ پہلے جیسی بے فکری اُس کے لہجے میں نہیں رہی تھی۔

"اور تم اچانک اپنا موضوع بدل کر یہ سب مجھے کیوں بتا رہی ہو؟"

آر نے حیرت سے پوچھا۔

آج کل عنایا اُس سے بہت سی باتیں چھپانے لگی تھی، اور یہی بات اُسے اندر ہی اندر بے چین کر رہی تھی۔

عنایا نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اس لیے... کہ مجھے ڈر لگتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے... مگر اگر کسی نے اُسے مجھ سے دور کر دیا تو؟"

اُس کی آواز میں پہلی بار کمزوری جھلک رہی تھی۔

آرچند لمحے خاموش رہی، پھر اُس نے نرمی سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"عنایا، میں محبت پر یقین نہیں رکھتی... لیکن تمہاری محبت پر ضرور یقین کرتی ہوں۔ اور تم خود کہہ رہی ہو نا کہ وہ صرف تم سے محبت کرتا ہے، تو پھر تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

عنایا نے اُس کی آنکھوں میں دیکھا، پھر ہلکا سا مسکرا دی۔

مگر اُس مسکراہٹ میں بھی کہیں نہ کہیں جدائی کا خوف چھپا ہوا تھا۔

"میں شاید مرنے کے بعد بھی اُسے کسی کے ساتھ نہ بانٹ پاؤں... لیکن تمہارے ساتھ اپنی ہر خوشی، ہر درد... اور اپنی زندگی کی ہر نعمت بانٹ سکتی ہوں۔"

اُس نے دھیرے سے کہا۔

آرچند لمحے اُسے منہ کھولے دیکھتی رہی، پھر فوراً اُس کے ماتھے پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"مجھے کبھی سمجھ نہیں آئے گا کہ تم ہر وقت مرنے کی باتیں کیوں کرتی رہتی ہو۔ اور یہ کیا بانٹنے کی باتیں کر رہی ہو، ہاں؟ جو تمہارا ہے، وہ ہمیشہ تمہارا ہی رہے گا۔ چاہے وہ کوئی رشتہ ہو یا قسمت... سمجھیں آپ؟"

اُس نے مصنوعی غصے سے ڈانٹا۔

عنایا نے اُس کی بات سنی، مگر صرف مسکرا دی۔

ایسی مسکراہٹ...

جیسے اُسے مستقبل کا ہر راز پہلے سے معلوم ہو۔

"تمہارے ہر درد کا مرہم تمہیں ملے گا۔ تمہیں وہ ملے گا... جو آج میرا ہے اور کل تمہارا ہو گا۔ ابھی تم مجھ سے ناراض ہو رہی ہو... لیکن بعد میں ایسا نہیں ہو گا۔"

اتنا کہہ کر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

آر اُس کی جاتی ہوئی پشت کو دیر تک دیکھتی رہی تھی...

اُسے اُس وقت بھی محسوس ہوا تھا کہ عنایا کچھ کہنا چاہتی ہے، مگر کہہ نہیں پا رہی۔

آج...

اُسی تصویر کے سامنے کھڑی رامین خانزادہ کی آنکھیں نم تھیں۔

ہونٹوں پر ہلکی سی کپکپاہٹ تھی اور برسوں سے دل میں دفن الفاظ آخر کار اُس کی زبان پر آ گئے۔

"تم نے جان بوجھ کر مجھ سے وہ وعدہ لیا... اور خود اپنی بات پوری کرنے کے لیے چلی گئیں۔ تم اپنی ضد پوری کرنے کے لیے اپنی جان تک دے سکتی تھیں... یہ میں جانتی تھی، مگر یہ نہیں جانتی تھی کہ تم مجھے اپنی جگہ کھڑا کر جاؤ گی۔"

اُس کی نظریں تصویر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

"ایک بار... صرف ایک بار مجھے سب کچھ بتا دیتیں، تو شاید آج یہاں تم ہوتیں، میں نہیں۔ تم نے رامین خانزادہ کو اپنا سب کچھ دے دیا... مگر ایک بار بھی یہ نہیں پوچھا کہ میں یہ سب کرنا بھی چاہتی ہوں یا نہیں۔"

اُس کی آواز بھرانے لگی تھی، مگر اُس نے اپنے آنسو پلکوں ہی میں روک لیے۔

وہ چند لمحے خاموش کھڑی رہی۔

پھر تصویر کے قریب جا کر اُس پر انگلیاں پھیرتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"لیکن میں اپنا وعدہ پورا کروں گی... تمہارے لیے، اور ہماری دوستی کے لیے۔"

یہ شاید پہلی بار تھا...

کہ رامین خانزادہ صرف عنایا کی باتیں سن نہیں رہی تھی۔

آج...

وہ خود عنایا سے دل کھول کر مخاطب ہوئی تھی۔

////////////////

وہ اس وقت خان حویلی کے وسیع و عریض ہال میں موجود تھے، جہاں فضا پر ایک عجیب سا بوجھ طاری تھا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی، مگر وہ خاموشی کسی طوفان سے کم نہ تھی۔ کسی کے چہرے پر غصہ تھا، کسی کی آنکھوں میں نفرت، اور کسی کی نگاہوں میں بے حسی۔

زرمینہ صاحبہ نے ایک بہت بڑے گینگ کا پردہ فاش کیا تھا۔ اُن کی بے خوف صحافت نے کئی طاقتور لوگوں کے چہروں سے نقاب اتار دیے تھے، اور یہی اُن کا سب سے بڑا جرم بن گیا تھا۔ اُس دن وہ رامین کو اسکول سے واپس لے کر آ رہی تھیں کہ کچھ درندہ صفت لوگوں نے اُن کا پیچھا شروع کر دیا۔

وہ اپنی ننھی بیٹی کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے سڑکوں پر بھاگتی رہیں، صرف ایک ہی کوشش تھی... کسی طرح اپنی بیٹی کو محفوظ کر لیں۔

وہ خود تو اُن ظالموں سے نہ بچ سکیں، مگر اپنی بیٹی کو اُن کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔

اُس دن ایک ماں اپنی بیٹی کی زندگی بچا گئی...

لیکن اپنی عزت کی قیمت پر۔

اور آج...

اسی ظلم کا حساب دینے کے بجائے، وہی عورت کٹہرے میں کھڑی تھی۔

"ازمیر! نکالو اپنی اس بیوی کو اس گھر سے... اور اپنی زندگی سے بھی۔"

سونیا صاحبہ کی آواز نفرت سے بھری ہوئی تھی۔

"یہ اب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہی۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ خان حویلی پر لوگ باتیں کر رہے ہیں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا نا، جو عورتیں مردوں کے مقابلے میں گھر سے باہر قدم نکالتی ہیں، اُن کا انجام یہی ہوتا ہے... اسی طرح رونددی جاتی ہیں۔"

اُن کے الفاظ زرمینہ صاحبہ کے زخموں پر نمک چھڑک رہے تھے۔

ہال میں بیٹھے ہر شخص نے یہ جملے سنے...

مگر کسی نے اُنہیں روکنے کی کوشش نہ کی۔

ازمیر خان نے ایک لمحے کے لیے اپنی ماں کو دیکھا۔

اُن کی آنکھوں میں حیرت بھی تھی، دکھ بھی... اور اپنی ماں کے لیے پہلی بار ٹوٹتا ہوا احترام بھی۔

"آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں، امی؟"

اُن کی آواز بھرّا گئی۔

"آپ ایک عورت ہو کر ایسی بات کیسے کر سکتی ہیں؟ اگر آج زرمینہ کی جگہ آپ کے کسی اپنے کے ساتھ یہ سب ہوتا... تو کیا تب بھی آپ یہی کہتیں؟"

ہال میں ایک لمحے کو مکمل خاموشی چھا گئی۔

مگر شاویز صاحب نے فوراً بات سنبھالتے ہوئے سخت لہجے میں کہا،

"خانزادہ! تمہاری بیوی نے ہماری برسوں کی کمائی ہوئی عزت خاک میں ملادی ہے۔اُس نے ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

ازمیر خان نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔

چہرے پر دکھ تھا...

مگر لہجے میں پہلے سے کہیں زیادہ مضبوطی۔

"ابو...آپ بھی؟"

وہ آہستہ سے بولے۔

"منہ تواُن لوگوں کو چھپانا چاہیے جنہوں نے یہ ظلم کیا ہے،نہ کہ اُسے جس پر ظلم ہوا ہے۔"

اُن کی آواز اب بلند ہو چکی تھی۔

"اور آپ سب چاہتے ہیں کہ میں آج...اِس حالت میں اپنی بیوی کا ساتھ چھوڑ دوں؟جب اُسے میری سب سے زیادہ ضرورت ہے؟"

اُنہوں نے ایک نظر زرمینہ صاحبہ پر ڈالی۔

جو خاموش بیٹھی تھیں۔

سر جھکا ہوا تھا...

آنکھیں بے جان تھیں...

اور شاید آنسو بھی اب ختم ہو چکے تھے۔

"مجھے معاف کیجیے گا... میں ایسا ہر گز نہیں کر سکتا۔"

ازمیر خان کی آواز پورے ہال میں گونجی۔

"زرمینہ نے صرف سچ کا ساتھ دیا ہے، کوئی گناہ نہیں کیا۔ گناہ اُن لوگوں نے کیا ہے جنہوں نے ازمیر خانزادہ کی عزت پر ہاتھ ڈالا ہے۔"

اُن کی آنکھوں میں ایسا غضب تھا کہ چند لمحوں کے لیے سب خاموش ہو گئے۔

مگر شاویز صاحب بھی پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہ تھے۔

"خانزادہ! تم اپنی بیوی کی محبت میں اندھے ہو چکے ہو۔ تمہیں حقیقت دکھائی نہیں دیتی۔ اگر تمہاری بیوی گھر میں ٹک کر بیٹھی رہتی تو اُس کے ساتھ یہ کبھی نہ ہوتا۔"

یہ جملہ سنتے ہی ازمیر خان کی مٹھی بے اختیار بھنچ گئی۔

اُنہوں نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے اپنے اندر اُبلتے طوفان کو قابو میں کر رہے ہوں۔

پھر وہ آہستہ آہستہ بولے،

"ابو... آج گھر پر بیٹھی عورتوں کی عزت بھی محفوظ نہیں رہی، اور آپ اب بھی اُسی پرانے زمانے میں کھڑے ہیں۔"

اُنہوں نے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔

"اصل پٹی ہماری آنکھوں پر نہیں... آپ لوگوں کی آنکھوں پر بندھی ہے، جسے آپ کھولنا ہی نہیں چاہتے۔"

ہال میں سناٹا چھا گیا۔

کوئی اُن کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں آپ سب کو آج بتا دیتا ہوں..."

اُنہوں نے زرمینہ صاحبہ کے قریب جا کر اُن کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"میں اپنی بیوی... اور اپنی بیٹی کو لے کر آج، ابھی، اِسی وقت یہ گھر چھوڑ رہا ہوں۔"

زرمینہ صاحبہ نے بے اختیار اُن کی طرف دیکھا۔

اُن کی آنکھوں میں پہلی بار خوف کے ساتھ ساتھ ایک عجیب سا سکون بھی جھلکنے لگا تھا۔

"لیکن آپ لوگ مجھ سے یہ امید کبھی مت رکھیے گا کہ میں اپنی بیوی کا ساتھ چھوڑ دوں گا۔"

اُن کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔

"سب سے پہلے... وہ میری محبت ہے۔"

"میری بیوی ہے۔"

"میری عزت ہے۔"

"اور... میری بیٹی کی ماں ہے۔"

ہر جملہ ہال کی دیواروں سے ٹکرا کر جیسے سب کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

"خدا حافظ..."

اُنہوں نے آخری بار اپنے خاندان کی طرف دیکھا۔

"میری فیملی کی فکر کرنے کی اب آپ لوگوں کو ضرورت نہیں۔"

یہ کہہ کر ازمیر خان نے زرمینہ صاحبہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھاما، دوسری طرف ننھی رامین کو اپنی بانہوں میں اٹھایا...

اور بغیر ایک بار بھی پیچھے مڑے...

خان حویلی سے ہمیشہ کے لیے نکل گئے۔

اُسی لمحے...

صرف ایک گھر نہیں چھوٹا تھا۔

بلکہ ایک بیٹے کا اپنے خاندان پر سے اعتبار بھی ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا تھا۔

//////////

انیلہ صاحبہ اور آئمہ اس وقت آئمہ کے گھر، اُس کے کمرے میں موجود تھیں۔ کمرے کا ماحول عجیب سی گھٹن میں لپٹا ہوا تھا۔ پردے گرے ہوئے تھے، اے سی چلنے کے باوجود فضا میں تناؤ صاف محسوس ہو رہا تھا۔ انیلہ صاحبہ کے چہرے پر غصّہ، بے بسی اور اپنی مسلسل ہوتی ہوئی تذلیل کی جھنجھلاہٹ ایک ساتھ

نمایاں تھی، جبکہ آئمہ اُنہیں غور سے دیکھ رہی تھی۔انیلہ صاحبہ نے ابھی ابھی اُسے رامین کے بارے میں ہونے والی ساری بات بتائی تھی۔

"واہ خالہ، واہ...! آپ سے تو اب کل کی آئی ایک لڑکی بھی نہیں سنبھالی جا رہی۔ کہاں گئے آپ کے وہ بڑے بڑے دعوے؟"

آئمہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اُس کے لہجے میں ایسا زہر گھلا ہوا تھا کہ انیلہ صاحبہ کا چہرہ ایک دم تپ گیا۔اُن کے اندر پہلے ہی سلگتی آگ، آئمہ کے الفاظ نے مزید بھڑکا دی تھی۔

"وہ لڑکی جو دکھاتی ہے، وہ اُس کی حقیقت نہیں ہے۔"

انیلہ صاحبہ نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

"میں اب تک اُسے ایک عام سی لڑکی سمجھ رہی تھی، مگر وہ بہت شاطر نکلی۔ میری اتنے سالوں کی محنت...ایک ہی لمحے میں ضائع کر دی اُس نے۔"

آخری الفاظ کہتے ہوئے اُن کی آواز میں غصّے کے ساتھ ساتھ شکست خوردگی بھی جھلکنے لگی تھی۔اُنہیں شاید پہلی بار محسوس ہوا تھا کہ سامنے والا مخالف اُن کی توقع سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔

آئمہ نے اُن کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو بغور دیکھا، پھر ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ سج گئی۔

"خالہ، آپ تو کہا کرتی تھیں کہ آپ کو کوئی ہرا نہیں سکتا، لیکن اب مجھے لگ رہا ہے..."

وہ جان بوجھ کر چند لمحے کے لیے رکی، پھر اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"... کہ آپ نے ابھی سے ہی ہار مان لی ہے۔"

یہ جملہ جیسے سیدھا انیلہ صاحبہ کی انا پر وار کر گیا۔

اُن کی آنکھوں میں غصّے کی سرخی مزید گہری ہو گئی۔

"تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے، وہ کل کی آئی لڑکی میرا مقابلہ نہیں کر سکتی۔"

وہ ضبط سے بولیں، مگر اُن کے لہجے کی سختی صاف بتا رہی تھی کہ اُن کے اندر طوفان برپا ہے۔

"اُس جیسی نہ جانے کتنی لڑکیوں کو اُن کی اوقات یاد دلائی ہے میں نے۔"

اُنہوں نے اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی، مگر اُن کی بھنچی ہوئی مٹھیاں اُن کے اندر کے اشتعال کی گواہی دے رہی تھیں۔

"تو پھر کچھ کریں، خالہ!"

آئمہ فوراً اُن کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"اس سے پہلے کہ وہ آپ سے سارے اختیارات چھین لے، اُسے بتا دیتے ہیں کہ ہم کون ہیں۔"

اُس کے چہرے پر اب ایک خطرناک سی مسکراہٹ پھیل چکی تھی، جیسے اُس کے ذہن میں کوئی نئی سازش جنم لے رہی ہو۔

انیلہ صاحبہ چند لمحوں تک خاموش رہیں۔

وہ گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

پہلی بار اُنہیں محسوس ہو رہا تھا کہ ذرا سی جلد بازی اُن کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔

"نہیں..."

اُنہوں نے دھیرے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

"اس بار مجھے بہت سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا ہو گا۔ یہ لڑکی... کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

اُن کی نظریں خلا میں جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ رامین کی ہر چال کو ذہن میں دہرا رہی ہوں۔

آئمہ نے اُنہیں اس انداز میں دیکھا، پھر ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"مان کیوں نہیں لیتیں آپ..."

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"... کہ زندگی میں پہلی بار انیلہ بیگم ڈر گئی ہیں۔"

یہ جملہ سنتے ہی انیلہ صاحبہ نے غصّے سے اُس کی طرف دیکھا۔

اُن کی نظریں جیسے آئمہ کو وہیں خاموش کرا دینا چاہتی تھیں۔

مگر وہ ایک لفظ بھی نہیں بولیں۔

صرف ایک ٹھنڈی، معنی خیز نگاہ اُس پر ڈالی، اپنا پرس اُٹھایا، اور تیز قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئیں۔

جبکہ اُن کے جاتے ہی آئمہ کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ ابھری۔

وہ جانتی تھی...

اب کھیل پہلے سے کہیں زیادہ خطرناک ہونے والا تھا۔

////////////////

اس وقت وہ زوہان کے لیے دودھ لینے کچن میں آئی تھی، جہاں ثمینہ لنچ بنانے میں مصروف تھی۔

پورے کچن میں تازہ مصالحوں اور پکتے ہوئے کھانے کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ چولہے پر ایک ساتھ کئی برتن چڑھے ہوئے تھے اور ثمینہ بڑی مہارت سے ایک کام ختم کرتی تو فوراً دوسرے میں لگ جاتی۔

آج ارسم آفس نہیں گیا تھا۔

صبح زوہان کو تیز بخار ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ سب اُسے ہسپتال لے گئے تھے، اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی واپس آئے تھے۔

رامین نے خاموشی سے فیڈر اُٹھایا اور اس میں زوہان کے لیے دودھ ڈالنے لگی، مگر اُس کی نظریں بار بار ثمینہ پر جا رہی تھیں، جیسے اُس کے ذہن میں کوئی سوال مسلسل گردش کر رہا ہو۔

"ثمینہ۔"

رامین کی آواز پر ثمینہ فوراً پلٹی۔

"جی، رامین باجی! کوئی کام تھا؟"

اس نے احترام سے پوچھا۔

ویسے بھی اب گھر کے زیادہ تر معاملات رامین کی مرضی اور نگرانی میں ہی ہوتے تھے۔ یہ ذمہ داری خود ابراہیم صاحب نے اُسے دی تھی، اور اُس دن کے بعد سے گھر کے تمام ملازم انیلہ صاحبہ سے بھی خاصے خائف رہنے لگے تھے۔

"نہیں، کوئی کام نہیں۔"

رامین نے دھیرے سے کہا، مگر اُس کی نظریں مسلسل ثمینہ کے چہرے پر جمی رہیں۔

"مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے... لیکن سچ سچ بتانا۔"

اُس کا لہجہ معمول سے زیادہ سنجیدہ تھا۔

ثمینہ کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ اُبھر آئی۔

"جی، بی بی... میں آپ سے بھلا جھوٹ کیوں بولوں گی؟"

اس نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کی۔

رامین چند لمحے خاموش رہی، پھر اُس نے اپنی گہری کالی آنکھیں ثمینہ کی آنکھوں میں جما دیں۔

"ارسم کی پہلی بیوی کی وفات کی وجہ کیا تھی؟"

سوال سنتے ہی ثمینہ جیسے ساکت رہ گئی۔

اُس کی آنکھوں میں واضح حیرت اُتر آئی۔

"بی...بی بی، آپ اچانک یہ سوال کیوں پوچھ رہی ہیں؟"

وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

"ثمینہ..."

رامین نے نہایت پُر سکون مگر حکم دینے والے انداز میں کہا۔

"جتنا پوچھا گیا ہے، صرف اُتنا جواب دو مجھے۔"

اُس کے لہجے کی سنجیدگی نے ثمینہ کو مزید گھبرا دیا۔

اس نے بے اختیار اِدھر اُدھر دیکھا، جیسے کوئی اُن کی بات نہ سن لے۔

پھر دھیرے سے بولی۔

"رامین بی بی...اللہ بہتر جانتا ہے، لیکن ہمیں تو یہی بتایا گیا تھا کہ عنایا بی بی نے خودکشی کی تھی...اُنہوں نے زہر کھا لیا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز خود بخود دھیمی ہو گئی۔

پھر وہ چند لمحے خاموش رہی، جیسے دل میں دبی ہوئی کوئی بات زبان تک آ گئی ہو۔

"لیکن..."

وہ آہستہ سے بولی۔

"سچ بتاؤں، عنایابی بی تو بالکل بھی ایسی نہیں لگتی تھیں کہ زندگی سے منہ موڑ لیں۔"

اُس کی آنکھوں میں پرانی یادوں کی نمی جھلکنے لگی۔

"وہ تو ہمیشہ دوسروں میں خوشیاں بانٹنے والی تھیں... ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی تھیں۔اُنہیں دیکھ کر کبھی نہیں لگتا تھا کہ وہ اپنے دل میں کوئی ایسا درد چھپا سکتی ہیں۔"

ثمینہ کی آواز میں بے اختیار اداسی گھل گئی۔

رامین خاموشی سے اُس کی ہر بات سنتی رہی۔

اُس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا، مگر اُس کی آنکھوں کی گہرائی میں جیسے کئی سوال ایک ساتھ جاگ اُٹھے تھے۔

بغیر کچھ کہے اُس نے فیڈر اُٹھایا، ایک آخری نظر ثمینہ پر ڈالی، اور خاموش قدموں سے کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

//////////

رومان اور ثمر دونوں اپنے ایک قریبی دوست کے ولیمے میں شریک ہونے آئے تھے۔شادی ہال رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ہر طرف مہمانوں کی چہل پہل، ہنسی کی آوازیں اور ہلکی مدھم موسیقی ماحول کو خوشگوار بنا رہی تھی۔

اس وقت وہ دونوں اپنے دوست عاشر کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، جبکہ ساتھ ساتھ نئی نویلی دلہن سے ہلکی پھلکی گفتگو بھی جاری تھی۔ عاشر کے چہرے پر نئی زندگی کی خوشی نمایاں تھی اور زرنش کے چہرے پر شرمائی ہوئی مسکراہٹ ہر لمحہ گہری ہوتی جا رہی تھی۔

تبھی اسٹیج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ بھی وہاں آ پہنچی۔

بلیک رنگ کے خوبصورت فراک میں ملبوس، ہلکے سے میک اپ، کھلے ہوئے ریشمی بال اور چہرے پر ہمیشہ کی طرح زندہ دل مسکراہٹ لیے آج صوفیہ غیر معمولی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اسٹیج پر پہنچی، سیدھا جا کر زرنش کے گلے لگ گئی۔

"زرنش! بہت بہت مبارک ہو، شہزادی تمہیں۔ سوری، کل شادی پر نہیں آ سکی۔ تمہیں تو پتا ہے نا، ٹریننگ ختم ہونے والی ہے، اس لیے آج کل ہر طرف بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔"

صوفیہ حسبِ عادت ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی۔ ابھی تک اُس کی نظر رومان اور ثمر پر نہیں پڑی تھی، مگر وہ دونوں اُسے دیکھ چکے تھے۔

رومان نے ایک لمبی سانس لیتے ہوئے ثمر کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"لو بھئی... لگتا ہے آج کل میرے ستارے گردش میں ہیں، اسی لیے جہاں بھی جاتا ہوں، محترمہ سے سامنا ہو ہی جاتا ہے۔"

ثمر ہنسی دبانے کی ناکام کوشش کرنے لگا۔

اُدھر صوفیہ کی نظر جیسے ہی رومان پر پڑی، اُس کے چہرے کے تاثرات فوراً بدل گئے۔

"یہ اُلو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

پچھلی ملاقات یاد آتے ہی اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

رومان کا چہرہ سب کے سامنے "اُلو" سن کر غصے سے سرخ ہو گیا۔

"لوگوں کی نظریں تو پہلے ہی خراب ہیں، اُنہیں اچھے خاصے ہینڈسم لڑکے اور اُلو میں فرق ہی نظر نہیں آتا۔"

اس نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔

عاشر اور زرنش نے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر تقریباً ایک ساتھ بول اٹھے۔

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

"ہاں، بالکل! جانتے ہی نہیں، اچھے سے پہچانتے بھی ہیں۔"

اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے پر لفظوں کے گولے برسانا شروع کرتے، ثمر نے فوراً صورتحال سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

صوفیہ نے رومان کو سر سے پاؤں تک دیکھا، پھر نہایت سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے، میری پہلی پوسٹنگ پر نازک لڑکوں کے لیے الگ سے کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔"

اُس کا اشارہ صاف رومان کی دبلی پتلی فزیک کی طرف تھا۔

رومان نے بھی ایک لمحہ ضائع نہ کیا۔

"اور مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ بندر یا کے ہاتھ میں آری کون دے رہا ہے۔"

جملہ سنتے ہی صوفیہ تلملا گئی۔

"کیا کہا تم نے؟"

اُس نے آنکھیں سکیڑ کر رومان کو گھورا۔

"وہی جو تم نے سنا۔"

رومان نے کندھے اچکاتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا۔

آس پاس موجود سب لوگ اُن دونوں کی مسلسل نوک جھونک دیکھ کر ہنس رہے تھے، جبکہ ثمر نے بے بسی سے اپنا ماتھا پیٹ لیا۔

"یا اللہ! اِن دونوں کا اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

اُس نے دل ہی دل میں سوچا، اور باقی سب کی ہنسی مزید بلند ہو گئی۔

اسی خوشگوار ماحول، قہقہوں اور دونوں کی لفظی جنگ کے درمیان ولیمے کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچا، اور پھر سب ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

//////////////

رامین کمرے میں واپس آئی تو زوہان بیڈ پر نہایت سکون سے سو رہا تھا۔ کمرے میں خاموشی کی ایک مدھم سی چادر تنی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے چھن کر آتی شام کی ہلکی روشنی دیوار پر لگی تصویروں پر پڑ رہی تھی، جبکہ پردوں کو ہلکی ہلکی ہوا آہستگی سے جنبش دے رہی تھی۔

ارسم کھڑکی کے قریب، دیوار پر آویزاں عنایا کی تصویر کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔

رامین نے خاموشی سے دودھ کی بوتل ٹیبل پر رکھی اور چند قدم چل کر اُس کے قریب آ کر رک گئی۔

اُس کی موجودگی کا احساس ارسم کو ہو چکا تھا، مگر اُس کی نظریں اب بھی عنایا کی اُس تصویر پر جمی ہوئی تھیں، جس میں عنایا نے صرف دو دن کے ننھے زوہان کو اپنی بانہوں میں اٹھا رکھا تھا۔ اُس کے چہرے پر ماں بننے کی بے پناہ خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

چند لمحے دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

پھر ارسم کی بھاری آواز اُس خاموشی کو توڑ گئی۔

"تم جانتی ہو، رامین... وہ میرے ہر درد، ہر غم کا مرہم تھی۔ میں اُس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اور اب دیکھو... اُس کے جانے کے بعد بھی ڈھیٹوں کی طرح جی رہا ہوں۔"

اُس کی نظریں اب بھی تصویر سے نہیں ہٹی تھیں۔

ہر لفظ میں برسوں کی اداسی، بے بسی اور ٹوٹے ہوئے دل کی تھکن صاف محسوس ہو رہی تھی۔

رامین نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

وہ پہلی بار اتنی شدت سے اُس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی کمی، تنہائی اور محبت کو محسوس کر رہی تھی۔

"ہمیں اپنے حصے کی خوشیاں بھی جینی پڑتی ہیں اور غم بھی، ارسم۔"

رامین نے ہمیشہ کی طرح پُر سکون مگر گہری آواز میں کہا۔

"اکثر جن لوگوں سے ہم سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں... امتحان بھی سب سے پہلے اُنہی کے ذریعے لیا جاتا ہے۔"

ارسم آہستہ سے اُس کی طرف مڑا۔

اُس کی نیلی آنکھوں میں برسوں سے دبے ہوئے سوال آج بھی ویسے ہی زندہ تھے۔

"میں آج تک یہ نہیں جان پایا، رامین... کہ وہ مجھے چھوڑ کر کیوں گئی؟"

وہ تلخی سے مسکرایا۔

"کوئی اس طرح بھی وعدہ توڑتا ہے؟ بتاؤ..."

اُس نے سیدھا رامین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

رامین نے اُس کی نظریں تھام لیں۔

"اکثر... جو دکھائی دیتا ہے، وہی سچ نہیں ہوتا، ارسم۔"

اُس نے آہستگی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے... وہ آپ کو چھوڑ کر جانا ہی نہ چاہتی ہو، لیکن اُسے کسی نے مجبور کر دیا ہو۔"

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

"جہاں تک میں نے سنا ہے... عنایا اُن لڑکیوں میں سے نہیں تھیں جو اپنی خوشیوں کا گلا خود گھونٹ دیں۔"

وہ چند لمحے رکی، پھر نہایت معنی خیز انداز میں بولی۔

"آپ نے کبھی... اس پہلو سے سوچا ہے؟"

ارسم جیسے ساکت رہ گیا۔

وہ کچھ لمحوں تک خاموشی سے رامین کو دیکھتا رہا۔

اُس کے ذہن میں جیسے ایک ساتھ بے شمار سوال جاگ اٹھے تھے۔

"تم... کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

اُس کی آواز میں بے اختیار بے چینی اتر آئی۔

"کیا کوئی ایسی بات ہے... جو میں نہیں جانتا؟"

رامین نے اُس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں نے صرف وہی کہا ہے... جو محسوس کیا۔"

اُس کا لہجہ بدستور پُر سکون تھا۔

"کچھ سچ ایسے ہوتے ہیں جو کئی پردوں کے پیچھے چھپے رہتے ہیں۔"

اُس نے دھیرے سے کہا۔

"اور اُنہیں ڈھونڈنے کے لیے پوری دنیا میں بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"کیونکہ وہ اکثر... ہماری آنکھوں کے سامنے ہی موجود ہوتے ہیں، مگر ہم اُنہیں کہیں اور تلاش کرتے رہتے ہیں۔"

ارسم مسلسل اُسے دیکھے جا رہا تھا۔

جیسے اُس کے ہر لفظ کے پیچھے چھپا مطلب پڑھ لینے کی کوشش کر رہا ہو۔

لیکن رامین...

وہ ہمیشہ کی طرح ایک پراسرار مسکراہٹ کے پیچھے اپنے سارے راز چھپا چکی تھی۔

ارسم ابھی بھی اُسے سمجھنے کی کوشش ہی کر رہا تھا کہ اچانک زوہان نیند سے جاگ گیا۔

بھوک لگنے کی وجہ سے اُس کی ننھی سی جان کے رونے کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔

رامین فوراً اُس کی طرف بڑھی۔

اُس نے بڑی شفقت سے زوہان کو اپنی بانہوں میں اٹھایا، پھر ٹیبل پر رکھی دودھ کی بوتل اُٹھا کر اُسے دودھ پلانے لگی۔

چند لمحے پہلے کمرے میں ماضی کی تلخ یادیں گردش کر رہی تھیں...

اوراب وہی کمرہ ایک ننھی سی جان کی موجودگی سے پھر سے زندگی کا احساس دینے لگا تھا۔

//////////

اس وقت رامین خانزادہ گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔ کئی عرصے بعد اُس گھر کی دہلیز پار کرتے ہوئے اُس کے دل میں ایک عجیب سا احساس اُبھرا تھا۔ یہ گھر اُس کے لیے صرف ایک جگہ نہیں تھا، بلکہ بچپن کی یادوں، اپنائیت اور اُن رشتوں کا گھر تھا جہاں اُسے ہمیشہ محبت ملی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ لان کو عبور کرتی ہوئی ہال کمرے میں آئی۔ دوپہر کا وقت تھا، سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ کھڑکیوں سے آتی ہوئی تیز مگر نرم دھوپ ہال کمرے میں پھیل رہی تھی، جبکہ گھر کا پرسکون ماحول اپنوں کی موجودگی سے اور بھی مانوس محسوس ہو رہا تھا۔

رامین کو دیکھتے ہی فرحین صاحبہ کے چہرے پر خوشی کی ایک جھلک نمودار ہوئی، مگر اُس خوشی کے ساتھ ایک ہلکی سی شکایت بھی شامل تھی۔

"آ گئی یاد، ہماری شہزادی کو ہماری؟"

فرحین صاحبہ نے اُسے گھر میں داخل ہوتے دیکھا تو محبت بھرے شکوے کے انداز میں بولیں، کیونکہ آج وہ کتنے عرصے کے بعد گھر آئی تھی۔

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے، آنٹی۔ یاد تو ہمیشہ آتی ہے، لیکن مجبوری تو آپ جانتی ہیں نہ۔"

رامین نے مسکراتے ہوئے اُنہیں گلے لگا لیا۔

اُس لمس میں جہاں محبت تھی، وہیں ایک لمبے عرصے کی دوری کا احساس بھی چھپا ہوا تھا۔

فرحین صاحبہ بھی اُس سے لپٹ کر اپنی ساری شکایتیں بھول گئیں، جیسے کچھ لمحوں کے لیے وقت وہیں رک گیا ہو۔

"جانتی ہوں تمہاری مجبوری، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ گھر والوں کے لیے وقت نہ نکالا جائے۔"

فرحین صاحبہ نے اُسے الگ کرتے ہوئے شکایتی انداز میں کہا، مگر اُن کی آواز میں ناراضی سے زیادہ محبت تھی۔

تبھی شہاب صاحب بھی اپنے کمرے سے نکل کر ہال کمرے میں داخل ہوئے۔

رامین کو دیکھتے ہی اُن کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو میری بیٹی کو یاد آ گئی انکل کی؟"

انہوں نے رامین کی طرف دیکھ کر کہا، جو اُنہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

"اب آپ بھی شکایت کریں گے، انکل؟"

رامین نے اُن کی طرف معصومیت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اُس کے انداز پر شہاب صاحب مسکرا دیے اور فرحین صاحبہ کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئے۔

"تم کرنے کب دیتی ہو شکایت۔"

انہوں نے مسکرا کر کہا۔

چند لمحوں کے لیے ماحول خوشگوار رہا، لیکن پھر ایک نام نے جیسے اُس ہنسی پر خاموشی کی چادر ڈال دی۔

"اگر آپ عنایا کو بھی موقع دیتے، تو وہ بھی آپ کو شکایت نہیں کرنے دیتی۔"

رامین نے سنجیدگی سے اُن دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

عنایا کا نام سنتے ہی فرحین صاحبہ کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی۔ جیسے پرانا زخم ایک بار پھر تازہ ہو گیا ہو۔

شہاب صاحب نے بھی نظریں جھکا لیں۔ وہ مضبوط رہنے کی کوشش کر رہے تھے، مگر ایک باپ کے دل میں چھپی بیٹی کی کمی اُن کی خاموشی سے صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"انکل، ایک موقع دے دیتے اُسے تو شاید آج وہ ہمارے درمیان موجود ہوتی۔"

رامین کی آواز بھیگ گئی۔

"وہ جو ہر چھوٹی سے چھوٹی بات تک بتاتی تھی... اُس کی زبان سے الفاظ سننے کے لیے بھی ترس گئی ہوں میں۔"

نم آنکھوں سے یہ کہتے ہوئے اُس نے شہاب صاحب کو دیکھا، جو اپنا سر جھکائے بیٹھے تھے۔

وہ دونوں رامین کے نکاح سے بھی واقف تھے، اور انہیں ہر بات کا علم تھا۔ رامین نے اُنہیں سب کچھ بتا دیا تھا، عنایا کے وعدے کے بارے میں بھی۔

کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی پھیل گئی تھی۔ ایسی خاموشی جس میں بہت سی باتیں کہی بھی جا رہی تھیں اور چھپائی بھی جا رہی تھیں۔

"میں تو اپنے نواسے کو دیکھنے کے لیے ترس گئی ہوں۔"

فرحین صاحبہ روتے ہوئے بولی تھیں۔

وہ ایک ماں تھیں، اور ایک ماں سے بڑھ کر اپنی اولاد کی کمی کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو کھو چکی تھیں، مگر اُس کی یاد آج بھی اُن کے دل میں زندہ تھی۔

"آپ روئیں نہیں، آنٹی۔ آپ زوہان سے ملنا چاہتی ہیں نہ؟ تو میرے پاس آپ کے لیے ایک سرپرائز ہے۔ صوفیہ، اندر آجاؤ۔"

رامین نے فوراً اُنہیں تسلی دی، پھر صوفیہ کو آواز دی۔

چند ہی لمحوں بعد صوفیہ اپنے بازوؤں میں زوہان کو لیے اندر آگئی۔

ننھے زوہان کو دیکھتے ہی دونوں کی آنکھوں میں خوشی کے ساتھ ساتھ نمی بھی اُتر آئی۔

جس بچے کو دیکھنے کے لیے وہ ترس رہے تھے، آج وہ اُن کے سامنے تھا۔

وہ بے اختیار اپنے نواسے کو اُٹھانے کے لیے آگے بڑھے تھے۔

عنایا، شہاب صاحب اور فرحین صاحبہ کی بیٹی تھی۔

رامین کو بچپن میں ہی شہاب صاحب اور فرحین صاحبہ اپنے ساتھ لے آئے تھے، اُس کی امی کے انتقال کے بعد۔

وہ دونوں بچپن سے ساتھ رہی تھیں۔

رامین شروع سے ہی بہت سنجیدہ تھی۔ بچپن میں پیش آنے والے حادثوں نے اُس کی شخصیت پر گہرا اثر چھوڑا تھا، جبکہ عنایا... وہ تو ہمیشہ سے خوش مزاج، زندگی سے بھرپور اور محبت بانٹنے والوں میں سے تھی۔

جہاں رامین خاموشی میں رہنے والی تھی، وہیں عنایا اُس خاموشی میں رنگ بھر دیا کرتی تھی۔

اور اسی طرح آہستہ آہستہ عنایا اور رامین کی دوستی ایک مضبوط رشتے میں بدل گئی تھی۔

عنایا اُس سے کبھی کچھ نہیں چھپاتی تھی۔

/////////

وہ ابھی گھر واپس آیا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں بارہ بجا رہی تھیں۔ آج ارسم معمول سے جلدی گھر آ گیا تھا، مگر اس کے چہرے پر ایک عجیب سی بے چینی اور تھکن صاف جھلک رہی تھی۔

وہ سیدھا کچن کی طرف بڑھا، جہاں ثمینہ روز کی طرح کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ کچن میں کھانوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور برتنوں کی ہلکی ہلکی آواز گھر کے ماحول کو معمول کے مطابق بنائے ہوئے تھی، مگر ارسم کے اندر کا سکون کہیں کھویا ہوا تھا۔

"ثمینہ، رامین کہاں ہے؟"

ارسم نے ارد گرد نظر گھماتے ہوئے پوچھا، اس کی آواز میں ہلکی سی اضطراب کی لہر تھی، کیونکہ وہ عموماً اس وقت کچن میں ہی ہوتی تھی۔

"وہ ارسم بھائی، وہ تو زوہان کو لے کر باہر گئی ہیں۔ کہہ رہی تھیں کہ کچھ کام ہے، جلدی آجائیں گی۔"

ثمینہ نے فوراً رٹو طوطے کی طرح رامین کی بات اُسے بتادی۔

"ٹھیک ہے، تم کام کرو۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، مگر قدموں میں پہلے جیسی روانی نہیں تھی۔

آج اُس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، اسی لیے وہ آفس سے جلدی واپس آگیا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ایک انجانی سی فکر بھی تھی، جو دل کے کسی کونے میں بیٹھ کر اسے مسلسل بے چین کیے جا رہی تھی۔

کمرے میں پہنچتے ہی اُس نے سب سے پہلے رامین کو کال کی، جیسے دل کو تسلی دینے کی ایک آخری کوشش ہو۔

دوسری طرف رامین، فرحین صاحبہ، شہاب صاحب اور صوفیہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ فرحین صاحبہ اور صوفیہ زوہان کے ساتھ کھیل رہی تھیں، جبکہ رامین دوسرے صوفے پر شہاب صاحب کے ساتھ بیٹھی اُنہیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی، ماحول میں ہلکی ہلکی خوشی اور اپنائیت گھلی ہوئی تھی۔

تبھی اُس کے فون کی بیل بجی۔

اسکرین پر ارسم کا نام جگمگا رہا تھا، جسے شہاب صاحب بھی دیکھ چکے تھے۔

رامین نے اُن کی طرف دیکھا تو انہوں نے اُسے بات کرنے کا اشارہ کر دیا۔

وہ وہاں سے تھوڑا سا ایک طرف آگئی اور فون اٹھا لیا۔

"کہاں ہو، رامین؟ زوہان ٹھیک ہے؟"

کال اٹھاتے ہی ارسم نے جیسے سانس روکے ہوئے سوال کرنا شروع کر دیے تھے، اس کی آواز میں چھپی ہوئی گھبراہٹ صاف محسوس ہو رہی تھی۔

رامین حیرت سے اُسے سن رہی تھی، کیونکہ ارسم نے کبھی اس طرح اتنی فکر مندی سے سوال نہیں کیے تھے۔

"کیا ہو گیا ارسم؟ سانس تو لے لیں، اتنے سوال۔ ہم بالکل ٹھیک ہیں، اور میں اپنے ایک دوست کے گھر آئی تھی۔ اور آپ کو تو پتا ہے، زوہان کسی کے پاس نہیں رکتا، اسی لیے اُسے اپنے ساتھ ہی لے آئی۔"

رامین نے اُس کی پریشانی کم کرتے ہوئے نرمی سے جواب دیا۔

"رامین، میری ایک بات مانو گی؟"

اب وہ کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہوا، مگر اس کی آواز میں اب بھی بے چینی کی ہلکی سی لرزش موجود تھی۔

"جی، ارسم بولیں۔"

رامین نے کہا۔

"دوبارہ کہیں بھی جانا ہو تو تم مجھے پہلے بتا دینا، پلیز۔"

ارسم نے کہاتو وہ کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی، جیسے اس کی بات کے پیچھے چھپی ہوئی فکر کو محسوس کر رہی ہو۔

اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ارسم اتنا پریشان کیوں ہو رہا ہے۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کو آئندہ سے بتا دوں گی۔اب پلیز آپ ریلیکس ہو جائیں۔"

رامین نے اُس کی پریشانی دور کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، سوری تمہیں ڈسٹرب کیا۔تم اپنی دوست کے ساتھ وقت گزارو،اور خیال رکھنا۔خدا حافظ۔"

ارسم نے کہااور فون رکھ دیا، مگر اس کے دل کی بے چینی پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔

رامین چند لمحے خاموش کھڑی رہی۔

آج اُسے ارسم کی آواز میں کچھ الگ ہی فکر اور خوف محسوس ہوا تھا، جو اس کے دل میں بھی ہلکی سی الجھن چھوڑ گیا تھا۔

وہ ابھی پیچھے مڑی ہی تھی کہ سامنے شہاب صاحب کو کھڑا پایا۔

"میں جانتا ہوں کہ میں نے جو بھی کیا، وہ اپنے غصے اور ناراضگی میں کیا تھا۔اور میں اُسے معاف تو کب کا کر چکا تھا، بس بتایا نہیں تھا۔کیا تم مجھے بھی اُس کا مجرم سمجھتی ہو؟"

شہاب صاحب نے رامین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،ان کی آواز میں پچھتاوے کی گہری تہہ تھی۔

"نہیں، انکل۔ میں جانتی ہوں کہ آپ ناراض تھے اُس سے، لیکن مان جاتے... پر اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ جس نے جانا تھا، وہ چلی گئی ہے۔"

رامین نے اُنہیں دیکھتے ہوئے کہا، مگر اس کی آنکھوں میں بھی ایک خاموش اداسی تھی۔

"تم خوش ہو؟"

شہاب صاحب نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا، جیسے وہ اس کے دل کا حال جاننا چاہتے ہوں۔ وہ دراصل وہاں کے حالات کے بارے میں جاننا چاہ رہے تھے۔

"آپ پریشان نہیں ہوں، میں عنایا نہیں ہوں۔ اور سچ پوچھیں تو وہاں صرف دو ہی لوگوں کو اُن کی صحیح جگہ پہنچانے کی ضرورت ہے، اور یہ کام آپ کی یہ بیٹی اچھے سے کرنا جانتی ہے۔"

رامین نے اُنہیں اطمینان دلاتے ہوئے مسکرا کر کہا، مگر اس مسکراہٹ کے پیچھے ایک مضبوط ارادہ بھی چھپا ہوا تھا۔

"بیٹا، وعدہ کرو اپنا خیال رکھو گی، اور کچھ بھی ہو مجھے ہر بات بتاؤ گی۔ ہم ایک بیٹی پہلے ہی کھو چکے ہیں، دوسری نہیں کھو سکتے۔"

شہاب صاحب نے رامین کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔ اُن کی آنکھیں نم تھیں اور آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"آپ کی یہ بیٹی آپ سے وعدہ کرتی ہے۔آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گی،اور جو بھی کرنا پڑا، حق کے حصول کے لیے کروں گی۔"

رامین نے اُنہیں دیکھتے ہوئے اعتماد سے کہا۔

"یہ صحیح ہے، کب سے ڈھونڈ رہی ہوں اور یہاں یہ باپ اور بیٹی کے وعدوں کا مرحلہ چل رہا ہے۔"

فرحین صاحبہ نے اُن کی بات سن لی تھی، تبھی ہلکے مزاحیہ انداز میں بولیں۔

اُن کی بات پر سب کے چہروں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آگئی،ماحول کی سنجیدگی کچھ پل کے لیے نرم پڑ گئی۔

"تو آپ بھی مجھ سے وعدہ لے لیں، میں پورا کردوں گی۔"

رامین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا بس،اب چلو۔ کھانا تیار ہے،اور زوہان نے بھی رونا شروع کر دیا ہے۔ کیسی عادت ڈال دی ہے تم نے اُسے۔"

فرحین صاحبہ اُسے اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے بولیں۔

اور پھر وہ سب اسی طرح ہنسی مذاق کرتے ہوئے کھانا کھانے لگے، مگر ہر دل کے کسی نہ کسی کونے میں اپنے اپنے احساسات کی ہلکی سی گونج باقی تھی۔

/////////

ازمیر خانزادہ آج ہی اُنہیں وہاں سے لے کر جانے والے تھے۔

وہ کچھ ضروری کام کے لیے باہر گئے تھے، مگر وقت گزرتا گیا اور وہ واپس نہیں آئے۔

اور پھر انتظار ختم ہوا...

مگر اُس خبر کے ساتھ جس نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا تھا۔

خبر آئی تھی کہ ازمیر خانزادہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

اُن کی گاڑی کا ایک ٹرک کے ساتھ بہت خوفناک تصادم ہوا تھا، اور اُسی حادثے میں وہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے تھے۔

خان حویلی، جہاں کبھی زندگی کی آوازیں گونجا کرتی تھیں، آج موت کے سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس بڑی سی حویلی میں کوئی ذی روح موجود ہی نہ ہو۔ ہر طرف خاموشی تھی، مگر اُس خاموشی میں کئی چیخیں، کئی درد اور کئی ٹوٹے ہوئے خواب چھپے ہوئے تھے۔

سونیا صاحبہ کا رو رو کر برا حال تھا۔

وہ بار بار اپنے بیٹے کو یاد کر کے ٹوٹ رہی تھیں، جیسے اُن کی پوری دنیا ایک لمحے میں اجڑ گئی ہو۔

اور شاویز صاحب...

وہ تو اپنے لاڈلے بیٹے کی میت دیکھ کر ہی نڈھال ہو گئے تھے۔

ایسالگ رہا تھا جیسے ایک ہی لمحے میں اُن کی ساری طاقت ختم ہو گئی ہو، جیسے اچانک وقت نے اُنہیں بوڑھا کر دیا ہو۔

ظہیر خان نے اُنہیں سنبھال رکھا تھا، مگر ایک باپ کے دل کا درد کسی کے سنبھالنے سے کم نہیں ہوتا۔

زرمینہ صاحبہ تو جیسے صدمے کی حالت میں تھیں۔

وہ اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھیں کہ جس شخص کے ساتھ اُنہوں نے اپنی زندگی گزاری، وہ اب اُن کے درمیان موجود نہیں رہا۔

اُن کی آنکھیں بار بار دروازے کی طرف اُٹھ جاتیں، جیسے ابھی ازمیر خانزادہ اندر آئیں گے اور سب کو بتائیں گے کہ یہ صرف ایک برا خواب تھا۔

اور رامین...

وہ تو معصومیت سے بار بار اپنی ماں سے ایک ہی سوال کر رہی تھی۔

"بابا کہاں ہیں؟"

مگر اُس کے سوال کا جواب دینے کے لیے کسی کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

کیونکہ کچھ حقیقتیں اتنی تکلیف دہ ہوتی ہیں کہ اُنہیں زبان سے ادا کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

اور پھر وہ لمحہ بھی آیا، جب ازمیر خانزادہ کی آخری رسومات ادا کر دی گئیں۔

ایک وجود ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا تھا، مگر اُس کی یادیں پیچھے رہ جانے والوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے نقش ہو چکی تھیں۔

مگر دکھ کی اُس گھڑی میں بھی کچھ دل نفرت اور الزام سے بھرے ہوئے تھے۔

سونیا صاحبہ نے زرمینہ صاحبہ اور رامین کو دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا۔

اُن کے نزدیک ازمیر خانزادہ کی موت کی ذمہ دار وہ دونوں تھیں۔

اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہاں موجود کسی شخص نے اُن کے دفاع میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔

کوئی آواز اُن کے حق میں بلند نہیں ہوئی۔

کوئی ہاتھ اُنہیں روکنے کے لیے آگے نہیں بڑھا۔

اور اُس دن رامین نے صرف اپنے باپ کو نہیں کھویا تھا...

بلکہ اُس نے اپنوں کی خاموشی کا درد بھی محسوس کیا تھا۔

//////////

صوفیہ کی ٹریننگ مکمل ہو چکی تھی، اور اب اُس کی پوسٹنگ ہونی تھی۔

اپنے بابا کے تعلقات استعمال کرتے ہوئے اُس نے اپنی پوسٹنگ خانزادہ کے ساتھ ہی کروالی تھی، کیونکہ وہ ہمیشہ سے چاہتی تھی کہ اپنے لوگوں کے قریب رہے۔

اور آج وہ اپنی کچھ شاپنگ کے لیے مال آئی تھی۔

مال میں لوگوں کی چہل پہل جاری تھی، ہر طرف روشنیوں کی چمک اور خریداری میں مصروف لوگوں کی آوازیں ماحول کو زندہ کیے ہوئے تھیں۔

صوفیہ ابھی ایک اسٹور کے قریب سے گزر رہی تھی کہ اچانک اُس کی نظر اندر موجود رومان پر پڑی۔

رومان کسی لڑکی کے ساتھ کھڑا ہنس کر بات کر رہا تھا۔

نہ جانے کیوں، اُس کے قدم وہیں رک گئے۔

وہ کچھ لمحے خاموشی سے اُن دونوں کو دیکھتی رہی۔ اُس کی نظریں بار بار رومان اور اُس لڑکی کے درمیان گھوم رہی تھیں، جیسے وہ جاننے کی کوشش کر رہی ہو کہ آخر معاملہ کیا ہے۔

تبھی ثمر کی نظر صوفیہ پر پڑی، جو مسلسل رومان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ مسکراتا ہوا اُس کے پاس آ گیا۔

"ہیلو، آفیسر صاحبہ! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

ثمر نے اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھتے ہوئے کہا، جو ابھی بھی رومان اور اُس لڑکی کو بڑی غور سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں ثمر، میں بس تھوڑی شاپنگ کرنے آئی تھی۔ ویسے یہ لڑکی کون ہے، جو تمہارے اس دوست کے پاس ٹھہری ہے؟"

صوفیہ نے بالآخر ثمر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہماری دوست ہے۔ ہمارے ساتھ ہی پڑھائی مکمل کی ہے، اور اب ہمارے ساتھ ہی انٹرنشپ بھی کر رہی ہے۔"

ثمر نے اُس کے تجسس پر حیران ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"پر یہ اتنا ساتھ کیوں ٹھہرے ہیں؟"

صوفیہ نے اُن دونوں کو نزدیک کھڑے دیکھ کر کہا۔

ثمر کو اُس کے انداز پر شرارت سوجھی۔

"ویسے ایک بات بتاؤں تمہیں؟"

ثمر نے بڑی ہی رازداری سے کہا۔

صوفیہ نے فوراً اپنے کان کھڑے کیے اور تجسس سے اُس کی طرف دیکھا۔

"ویسے وہ رومان کو پسند بھی کرتی ہے... بہت بہت بار پرپوز بھی کر چکی ہے۔"

ثمر نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے معصومیت سے کہا۔

صوفیہ حیرت سے منہ کھولے اُسے دیکھنے لگی۔

"مجھے لگتا ہے لڑکی کی آنکھیں خراب ہیں، ورنہ اس سکیلیٹن کو کوئی کیسے پسند کر سکتا ہے۔"

صوفیہ نے صدمے اور غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کہا۔

ثمر اُس کی حالت کا خوب مزہ لے رہا تھا۔

"ہاں، دیکھو نہ۔ پتا نہیں ان کا کیا بنے گا۔"

ثمر نے بھی پوری سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس کی بات کی حمایت کی۔

رومان جو کب سے اُن دونوں کو دیکھ رہا تھا کہ ثمر، صوفیہ سے کچھ بات کر رہا ہے، اب اُن کی طرف بڑھنے لگا۔

رومان کو اپنی طرف آتا دیکھ کر ثمر نے فوراً بات بدل دی۔

"اچھا آفیسر صاحبہ، اب ہماری دوستی تو ہو ہی گئی ہے۔ کل رات کو میری سالگرہ ہے، اور میں نے اپنے دوستوں کے لیے چھوٹی سی پارٹی رکھی ہے، تو آپ کو بھی آنا ہی پڑے گا۔ اوکے؟"

ثمر نے فوراً اُسے انوائیٹ کر دیا۔

صوفیہ نے بھی آنے کا وعدہ کیا اور پھر وہاں سے چلی گئی۔

رومان اُس کے جاتے ہی ثمر کے پاس آیا۔

"یہ تم کیا بات کر رہے تھے اس سے؟"

رومان نے صوفیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا، جو ابھی وہاں سے گئی تھی۔

"کچھ نہیں برو، بس اُسے کل کی پارٹی کا انوائیٹ دے رہا تھا۔ اب وہ بھی تو ہماری دوست ہے۔"

ثمر نے اُس کے چہرے پر موجود تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کل اسے پارٹی میں انوائیٹ کر چکے ہو؟ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟"

رومان نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں،اس میں کیا بڑی بات ہے؟"

ثمر نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

رومان نے اُسے گھورا۔

"اور تم اتنی دیر سے بس یہی بات کر رہے تھے اُس سے، یا کچھ اور چل رہا تھا؟ سچ بتاؤ مجھے۔"

رومان نے شکی نظروں سے اُسے دیکھا۔

ثمر پہلی مرتبہ اُسے کسی لڑکی کے بارے میں اتنا پوچھتے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بھائی، میں تجھ سے جھوٹ کیوں بولوں گا؟"

ثمر نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

رومان خاموش ہو گیا۔

اور پھر وہ دونوں دوبارہ اپنی شاپنگ میں مصروف ہو گئے۔

//////////////

رات کی خاموشی میں وہ جگہ عجیب سی ویرانی لیے ہوئے تھی۔اندھیروں میں چھپی ہوئی حقیقتیں جیسے آہستہ آہستہ سامنے آ رہی تھیں۔

خانزادہ وہاں کھڑی تھی، جہاں امجد بھائی اُسے ظہیر خان کے اڈے کے بارے میں اہم معلومات دینے آئے تھے۔

وہ شروع سے ہی پولیس کی، یا یہ کہنا زیادہ بہتر ہوتا کہ خانزادہ کی مدد کر رہے تھے۔ ہر بار خطرہ مول لے کر بھی وہ سچ کے ساتھ کھڑے رہے تھے۔

"شکریہ امجد بھائی، اگر آپ نہیں ہوتے تو یہ سب بہت مشکل ہو جاتا۔ ظہیر خان کے خلاف شاید ثبوت اکھٹے کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔"

خانزادہ نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اُس کی آواز میں شکر گزاری بھی تھی اور اُس جنگ کی تھکن بھی، جو وہ کافی عرصے سے لڑ رہی تھی۔

امجد بھائی نے اُسے دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیے۔

"نہیں گڑیا، زرمینہ آنٹی نے مجھے زندگی دی تھی۔ میری جان بچائی تھی۔ میں اُن کا یہ احسان پوری زندگی نہیں اتار سکتا۔"

وہ چند لمحے رکے، پھر مضبوط لہجے میں بولے۔

"اور میں کسی کی مدد نہیں کر رہا، صرف سچ کا ساتھ دے رہا ہوں۔"

اُن کی آنکھوں میں ایک عجیب سا یقین تھا، جیسے اُنہیں معلوم ہو کہ حق کا راستہ مشکل ضرور ہے، مگر آخر کار جیت اُسی کی ہوتی ہے۔

"آگے تمہیں جب میری ضرورت پڑے گی، مجھے تم اپنے ساتھ کھڑا پاؤ گی۔"

انہوں نے خانزادہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر انہوں نے اُسے ظہیر خان کے نئے اڈوں کے بارے میں بتایا، جہاں اُس نے اپنا منشیات کا سامان چھپا رکھا تھا۔

ضروری معلومات دینے کے بعد وہ جیسے خاموشی سے آئے تھے، ویسے ہی واپس چلے گئے۔

خانزادہ کچھ دیر وہیں کھڑی اُنہیں جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

اُس کے دل میں ایک یقین اور مضبوط ہو گیا تھا کہ ابھی بھی دنیا میں ایسے لوگ موجود ہیں جو غلط کے سامنے جھکنے کے بجائے سچ کے لیے کھڑے ہونے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔

"یقیناً ابھی بھی دنیا میں سچے انسان موجود ہیں، جو غلط کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت رکھتے ہیں۔"

اُس نے آہستہ سے کہا۔

پھر اُس کی نظریں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں۔

"ماما، آپ کے گناہگار اپنے حساب پر پہنچ گئے ہیں۔ اب اس دنیا کی کوئی طاقت اُنہیں نہیں بچا سکتی۔"

خانزادہ نے عزم بھرے لہجے میں کہا۔

اُس کی آنکھوں میں انتقام نہیں، بلکہ انصاف کی ایک مضبوط چمک تھی۔

اور پھر وہ اپنے مقصد کی طرف ایک نئے عزم کے ساتھ وہاں سے چلی گئی۔

////////

جب رامین گھر واپس آئی تو رات کی خاموشی پورے گھر پر چھائی ہوئی تھی۔ وہ خاموش قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس کی نظر سب سے پہلے زوہان پر پڑی، جو اپنے کاٹ میں گہری نیند سو رہا تھا۔ اُس کے ننھے چہرے پر معصومیت بھری ہوئی تھی۔

رامین نے محبت سے اُسے دیکھا، پھر آہستگی سے اُسے اُٹھا کر اُس کے کاٹ میں لٹایا، تاکہ اُس کی نیند خراب نہ ہو۔

اس کے بعد اُس کی نظر بیڈ کی طرف گئی۔

ارسم بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

رامین ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

وہ حیران ہوئی، کیونکہ ارسم اس وقت گھر واپس نہیں آتا تھا۔

دل میں ایک انجانی سی تشویش لیے وہ اُس کے قریب گئی اور اُس کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"ارسم، آپ ٹھیک ہیں؟"

رامین نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

مگر اگلے ہی لمحے اُسے احساس ہوا کہ ارسم کا جسم بہت گرم تھا۔

اُسے تیز بخار تھا۔

رامین کی آنکھوں میں فوراً پریشانی اُتر آئی۔

ارسم نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں اور سامنے رامین کو دیکھا۔

"تم آگئی؟"

اُس نے آدھی سوئی، آدھی جاگی کیفیت میں کہا۔

"جی، میں آگئی ہوں۔"

رامین نے جواب دیا اور ساتھ ہی بیڈ کے سائڈ ٹیبل سے فرسٹ ایڈ باکس نکال لیا۔

اُس نے اُس میں سے دوائی نکالی۔

"آپ نے بتایا کیوں نہیں کہ آپ کی طبیعت خراب ہے؟ میں فوراً واپس آجاتی۔"

رامین نے پریشانی سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ارسم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"تم اتنے دنوں کے بعد کہیں گئی ہو، میں تمہیں واپس آنے کے لیے کیوں کہوں گا؟"

وہ آہستہ آہستہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"تمہارا حق ہے اپنی زندگی اپنے حساب سے جینے کا، اور مجھے تم کبھی بھی اپنے راستے میں رکاوٹ کے طور پر نہیں پاؤ گی۔"

ارسم کے لہجے میں عجیب سی سنجیدگی تھی۔

جیسے وہ صرف یہ نہیں کہہ رہا تھا، بلکہ اپنے دل کا ایک خوف بھی چھپا رہا تھا۔

رامین نے خاموشی سے اُسے دوائی دی، پھر اُسے سوپ پلانے لگی، جو وہ ابھی ثمینہ سے لے کر آئی تھی۔

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، ارسم؟"

رامین نے خفگی سے اُس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو اتنی بے مروت لگتی ہوں کہ آپ بیمار ہوں اور میں گھومتی رہوں گی؟"

ارسم نے فوراً وضاحت دی۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ میں بس تمہیں باؤنڈ نہیں کرنا چاہتا اپنی وجہ سے۔"

رامین خاموشی سے اُسے سوپ پلاتی رہی۔

کچھ دیر بعد جب اُس کا سوپ ختم ہو گیا تو رامین سامان سمیٹنے لگی۔

وہ ابھی جانے ہی والی تھی کہ ارسم نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے پیچھے سے روک لیا۔

رامین حیرت سے پلٹی۔

"رامین۔"

ارسم کی آواز سن کر وہ اُس کی طرف مڑی۔

"جی، آپ کو کچھ چاہیے؟"

اُس نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ارسم نے سر نفی میں ہلایا۔

"تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ سکتی ہو؟"

رامین چند لمحے اُسے دیکھتی رہی، پھر واپس آ کر اُس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

کچھ لمحوں تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔

پھر ارسم نے دھیرے سے کہا۔

"تم بہت اچھی ہو، رامین۔"

اُس نے سچے دل سے اعتراف کیا تھا۔

رامین کو حیرت ہوئی۔

"میں اچھی صرف اُن کے لیے ہوں جو مجھے لگتا ہے کہ واقعی اچھے ہیں، ورنہ میں بہت بری ہوں،

ارسم۔"

رامین نے اُسی کے انداز میں جواب دیا۔

اُس کی بات پر ارسم مسکرا دیا۔

اور اُس کے چہرے پر پڑنے والے ڈمپل نے رامین کو ایک لمحے کے لیے حیران کر دیا۔

وہ پہلی بار اُس کے چہرے پر یہ معصوم سی مسکراہٹ دیکھ رہی تھی۔

"تم بالکل میری ماما کی طرح باتیں کرتی ہو۔"

ارسم نے کہا۔

اب رامین خاموشی سے اُسے سن رہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے، وہ ہمیں ہمیشہ ایسی ہی باتیں بتاتی تھیں۔"

وہ چند لمحے رکا۔

"لیکن اُن کا نظریہ تھوڑا سا مختلف تھا۔اُن کے نزدیک ہر برے انسان میں بھی اچھائی ہوتی تھی۔"

اُس کی آواز میں ماضی کی یادوں کی نمی شامل ہو گئی۔

"وہ اس معاملے میں عنایا کی طرح تھیں۔وہ زندہ دل تھیں، اُنہیں دیکھ کر ہی زندگی جینے کا دل کرتا تھا۔"

ارسم کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"لیکن پھر اُن کا دل ٹوٹ گیا، جب بابا نے دوسری شادی کر لی۔وہ مکمل ٹوٹ گئی تھیں۔"

وہ خاموش ہوا، جیسے اگلے الفاظ کہنا مشکل ہو۔

"بس میرے اور رومان کے لیے انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا، لیکن پھر ایک دن انہوں نے خود کو ختم کر لیا۔"

اُس کی آواز بھرّا گئی۔

"ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں... ہمیشہ کے لیے۔"

ارسم بول رہا تھا اور اُس کی نیلی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

رامین خاموشی سے اُس کی آنکھوں میں چھپا برسوں کا درد دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے کہا آپ کی امی کا انتقال انکل کی دوسری شادی کے بعد ہوا تھا؟"

رامین نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، ایسا ہی ہے۔ تب میں اور رومان چھوٹے تھے۔"

ارسم نے اُسے بتایا۔

رامین نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ اُس کا ٹمپریچر چیک کیا۔

"ارسم، آپ پلیز خود کو مت تھکائیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔ تھوڑی دیر سو جائیں، پلیز۔"

اُس نے نرمی سے کہا۔

"تھینک یو، میری باتیں سننے کے لیے۔"

ارسم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

رامین ہلکا سا مسکرائی۔

"ارسم، آپ اپنی بات بھول رہے ہیں شاید... کہ میں آپ کی بیوی ہوں، اور یہ میرا فرض ہے کہ آپ کا خیال رکھوں۔"

رامین نے کہا۔

ارسم اُسے دیکھتا رہ گیا۔

کچھ لمحوں بعد جیسے اُسے اپنے ہی الفاظ کا احساس ہوا۔

رامین خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

اور ارسم کافی دیر تک اُس کی باتوں پر غور کرتا رہا۔

پھر دوائی کے اثر سے اُس کی آنکھیں بند ہو گئیں، اور وہ نیند میں چلا گیا۔

//////////

رات کے بارہ بج چکے تھے۔

کمرے میں گہری خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ باہر رات کا سکون تھا، مگر رامین کے اندر ایک عجیب سی بے چینی برپا تھی۔

وہ صوفے پر بیٹھی اپنے ہی لفظوں میں الجھی ہوئی تھی۔

آج اُس نے ارسم سے جو کچھ کہا تھا، اُس کا احساس اُسے اب ہو رہا تھا۔ اُسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ ایسا کیوں کہہ گئی تھی۔

"یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟"

رامین حیرت سے خود سے مخاطب ہوئی۔

سامنے ہی بیڈ پر ارسم اور زوہان سو رہے تھے، دونوں کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے دنیا کے ہر غم سے بے خبر ہوں، مگر رامین کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

"تمہیں کہا تھا نہ... کوئی نہیں بچ پایا اُس سے۔"

اچانک اُسے اپنے بالکل قریب عنایا کی آواز سنائی دی۔

رامین کا دل ایک لمحے کے لیے ٹھہر سا گیا۔

"یہ کیا سوچ رہی ہوں میں؟"

اُس نے بے اختیار اپنے آس پاس دیکھا، مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

کمرے میں صرف خاموشی تھی۔

"تم کہاں ڈھونڈ رہی ہو؟ اپنے دل سے پوچھو... کیا اب یہ پہلے کی طرح پتھر کا ہے، یا موم ہو چکا ہے؟"

ایک بار پھر اُسے وہی آواز سنائی دی۔

رامین نے اپنی نظریں جھکا لیں۔

"نہیں... ایسا کچھ نہیں ہے۔"

اُس نے جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

"میرا اس جگہ آنے کا ایک مقصد ہے، جو پورا کر کے میں واپس چلی جاؤں گی۔ اور کچھ نہیں ہے ایسا۔ یہ سب میرے لیے نہیں... اور یہ شخص بھی میرا نہیں۔"

وہ خود کو بار بار یاد دلا رہی تھی۔

"تم ایسا مت کہو۔ یہ شخص، یہ بچہ اور یہ گھر... تینوں تمہارے ہی ہیں۔"

ایک بار پھر عنایا کی آواز اُس کے کانوں میں گونجی۔

رامین نے آنکھیں بند کر لیں۔

"نہیں... یہ صرف ایک امانت ہے۔ میری دوست کی۔ اور میں صرف اُس کی حفاظت کروں گی، اور کچھ نہیں۔"

اُس نے خود کو یاد دلایا۔

مگر اگلے ہی لمحے عنایا کی آواز پہلے سے زیادہ قریب محسوس ہوئی۔

ایسا لگا جیسے وہ بالکل اُس کے سامنے کھڑی ہو۔

"یہ سب میرا تھا، رامین... لیکن اب میں جا چکی ہوں۔"

"اور اب یہ سب تمہارا ہے۔"

"کوئی امانت نہیں... اب تم حقیقت ہو اور میں احساس۔"

"اور حقیقت ہمیشہ احساس پر بھاری ہوتی ہے۔"

رامین کے دل پر جیسے کسی نے دستک دی ہو۔

اُس نے فوراً اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ بے بسی سے بولی۔

اُس نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔اُس کے سر میں شدید درد اُٹھ رہا تھا۔

اُس کی آواز اتنی بلند تھی کہ بیڈ پر سوئے ارسم کی آنکھ بھی کھل گئی۔

اُس نے دیکھا کہ رامین صوفے پر بیٹھی اپنا سر پکڑے ہوئے ہے تو وہ فوراً اُٹھ کر اُس کے پاس آیا۔

"رامین، تم ٹھیک ہو؟ یہاں کیا کر رہی ہو؟ سوئی کیوں نہیں تم؟"

ارسم نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا، جس سے وہ اپنا سر پکڑے بیٹھی تھی۔

رامین نے آہستہ سے نظریں اُٹھا کر اُسے دیکھا۔

اور اچانک کچھ دیر پہلے والی تمام باتیں اُس کے ذہن میں تازہ ہو گئیں۔

اُس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی، جیسے وہ خود اپنے احساسات سے چونک گئی ہو۔

"کچھ نہیں... مجھے نیند نہیں آ رہی تھی، اسی لیے یہاں بیٹھ گئی تھی۔"

اُس نے ارسم کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے کہا۔

ارسم حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔

وہ جانتا تھا کہ رامین کچھ چھپا رہی ہے، مگر اُس نے سوال نہیں کیا۔

"چلو، رامین۔ تمہیں نیند کی ضرورت ہے۔"

ارسم نے دوبارہ اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

اس بار رامین نے اپنا ہاتھ نہیں چھڑایا۔

ارسم اُسے بیڈ تک لے آیا۔

"اب تم آرام کرو، ٹھیک ہے۔"

اُس نے نرمی سے کہا اور پھر وہاں سے جانے کے لیے مڑا۔

رامین خاموشی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

وہ اُسے تب تک دیکھتی رہی، جب تک ارسم اُس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔

اور اُس خاموش رات میں پہلی بار اُسے محسوس ہوا کہ شاید کچھ رشتے انسان کے ارادوں سے نہیں... دل کے فیصلوں سے بنتے ہیں۔

//////////

کمرے میں ہلکی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

آئمہ اپنے کمرے میں موجود تھیں۔اُن کے چہرے پر ایک عجیب سا اطمینان تھا، جیسے وہ اپنے ذہن میں کسی فیصلے کو پہلے ہی انجام تک پہنچا چکی ہوں۔

تبھی دروازہ کھلا اور نگینہ اندر داخل ہوئی۔

"آئمہ بی بی، یہ رہی وہ شیشی جو آپ نے منگوائی تھی۔"

کام والی نے شیشی آئمہ کو دیتے ہوئے کہا۔

آئمہ نے فوراً وہ شیشی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ چند لمحے وہ اُسے غور سے دیکھتی رہیں، جیسے اُس چھوٹی سی شیشی میں اُن کی پوری سازش چھپی ہو۔

"تمہیں یقین ہے نہ کہ اس کا اثر ہو گا، نگینہ ؟"

آئمہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نگینہ کے چہرے پر ایک مکروہ سی مسکراہٹ آگئی۔

"ارے بی بی، آزمایا ہوا ہے۔ بڑے بڑے مر گئے ہیں اس سے۔ آپ بے فکر رہو، آپ کا کام ہو جائے گا، کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔"

نگینہ نے پورے یقین سے کہا۔

آئمہ چند لمحے خاموش اُسے دیکھتی رہیں، پھر اُن کے چہرے پر بھی اطمینان نظر آنے لگا۔

"ٹھیک ہے، اب تم جاؤ۔ اور خیال رکھنا، کسی کو اس بارے میں شک نہیں ہونا چاہیے۔"

آئمہ نے سخت لہجے میں کہا۔

نگینہ نے اثبات میں سر ہلایا اور خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

دروازہ بند ہوتے ہی آئمہ کی نظریں دوبارہ اُس شیشی پر جا ٹکیں۔

اُس کے ذہن میں صرف ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا۔

"اپنے بیٹے کے لیے تم نے شادی کی ہے نہ ارسم، اس لڑکی سے..."

وہ شیشی کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں ارسم سے مخاطب ہوئیں۔

"اگر اس نوکرانی کی وجہ سے تمہارا بیٹا نہ رہے، تو تب تو نکال دو گے نہ اُسے اپنی زندگی سے۔"

اُس کے ہونٹوں پر ایک خطرناک مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

پھر انہوں نے وہ شیشی بیڈ کے پاس پڑے ڈراور میں رکھ دی۔

مگر اُسے معلوم نہیں تھا کہ بعض اوقات انسان دوسروں کے لیے جو جال بچھاتا ہے، وقت اُسے خود اُسی میں پھنسا دیتا ہے۔

//////////

کمرے میں صبح کی ہلکی سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

رامین کمرے میں موجود سامان سمیٹ رہی تھی۔ زوہان بیڈ پر لیٹا اپنی ننھی ننھی حرکتوں سے کھیل رہا تھا، جبکہ ارسم آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

بظاہر سب کچھ معمول کے مطابق تھا، مگر رامین کے ذہن میں اب بھی کئی سوال گردش کر رہے تھے۔

وہ کل رات کے بعد سے خود اپنے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"رامین، میری بلیو فائل کہاں رکھی ہے تم نے؟"

ارسم نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

رامین اس وقت بیڈ پر موجود تکیے سیٹ کر رہی تھی، مگر اُس کی نظریں کہیں اور اور سوچیں کہیں اور تھیں۔

"رامین..."

ارسم نے اُسے آواز دی، مگر وہ اپنی سوچوں میں گم رہی۔

"رامین..."

دوسری بار بھی جب کوئی جواب نہ آیا تو ارسم نے اُسے غور سے دیکھا۔

"رامین۔"

تیسری بار پکارنے پر وہ جیسے خیالوں کی دنیا سے واپس آئی اور اُس کی طرف مڑی۔

"جی، کیا چاہیے آپ کو؟"

رامین نے اب اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ارسم کچھ لمحے حیرت سے اُسے دیکھتا رہا۔

پھر وہ آہستہ آہستہ اُس کے قریب آیا اور اُس کے سامنے رک گیا۔

"تم کل سے کچھ اُلجھی ہوئی ہو، تم ٹھیک تو ہو نہ، رامین؟"

ارسم نے اُس کی آنکھوں میں اپنی نیلی آنکھیں ڈالتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا۔

رامین خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

اُسے محسوس ہو رہا تھا جیسے ارسم اُس کے لفظوں سے زیادہ اُس کی خاموشی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"میں... میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کیا ہو گا۔"

رامین نے نظریں جھکا کر کہا۔

مگر ارسم اُس کی ہر حرکت کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ رامین کچھ چھپا رہی ہے، لیکن اُس نے اُس پر زور نہیں ڈالا۔

"ٹھیک ہے، اگر تم کہہ رہی ہو تو مان لیتا ہوں۔ لیکن جب بھی تمہیں بات کرنی ہو، میں یہیں ہوں۔"

ارسم نے اُس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

اُس کے لہجے میں ایک خاموش سا یقین تھا۔

رامین چند لمحے اُسے دیکھتی رہی، پھر بات بدلنے کے لیے بولی۔

"آپ کو کچھ چاہیے تھا؟ میرا دھیان اس وقت کہیں اور تھا۔"

ارسم بھی خاموش ہو گیا۔

"ہاں، میں نے تمہیں ایک فائل دی تھی، بس وہی چاہیے تھی۔"

اُس نے کہا۔

رامین نے فوراً فائل لا کر اُسے دے دی۔

ارسم نے فائل لیتے ہوئے اُسے دیکھا، پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

"اور ہاں، آج زوہان کی ویکسینیشن کے لیے ہاسپٹل بھی جانا ہے۔ تمہیں یاد ہے نہ؟"

اُس نے رامین کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جی، مجھے یاد ہے۔ آپ جلدی آجایئے گا۔"

رامین نے جواب دیا۔

ارسم نے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کے بعد رامین کچھ دیر خاموش کھڑی رہی۔

پھر وہ آہستہ سے زوہان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اُس نے اُسے اپنی گود میں اُٹھالیا۔

"یہ تمہاری ماما مجھے کس حالت میں ڈال گئی ہے..."

رامین نے زوہان کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اب میں کیا کروں زوہان، بتاؤ۔"

زوہان خاموشی سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا، جیسے اُس کی ہر بات سمجھ رہا ہو۔

پھر اچانک اُس کے ننھے ہونٹوں پر ایک خوبصورت سی مسکراہٹ آگئی۔

زوہان کی وہ معصوم مسکراہٹ دیکھ کر رامین بھی بے اختیار مسکرادی۔

"تم اتنے پیارے کیوں ہو؟"

اُس نے محبت سے اُس کے گال کو چھوتے ہوئے کہا۔

"تمہاری یہ مسکراہٹ میری ساری پریشانی دور کر دیتی ہے، بالکل تمہاری ماما کی طرح۔"

رامین کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے عنایا کی یاد جھلک گئی۔

"میں تمہارے لیے کچھ بھی کروں گی۔"

اُس نے زوہان کو پیار سے اپنے گلے سے لگالیا۔

اور اُس لمحے اُسے محسوس ہوا کہ بعض رشتے خون سے نہیں، محبت اور ذمہ داری سے بنتے ہیں۔

////////////////

ثمر کے گھر میں آج خوشیوں کا ماحول تھا۔

اُس کے تمام دوست اس وقت وہاں موجود تھے۔ پارٹی کی تھیم کے مطابق سب نے بلیک اور گرے کلر کے ڈریسز پہن رکھے تھے، جو محفل کو ایک خوبصورت اور اسٹائلش انداز دے رہے تھے۔

رومان نے خود ثمر کی سالگرہ کی ساری تیاریاں کی تھیں۔ ہر چیز اُس کی پسند کے مطابق ترتیب دی گئی تھی۔

سب دوست آپس میں باتوں اور ہنسی مذاق میں مصروف تھے کہ تبھی دروازہ کھلا۔

اور اگلے ہی لمحے صوفیہ اندر داخل ہوئی۔

اُس نے بھی گرے کلر کی خوبصورت سی ڈریس پہن رکھی تھی۔ ہلکے میک اپ اور سادہ انداز میں بھی وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

جیسے ہی رومان کی نظر اُس پر پڑی، وہ چند لمحوں کے لیے وہیں رک گیا۔

اُس کی نظریں جیسے صوفیہ پر ٹھہر گئی تھیں۔

ثمر جو بالکل اُس کے ساتھ کھڑا تھا، رومان کا کھلا ہوا منہ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"ابے منہ بند کر، بیزتی ہو جائے گی پھر سے۔"

ثمر نے اُس کے کھلے منہ پر طنز کرتے ہوئے کہا۔

رومان فوراً خود کو سنبھالتے ہوئے سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

اتنے میں صوفیہ بھی اُن کے قریب آ گئی۔

"ہیپی برتھ ڈے، ثمر۔ اور تھینک یو مجھے یہاں بلانے کے لیے۔ اور یہ تمہارے لیے۔"

صوفیہ نے اُسے برتھ ڈے وش کیا اور ساتھ ہی ایک گفٹ اُس کی طرف بڑھا دیا، جو وہ اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔

"شکریہ تو مجھے کہنا چاہیے کہ آفیسر صاحبہ نے میری دعوت قبول کر لی۔"

ثمر نے گفٹ لیتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔

صوفیہ اُس کی بات پر ہنس دی۔

"ہاں بالکل، ویسے بھی اب تو میری پوسٹنگ بھی یہاں ہو چکی ہے، تو تم یہ کہہ سکتے ہو۔"

صوفیہ نے بھی اُس کے انداز کو قبول کرتے ہوئے کہا۔

پھر اُس کی نظر رومان پر پڑی، جو کافی دیر سے خاموش کھڑا اُن دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔

اُس کے چہرے پر ہمیشہ والی سنجیدگی تھی، مگر آنکھوں میں کچھ تجسس ضرور تھا۔

"اور آپ سنائیں، آپ کی وہ دوست نظر نہیں آ رہی ساتھ؟"

صوفیہ نے رومان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

رومان حیرت سے اُس کی بات سننے لگا۔

اُسے سمجھ نہیں آیا کہ صوفیہ کس دوست کی بات کر رہی ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، ثمر فوراً بول پڑا۔

"ہاں، وہ آئی ہے نہ۔ وہ سامنے دیکھو، اپنے دوسرے دوستوں کے پاس کھڑی ہے۔ چلو میں تمہیں ملواتا ہوں۔"

ثمر اُسے کہتے ہوئے صوفیہ کو ساتھ لے کر شازیہ کی طرف چلا گیا۔

رومان چند لمحے حیرت سے اُن دونوں کو دیکھتا رہا۔

"میری کون سی دوست ہے جس کا مجھے نہیں پتا؟ یہ کس کی بات کر رہی تھی؟"

وہ خود سے بات کرتے ہوئے اُن کے پیچھے ہی چل پڑا۔

اوراسی طرح ہنسی مذاق، باتوں اور خوشیوں کے درمیان پارٹی اپنے اختتام کو پہنچی۔

////////

وہ اپنے کیبن میں بیٹھی تھی۔

سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا اور وہ پوری توجہ کے ساتھ کچھ ضروری کام دیکھ رہی تھی۔ کیبن میں خاموشی تھی، صرف لیپ ٹاپ کی ہلکی سی آواز ماحول میں موجود تھی۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔

خانزادہ نے نظریں اُٹھائیں۔

"اندر آجائیں۔"

اُس کی اجازت ملتے ہی دروازہ کھلا اور صوفیہ اندر داخل ہوئی۔

آج اُس کا پہلا دن تھا۔

وہ اپنی نئی یونیفارم میں موجود تھی، جس پر اُس کے چہرے کی خوشی اور فخر صاف نظر آرہا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے خانزادہ کو سلیوٹ کیا۔

خانزادہ اُسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دی۔

"تو آخر تمہیں وہ مل گیا جس کا انتظار تھا۔"

خانزادہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

صوفیہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

"جی سینئیر، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں اگر میں آپ کو سینئیر ہی کہوں تو؟"

صوفیہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

خانزادہ نے اُسے غور سے دیکھا، پھر اپنے مخصوص سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"نہیں، تم مجھے کیا بلاتی ہو، اس بات سے فرق نہیں پڑتا۔ فرق اس بات سے پڑے گا کہ تم اپنا کام کیسا کرتی ہو۔"

صوفیہ کے چہرے پر اعتماد بھری مسکراہٹ آگئی۔

"آپ کو میرے کام سے کوئی مسئلہ نہیں ہو گا، سینئیر۔ اور آج میرا پہلا دن ہے تو میں آپ کے لیے ایک اچھی خبر بھی لائی ہوں۔"

صوفیہ نے کہا۔

خانزادہ نے فائل سے نظریں اُٹھائیں۔

"اچھا، تو پھر بتائیں جونئیر، کون سی خبر ہے میرے لیے؟"

اُس نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"آپ نے جن جگہوں کا پتا کرنے کے لیے کہا تھا، اُن سب کا پتا ہے میرے پاس۔ جہاں وہ جعلی دوائیاں اور منشیات رکھی گئی ہیں۔"

صوفیہ نے کہا۔

یہ سنتے ہی خانزادہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اُسے خوشی تھی کہ اُس کا اعتماد صحیح ثابت ہوا تھا۔

"مجھے یقین تھا، تم مجھے مایوس نہیں کرو گی۔"

خانزادہ نے اُس کے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

صوفیہ خوشی سے اُسے دیکھنے لگی۔

اُس کے لیے یہ صرف ایک تعریف نہیں تھی، بلکہ اُس شخص کا اعتماد تھا جسے وہ اپنا رول ماڈل سمجھتی تھی۔

"اب آگے ہم کیا کریں گے، سینئیر؟"

صوفیہ نے پوچھا۔

خانزادہ خاموشی سے اپنے پاس موجود فائلز دیکھ رہی تھی۔

کچھ لمحوں بعد اُس نے نظریں اُٹھائیں۔

"انتظار..."

وہ چند لمحے رکی۔

" صحیح وقت کا انتظار۔ جب وہ اپنا سب کچھ وہاں رکھ دیں گے، تب ہم اپنا کام کریں گے۔"

خانزادہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

صوفیہ نے بھی مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

دونوں جانتی تھیں کہ آنے والا وقت آسان نہیں ہو گا، مگر اب وہ ایک مقصد کے لیے ساتھ کھڑی تھیں۔

اور پھر وہ دونوں اپنے اپنے راستے چل پڑیں۔

//////////

رامین جیسے ہی کچن میں داخل ہوئی، اُس کی نظریں فوراً ثمینہ کو تلاش کرنے لگیں۔

اُس کے دل میں ایک عجیب سی بے چینی پیدا ہوئی، کیونکہ وہ زوہان کو جاتے وقت ثمینہ کے پاس چھوڑ کر گئی تھی، اور اُس وقت وہ سکون سے سو رہا تھا۔

"زوہان کہاں ہے، ثمینہ؟"

رامین نے کچن میں آتے ہی پوچھا۔

ثمینہ نے اُس کی طرف دیکھا، اُس کے چہرے پر موجود سوال اور پریشانی کو محسوس کیا۔

"وہ بی بی... ابھی آئمہ صاحبہ آئیں تھیں، تو وہ زوہان کو لے کر آپ کے کمرے میں گئی ہیں۔ میں نے اُنہیں منع کرنا چاہا تھا، پر آپ کو پتا تو ہے کہ وہ کیسی ہیں۔"

ثمینہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی رامین کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

اُس کے دل میں ایک انجانا سا خوف اُبھرا۔

"تم نے زوہان کو اُسے دے دیا؟"

رامین کی آواز میں غصے کے ساتھ خوف بھی شامل تھا۔

"ثمینہ، اگر زوہان کو کچھ بھی ہوا نہ، تو دیکھ لینا میں کیا کروں گی تمہارا۔"

وہ غصے میں کہتی ہوئی فوراً اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔

اُس کے قدموں میں بے چینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

جیسے اُس کا دل پہلے ہی کسی خطرے کا احساس کر چکا ہو۔

جیسے ہی اُس نے دروازہ کھولا، اُس کے قدم وہیں رک گئے۔

سامنے کا منظر دیکھ کر اُس کے دل میں غصے کی ایک لہر دوڑ گئی۔

آئمہ بیڈ پر بیٹھی تھیں اور زوہان کو زبردستی دودھ پلانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

زوہان مسلسل رو رہا تھا۔

"پی لو بچے، پی لو۔"

آئمہ اُسے دودھ پلانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔

اپنے بچے کو اس طرح بے بس دیکھ کر رامین کے اندر کی ماں جاگ اُٹھی۔

وہ فوراً آگے بڑھی اور زوہان کو آئمہ کی بانہوں سے لے لیا۔

"میرے بیٹے سے دور رہو تم۔"

رامین نے سخت لہجے میں کہا۔

زوہان جیسے ہی رامین کے پاس آیا، اُس کا رونا آہستہ آہستہ ختم ہو گیا۔

رامین نے اُسے مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

اُس کے ہاتھ بے اختیار زوہان کے جسم کو دیکھ رہے تھے، جیسے وہ یقین کرنا چاہتی ہو کہ اُسے کوئی چوٹ تو نہیں لگی۔

"یہ کیا بد تمیزی ہے، میں صرف اسے دودھ ہی تو پلا رہی تھی۔"

آئمہ نے فوراً صفائی پیش کی۔

تبھی دروازہ کھلا اور ارسم کمرے میں داخل ہوا۔

وہ کچھ دیر سے وہاں کھڑا سب سن چکا تھا۔

رامین نے آئمہ کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"تم اُسے دودھ نہیں پلا رہی تھی، زبردستی اُس کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔"

اُس کی آواز میں اپنے بچے کے لیے خوف اور غصہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"میری ایک بات کان کھول کے سن لو آئمہ، دوبارہ زوہان کے آس پاس بھی مت بھٹکنا۔"

"اور دوبارہ اس کمرے میں بھی قدم مت رکھنا۔"

"تمہیں شاید کسی نے سکھایا نہیں ہے کہ دوسروں کے کمرے میں بنا اجازت نہیں جانا چاہیے، اور کسی کے بچے کو بھی بنا پوچھے نہیں اٹھانا چاہیے۔"

"یہ تمہاری آخری وارننگ ہے، دوبارہ تم نے ایسی کوئی حرکت کی تو مجھ سے برا اور کوئی نہیں ہوگا۔"

رامین نے غصے سے کہا۔

اُس نے زوہان کو مزید مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا تھا، جیسے اُسے ڈر ہو کہ کوئی دوبارہ اُس سے اُس کا بچہ چھیننے کی کوشش نہ کرے۔

ارسم خاموشی سے رامین کو دیکھ رہا تھا۔

اُس نے پہلی بار اُس کے اندر چھپی ہوئی ماں کی محبت اور اپنے بچے کے لیے اُس کا خوف اتنی شدت سے دیکھا تھا۔

آئمہ ابھی بھی غصے سے رامین کو گھور رہی تھیں۔

تب ارسم کی سنجیدہ آواز کمرے میں گونجی۔

"لگتا ہے تمہیں میری وائف کی بات سمجھ نہیں آئی، آئمہ۔ اب تمہیں یہاں سے جانا چاہیے۔"

ارسم کی آواز میں کوئی غصہ نہیں تھا، مگر اُس کے لہجے کی سختی کافی تھی۔

رامین نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔

وہ حیران تھی کہ ارسم اُس کے ساتھ کھڑا تھا۔

آئمہ نے غصے سے قدم پٹخے اور وہاں سے چلی گئیں۔

اب کمرے میں صرف رامین، ارسم اور زوہان باقی تھے۔

کچھ لمحوں تک خاموشی رہی۔

پھر رامین نے دھیرے سے پوچھا۔

"میں نے صحیح کیا نہ؟"

ارسم نے اُس کی طرف دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیا۔

"تمہیں یہ بات مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ تمہارا کمرہ ہے، اور تمہارا بچہ ہے۔ تو تم نے صحیح کہا۔"

پھر اُس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور ویسے بھی آئمہ کو تمیز سیکھنے کی بہت ضرورت ہے۔"

ارسم نے زوہان کو رامین سے لے لیا۔

"اب تیار ہو جاؤ، ہمیں جانا ہے ہاسپٹل۔"

اُس نے زوہان کو دیکھتے ہوئے کہا، جو اُس کی انگلی پکڑ کر کھیل رہا تھا۔

رامین بھی خاموشی سے تیار ہونے چلی گئی۔

ارسم نے کچھ دیر پہلے رامین کی کہی ہوئی بات یاد کی۔

اُس کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ آگئی۔

"تم تو بہت خوش قسمت ہو، تمہیں ماں مل گئی ہے۔"

ارسم نے زوہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اور جیسے اُس کی بات سمجھ گیا ہو، زوہان بھی مسکرانے لگا۔

ارسم اُسے دیکھتا رہا۔

شاید پہلی بار اُسے احساس ہوا تھا کہ رامین کی زندگی میں زوہان صرف ایک ذمہ داری نہیں... بلکہ ایک نعمت بن چکی تھی۔

//////////

"خالہ، یہ سب آپ کی وجہ سے ہی ہوا ہے۔"

آئمہ غصے میں مسلسل کمرے کے چکر لگا رہی تھی۔اُس کے چہرے پر بے عزتی کی تکلیف اور ناکامی کا غصہ صاف نظر آرہا تھا۔

"اُس لڑکی نے میری اتنی بے عزتی کی اور مجھے اس کمرے سے نکال دیا۔"

وہ غصے سے بولی۔

"آپ کو ہو کیا گیا ہے؟ کہاں گیا آپ کا وہ روب؟ کچھ کرتی کیوں نہیں ہیں آپ؟"

وہ مسلسل بولے جا رہی تھی، جبکہ انیلہ صاحبہ بیڈ پر خاموش بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں۔

وہ آئمہ کے الفاظ سن تو رہی تھیں، مگر اُن کا ذہن کسی اور ہی الجھن میں پھنسا ہوا تھا۔

"آپ کچھ بولتی کیوں نہیں ہیں؟"

آئمہ نے اُنہیں خاموش دیکھا تو فوراً اُن کے قریب آ کر بولی۔

انیلہ صاحبہ نے آہستہ سے نظریں اُٹھائیں۔

" صحیح کیا اُس نے تمہارے ساتھ۔"

اُن کے الفاظ سنتے ہی آئمہ حیرت سے اُنہیں دیکھنے لگی۔

"تم میں بھی صبر نہیں ہے۔"

انیلہ صاحبہ نے اُس کا بازو پکڑ کر اُسے اپنے پاس بٹھایا۔

"ایک تو پتا نہیں عابد کہاں غائب ہے۔ اتنے عرصے سے اُس نے کوئی خبر نہیں کی مجھے، اور دوسری تم ہو جسے سکون نہیں ہے۔"

اُن کے لہجے میں عابد کے لیے فکر بھی تھی اور آئمہ کے رویے پر ناراضی بھی۔

آئمہ نے فوراً اپنا بازو اُن کے ہاتھ سے چھڑایا۔

"آپ اس لڑکی کی سائیڈ لے رہی ہیں؟"

وہ غصے سے بولی۔

"اور آپ کا وہ نالائق بیٹا...پڑا ہو گا اپنی عیاشی میں کہیں، اُس کی فکر آپ کیوں کر رہی ہیں؟"

انیلہ صاحبہ نے گہری سانس لی۔

"میں کسی کی طرف داری نہیں کر رہی۔"

اُنہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اور عابد اتنا عرصہ کبھی مجھ سے بنا رابطے کے نہیں رہتا۔ مجھے تو فکر ہو رہی ہے۔"

پھر اُن کے لہجے میں سختی آ گئی۔

"اور جہاں تک سوال اس لڑکی کا ہے، تو اُس کی معلومات نکلوانے کے لیے لگائے ہیں میں نے کچھ لوگ۔"

"میں اب اس کو ہلکے میں نہیں لے سکتی۔"

اُن کی آنکھوں میں غصہ نمایاں تھا۔

"اُس کے قدم جب سے اس گھر میں پڑے ہیں، میری ساری محنت ضائع ہوتی دکھ رہی ہے مجھے۔"

آئمہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر اُن کی طرف دیکھ کر بولی۔

"تو اب ہمیں انتظار کرنا پڑے گا؟"

انیلہ صاحبہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں۔"

پھر اُنہوں نے سخت لہجے میں آئمہ کو دیکھا۔

"اور دوبارہ تم زوہان کے پاس نہیں جاؤ گی۔"

آئمہ کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

"وہ جو تم اُسے زہر دینے والی حرکت کرنے والی تھی نہ... اگر کسی کو بھنک بھی لگ گئی نہ اس بات کی، تو تمہارا تو یہاں آنا جانا بند ہو گا ہی، ساتھ میں مجھے بھی نکال دیا جائے گا۔"

انیلہ صاحبہ نے اُسے واضح الفاظ میں خبردار کیا۔

آئمہ اُن کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔

"آپ کس... کس زہر کی بات کر رہی ہیں خالہ؟"

اُس نے نظریں چراتے ہوئے معصوم بننے کی کوشش کی۔

انیلہ صاحبہ کے چہرے پر سختی آگئی۔

"آئمہ، میرے سامنے زیادہ معصوم بننے کی کوشش مت کرنا۔"

"تم کیا کرتی پھر رہی ہو، مجھے سب خبر ہے۔"

وہ اُس کے قریب ہوئیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے، اگر زوہان کو کچھ ہو جائے گا تو ارسم، رامین کو چھوڑ دے گا؟"

اُنہوں نے اُس کا چہرہ اپنی طرف کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم یہ سوچتی ہو، تو تم ارسم کو بالکل نہیں جانتی۔"

آئمہ نے بے چینی سے اُنہیں دیکھا۔

"تو کیا کرے گا وہ، ہاں؟ بتائیں مجھے؟"

انیلہ صاحبہ نے گہری نظر سے اُسے دیکھا۔

"وہ رامین کو نہیں چھوڑے گا۔"

اُن کا لہجہ پُر اعتماد تھا۔

"ارسم لوگوں کو اُن کے لفظوں سے نہیں، اُن کے کام سے جاننے والوں میں سے ہے۔"

"پہلی بات یہ کہ وہ رامین کی زوہان کے لیے محبت سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔"

"اور تمہاری ان حرکتوں سے بھی واقف ہو گیا ہے۔"

وہ چند لمحے رکیں۔

"بہتر یہی ہے کہ تم کچھ عرصہ یہاں آنا چھوڑ دو۔"

انیلہ صاحبہ نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک بحث کے بعد بھی جب آئمہ اپنی بات پر قائم رہی، تو آخر کار وہ غصے میں وہاں سے چلی گئی۔

اور انیلہ صاحبہ اُسے جاتا ہوا دیکھتی رہیں۔

اُن کے ذہن میں صرف ایک بات تھی...

یہ لڑکی اب پہلے جیسی خطرناک نہیں رہی، کیونکہ اب رامین اُس کے راستے میں کھڑی تھی۔

////////

"بھابھی۔۔۔"

رومان نے گھر میں قدم رکھتے ہی رامین کو آواز دی، جو اُس وقت کچن سے باہر آرہی تھی۔

رامین نے جیسے ہی اُس کی طرف دیکھا، اُس کے قدم وہیں رک گئے۔

رومان کے کپڑوں پر جگہ جگہ لال رنگ لگا ہوا تھا، جیسے کسی چیز نے اُس کا سارا حلیہ بدل دیا ہو۔

"کیا ہوا ہے، رومان؟ سب ٹھیک ہے؟"

رامین نے فوراً تشویش سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

رومان کچھ کہتا، اُس سے پہلے ہی اُس کے پیچھے گھر میں داخل ہونے والی صوفیہ نے فوراً جواب دے دیا۔

"ہاں بالکل، سب ٹھیک ہے۔ بس نازک لڑکوں سے ایک عام سی کیچ اپ کی بوتل نہیں سنبھالی گئی، اور ساری بوتل اپنے کپڑوں پر گرادی۔"

صوفیہ نے بالکل ایسے انداز میں کہا جیسے وہ کسی بڑے کارنامے کی وضاحت کر رہی ہو۔

رامین حیرت سے کبھی اُسے اور کبھی رومان کو دیکھنے لگی۔

رومان نے صوفیہ کو گھورا۔

"تم اپنی فضول کی گوہر افشانی بند رکھو گی، بندریا۔"

رومان نے بھی اُسی کے انداز میں جواب دیا۔

صوفیہ نے فوراً اُسے غصے سے گھورا، جیسے اب جواب دینے والی ہو، مگر اس سے پہلے ہی رامین نے دونوں کے درمیان آکر بات سنبھال لی۔

"رومان، تمہاری دوست پہلی بار گھر آئی ہے، تم ملواؤ گے نہیں کیا؟"

رامین نے اُن کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کروادی۔

رومان نے گہری سانس لی، جیسے اپنے غصے کو قابو کر رہا ہو۔

"جی، وہ دراصل ہمیشہ کی طرح میری گاڑی خراب ہو گئی تھی، اور ہر بار کی طرح مجھے یہ مینڈک ہی ملا لفٹ لینے کے لیے۔"

صوفیہ نے فوراً اپنی وضاحت شروع کر دی۔

"لیکن راستے میں اس پر کیچ اپ گر گیا اور ہمیں گھر آنا پڑا۔"

وہ ہمیشہ کی طرح نان اسٹاپ بول رہی تھی۔

رومان بس خاموشی سے اُس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

اُسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ یہ لڑکی ہر ملاقات میں اُسے ایک نئے نام سے کیسے نواز دیتی ہے۔

"رومان، تم جا کر فریش ہو جاؤ۔"

رامین نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تب تک میں تم لوگوں کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔"

رومان نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ ابھی بھی اپنا غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"جی بھابھی، پلیز اپنے ہاتھ کی چائے پلا دیں۔"

اُس نے رامین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر میں بے حد درد ہو رہا ہے میرے، لوگوں کی فضول باتیں سن کر۔"

اُس نے آخری الفاظ صوفیہ کی طرف دیکھ کر کہے۔

پھر وہ وہاں سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

صوفیہ اُس کا اشارہ سمجھ گئی تھی اور تلملا کر اُسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔

"میں بھی آپ کے ساتھ کچن میں چلتی ہوں۔ یہاں اکیلے بیٹھ کر کیا کروں گی۔"

صوفیہ نے کہا۔

اور پھر وہ رامین کے ساتھ ہی کچن کی طرف چل دی۔

رامین اُس کے ساتھ چلتے ہوئے ہلکا سا مسکرا رہی تھی۔

شاید کافی عرصے بعد گھر میں ایسی بے فکری بھری ہنسی سنائی دی تھی۔

//////////

اس وقت دونوں کچن میں موجود تھیں۔

کچن میں معمول کی خاموشی تھی۔رامین نے چائے کے لیے پانی چولہے پر رکھا ہوا تھا، جبکہ ساتھ ہی وہ اسنیکس بھی نکال رہی تھی۔

صوفیہ اُس کے بالکل پاس کھڑی تھی، کچن کی الماری سے ٹیک لگائے خاموشی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

بظاہر دونوں عام بات کر رہی تھیں، مگر اُن کے درمیان ہونے والی گفتگو کے پیچھے کئی راز چھپے ہوئے تھے۔

رامین نے ایک لمحے کے لیے کام روکا اور صوفیہ کی طرف دیکھا۔

"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

اُس کے لہجے میں ناراضی کم اور فکر زیادہ تھی۔

"تم جانتی ہو نہ، یہاں میرے بارے میں کوئی نہیں جانتا، اور ابھی کسی کو پتا چلنا بھی نہیں چاہیے کہ میں کون ہوں۔"

رامین نے سنجیدگی سے کہا۔

صوفیہ نے اُسے غور سے دیکھا۔

وہ جانتی تھی کہ رامین ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھاتی ہے، اور اُس کی احتیاط کی وجہ بھی تھی۔

"بات اگر اتنی ضروری نہیں ہوتی تو میں کبھی نہیں آتی، سینئیر۔"

صوفیہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

رامین نے فوراً اُس کی طرف دیکھا۔

"کیا پتا چلا ہے تمہیں؟"

اُس نے سوال کیا۔

صوفیہ نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بتایا۔

"آپ صحیح تھیں۔"

"ظہیر خان اس سب میں اکیلا نہیں ہے۔ ملک شاہ بھی اُس کے ہر کام میں اُس کے ساتھ ملوث ہے۔"

"آپ نے جو کہا تھا، میں نے اُس سب کی معلومات کی ہے۔"

رامین چند لمحے خاموش رہی۔

اُس کے ذہن میں جیسے کئی باتیں ایک ساتھ جڑنے لگیں۔

"تم ملک سکندر شاہ کی بات کر رہی ہو نہ؟"

رامین نے تصدیق چاہی۔

صوفیہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جی سینئیر۔"

"معاملہ جتنا نظر آرہا ہے، اُس سے کہیں زیادہ بڑا ہے۔"

صوفیہ نے کہا۔

رامین کے چہرے پر سنجیدگی مزید گہری ہو گئی۔

"جانتی ہوں۔"

اُس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ صرف منشیات کا معاملہ نہیں، اس کے پیچھے بہت سی معصوم زندگیاں داؤ پر لگی ہیں۔"

رامین کی آواز میں دکھ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

صوفیہ حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

"پر آپ کو کیسے پتا؟ میں تو ابھی بتا رہی تھی آپ کو۔"

رامین چند لمحے خاموش رہی، پھر اُس کے چہرے پر ایک کرب بھری سنجیدگی آ گئی۔

"ملک سکندر شاہ کا ذکر آیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ پیارے چچا جان ایک بہت گہری کھائی میں گر چکے ہیں۔"

"وہاں سے اُن کی واپسی ممکن نہیں۔"

رامین نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

"سکندر ہر مہینے کئی بچوں کی اسمگلنگ کراتا ہے۔"

"اور اُن بچوں میں سے کئی بچے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔"

اُس کی آواز میں غصے کے ساتھ دکھ بھی شامل تھا۔

"کسی کو آرگن ٹرانسپلانٹ میں استعمال کرتا ہے، اور کسی کو باہر ملک بیچ دیتا ہے۔"

صوفیہ چند لمحوں تک خاموش رہی۔

وہ رامین کے الفاظ سن رہی تھی، مگر اُس کے ذہن میں صرف ایک سوال تھا۔

"سینئیر، آپ کو اس سب کے بارے میں کیسے پتا چلا؟"

اُس نے حیرت سے پوچھا۔

رامین نے چائے کے کپ نکالتے ہوئے کہا۔

"وقت آنے پر تمہیں سب بتادوں گی۔"

"لیکن نہ یہ صحیح وقت ہے اور نہ ہی صحیح جگہ۔"

وہ بات کرتے کرتے چائے کپوں میں انڈیل چکی تھی۔

صوفیہ نے بھی ارد گرد نظر دوڑائی۔

" صحیح کہہ رہی ہیں، ہمیں بعد میں بات کرنی چاہیے۔"

اُس نے احتیاط سے کہا۔

چند لمحوں بعد رامین کے چہرے پر ہلکی سی شرارت آئی۔

"اچھا تو یہ بتاؤ، آج کل میرے بھائی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی نظر آ رہی ہو۔"

"چکر کیا ہے جونئیر؟ اس گھر میں آنے کا ارادہ تو نہیں؟"

رامین نے اُسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

صوفیہ فوراً چونکی اور آس پاس نظریں گھمانے لگی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے، سینئیر۔"

پھر وہ اپنے مخصوص انداز میں بولی۔

"تمہارا وہ نازک سا دیور... میں کوئی پاگل نہیں کہ پوری زندگی اُس کی حفاظت کرنے میں گزار دوں۔"

رامین اُس کی بات پر مسکرا دی۔

"ہاں بالکل، وہ تو میں دیکھ ہی رہی ہوں۔"

رامین نے کہا۔

مگر اگلے ہی لمحے اُس کی نظر کچن کے دروازے پر پڑی۔

وہاں انیلہ صاحبہ کھڑی تھیں۔

وہ خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہی تھیں۔

رامین نے فوراً صوفیہ کو اشارہ کیا کہ خاموش ہو جائے۔

پھر اُس نے جان بوجھ کر آواز قدرے اونچی کر دی۔

"اچھا تو صوفیہ، میں نے سنا ہے کہ تم پولیس میں ہو۔"

رامین نے ایسے کہا جیسے یہ ایک عام بات ہو، مگر اُس کی نظریں انیلہ صاحبہ کی طرف تھیں۔

"جی بھابھی، بالکل۔"

صوفیہ بھی فوراً بات سمجھ گئی۔

اُس نے مسکرا کر اونچی آواز میں کہا۔

"اگر آپ کو کوئی بھی پریشانی ہو، آپ بس مجھے ایک کال لگا دیجیے گا۔"

"اور پھر دیکھیے گا آپ کو تنگ کرنے والوں کا کیا حال ہوتا ہے۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیں۔

"ہاں بالکل، کچھ لوگ ہیں جو بہت پریشان کر رہے ہیں آج کل۔"

رامین نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔"

پھر اُس نے چائے کے کپ اٹھائے۔

"اچھا، اب چلو باہر ہال میں ہی چائے پیتے ہیں۔"

دونوں وہاں سے ہال کی طرف بڑھ گئیں۔

اورانیلہ صاحبہ وہیں دیوار کے پیچھے چھپ کر کھڑی رہیں۔

اُن کے چہرے پر پریشانی صاف نمایاں تھی۔

دل کی دھڑکن جیسے تیز ہو گئی تھی۔

"یہ لڑکی کیا کرنے والی ہے؟"

اُنہوں نے پریشانی سے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے خود سے کہا۔

اُن کے چہرے پر پسینہ آ گیا تھا، جسے وہ اپنے ہاتھ سے صاف کر رہی تھیں۔

کیونکہ اب اُنہیں احساس ہو چکا تھا کہ رامین اتنی سادہ نہیں جتنی وہ سمجھ رہی تھیں۔

////////

صوفیہ کچھ دیر پہلے ہی گھر سے روانہ ہوئی تھی، اور اب رامین اپنے کمرے میں موجود تھی۔

کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف زوہان کی مدھم سانسوں کی آواز اُس خاموش ماحول میں زندگی کا احساس دلا رہی تھی۔

آج ایک بار پھر رامین کے ہاتھ میں وہی ڈائری تھی۔

وہی ڈائری... جسے وہ پچھلے کتنے عرصے سے پڑھ رہی تھی، لیکن ہر بار کی طرح آج بھی اُس کے سامنے کچھ نئے سوالات کھڑے تھے۔

کچھ ایسے راز تھے جو ابھی تک پردوں میں چھپے ہوئے تھے،اور جن کا جاننا رامین کے لیے بہت ضروری ہو چکا تھا۔

زوہان کو وہ ابھی ابھی سلا کر آئی تھی۔ ننھا سا زوہان بیڈ پر سکون سے سو رہا تھا، جبکہ رامین اُس کے پاس ہی بیٹھی ڈائری ہاتھ میں لیے کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

اُس نے آہستہ سے ڈائری کھولی۔

اُس کی انگلیاں صفحات پر چلیں،اور وہیں سے پڑھنا شروع کیا جہاں اُس نے پچھلی بار چھوڑا تھا۔

"آج میں بہت ڈر گئی ہوں، مجھے ایک بات پتا چلی ہے، جس کا اس گھر میں کسی کو گمان بھی نہیں ہو گا۔"

رامین کی نظریں الفاظ پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں سب کو بتانا چاہتی ہوں، سچ سب کے سامنے لانا چاہتی ہوں۔"

اگلے الفاظ پڑھتے ہی اُس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

"لیکن اُنہوں نے مجھے دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے کچھ بھی کہا تو وہ مجھے میرے پیٹ میں موجود بچے سمیت مار ڈالیں گے۔"

رامین کے ہاتھ رک گئے۔

اُس کی آنکھوں میں حیرت، غصہ اور بے چینی ایک ساتھ ابھر آئی۔

عنایا... جو ہمیشہ سب کے لیے مسکراتی رہی، جو ہر مشکل میں دوسروں کے لیے کھڑی رہی، وہ آخر کس خوف سے گزری تھی؟

رامین نے جلدی سے اگلا صفحہ پلٹا۔

مگر وہاں آگے کے سارے صفحات پھٹے ہوئے تھے۔

وہ چند لمحے خاموشی سے اُن خالی جگہوں کو دیکھتی رہی، جیسے اُن پھٹے ہوئے صفحات میں چھپے راز کو محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"یااللہ!"

اُس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اِس کے اگلے صفحے کہاں ہیں؟"

اُس نے بے چینی سے ڈائری کو دیکھا۔

"ایسا کیا پتا چلا تھا تمہیں عنایا؟"

اُس کی آواز میں درد صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"ہر بار ایک نئی پہیلی کیوں سامنے آجاتی ہے میرے؟"

رامین نے ڈائری کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"کیسے پتا کروں میں یہ... مجھے ہر حال میں سچ جاننا ہی ہو گا۔"

اُس نے عزم سے کہا۔

چند لمحے وہ خاموش بیٹھی رہی، پھر احتیاط سے ڈائری بند کی۔

اُس نے ایک نظر زوہان پر ڈالی جو ابھی بھی معصومیت سے سو رہا تھا۔

پھر اُس نے ڈائری کو واپس چھپا کر رکھ دیا، تاکہ وہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔

کیونکہ اب یہ صرف ایک ڈائری نہیں رہی تھی...

یہ عنایا کے آخری رازوں کی واحد نشانی تھی۔

////////

وہ اس وقت فون پر بات کر رہی تھی۔

کمرے میں خاموشی تھی۔ زوہان بیڈ پر لیٹا ہوا تھا، اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے پاس رکھی چیز کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

چار مہینے کا زوہان اب پہلے سے زیادہ متحرک ہو گیا تھا۔ اُس کی معصوم حرکتیں دیکھ کر رامین کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

اُس نے چند لمحے اُسے دیکھا، پھر دوبارہ اپنی توجہ فون کی طرف کی۔

"آپ نے ٹیسٹ کروائے، کیا پتا چلا ہے آپ کو؟"

وہ اپنے کسی آفیسر سے بات کر رہی تھی۔

چند لمحے دوسری طرف خاموشی رہی، پھر شہلا صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

"جی میم، آپ صحیح تھیں، دودھ میں واقعی زہر تھا۔"

یہ سنتے ہی رامین کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

ایک لمحے کے لیے جیسے اُس کے ارد گرد کی ہر چیز ساکت ہو گئی۔

اُس کی نظریں زوہان پر جا رکیں، جو ابھی بھی اپنی معصوم دنیا میں مصروف تھا۔

جس دودھ کو وہ صرف ایک خطرہ سمجھ رہی تھی، وہ حقیقت میں اُس کی جان کے لیے زہر تھا۔

"ٹھیک ہے، میں نے آپ کو جو کام کرنے کو کہا ہے، وہ کریں۔"

رامین نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور فوراً فون بند کر دیا۔

کچھ لمحے وہ خاموش بیٹھی رہی۔

رامین نے شہلا صاحبہ کو وہی دودھ دیا تھا، جو آئمہ زوہان کو زبردستی پلا رہی تھی۔

پتہ نہیں کیوں، لیکن زوہان کے معاملے میں وہ کسی پر اعتبار نہیں کر سکتی تھی۔

اور انیلہ صاحبہ اور آئمہ پر تو بالکل نہیں۔

اب جب اُسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آئمہ نے زوہان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے، تو اُس کی بے چینی اور بھی بڑھ گئی تھی۔

وہ فوراً زوہان کے پاس بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

اُس نے اُسے اپنی بانہوں میں اٹھالیا، جیسے اُسے اپنے سے دور کرنے کا تصور بھی اُس کے لیے ناممکن ہو۔

"میں تمہیں اب ایک لمحے کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے دور نہیں کر سکتی، جب تک کہ میں ان لوگوں کو ہمیشہ کے لیے اس گھر سے دور نہ کر دوں۔"

رامین نے زوہان کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

اُس کی آواز میں غصہ بھی تھا اور ایک ماں جیسی محبت بھی۔

"اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی؟"

اُس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"میں تمہیں کبھی خود سے دور نہیں ہونے دوں گی۔"

رامین نے زوہان کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

پھر اُس نے فون اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

دوسری جانب پہلی ہی بیل پر کال اٹھالی گئی۔

"حکم کریں میرے آقا، اس نہ چیز کو یاد کیا آپ نے؟ میری تو قدر و قیمت ہی بڑھادی۔"

دوسری جانب سے کال اٹھاتے ہی نون اسٹاپ بولنا شروع کر دیا گیا۔

رامین نے آنکھیں بند کر کے ایک ہلکی سی سانس لی۔

"اب تم اپنی یہ بکر بکر بند کرو تو میں کچھ بولو۔"

رامین نے اُس کے مسلسل بولنے پر طنز کیا۔

صوفیہ بنا ناراض ہوئے فوراً خاموش ہو گئی۔

"تمہیں کسی کو سبق سکھانے کا بہت شوق ہے نہ؟"

رامین نے کہا۔

"تو میں نے تمہارے لیے ایک بہت ہی اچھا کام ڈھونڈا ہے، تو کیا تم تیار ہو؟"

"نیکی اور پوچھ پوچھ، حکم کرو سینئیر، باقی سب مجھ پر چھوڑ دو۔"

صوفیہ فوراً اپنے انداز میں واپس آ گئی۔

رامین اُس کی بات پر ہلکا سا مسکرا دی، پھر اُس نے اُسے ساری باتیں بتا دیں۔

"فکر نہیں کرو سینئیر، آپ بس دیکھتی جاؤ کام کیسے ہوتا ہے۔"

صوفیہ نے یقین سے کہا۔

رامین نے فون رکھ دیا۔

اب بھی زوہان اُس کی بانہوں میں تھا۔

ننھا زوہان اپنی ماں جیسی محافظ رامین کے بالوں سے کھیل رہا تھا، اور اُس کی اس معصوم حرکت پر رامین کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"بس ہمیشہ ایسے ہی خوش رہو۔"

رامین نے پیار سے اُس کے گال کو چھوا۔

"تمہیں کبھی کچھ نہیں ہونے دوں گی میں۔"

اُس نے زوہان کو اپنے سینے سے لگالیا۔

کیونکہ اب زوہان صرف عنایا کی امانت نہیں تھا...

وہ رامین کی زندگی کا سب سے قیمتی حصہ بن چکا تھا۔

////////

ارسم اس وقت اپنے آفس میں موجود تھا۔

ابراہیم صاحب کے ساتھ میٹنگ سے واپس آنے کے بعد وہ سیدھا اپنے کیبن میں آیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنی مخصوص کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔

سامنے ٹیبل پر لیپ ٹاپ کے ساتھ ایک تصویر رکھی ہوئی تھی۔

عنایا اور زوہان کی تصویر۔

کچھ لمحے وہ بس خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

اُس کی نظریں تصویر میں موجود عنایا کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں، جیسے وہ اُس تصویر کے ذریعے اُس سے بات کرنا چاہتا ہو۔

ماضی کی ایک دھندلی سی یاد آہستہ آہستہ اُس کی آنکھوں کے سامنے آنے لگی۔

"عنایایار، یہ میرا آفس ہے۔"

ارسم نے عنایا کا ہاتھ پکڑ کر کہا تھا، جو اُس وقت اُس کے آفس کو پنک رنگ میں بدلنے پر تُلی ہوئی تھی۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس نے آج پورے آفس کو ہی پنک کرنے کا ارادہ کر لیا ہو۔

ارسم بار بار اُسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر عنایا اپنی ہی دنیا میں خوش تھی۔

"ہاں تو، دیکھو نا پنک کلر بہت اچھا لگ رہا ہے یہاں پر۔"

عنایا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"اور یہ پنک کلر تمہیں ہمیشہ میری یاد دلاتا رہے گا۔"

اُس نے پیار سے ارسم کا گال سہلاتے ہوئے کہا۔

ارسم اُس کی بات پر مسکرا دیا تھا۔

"مجھے تمہیں یاد کرنے کے لیے کسی پنک کلر کی ضرورت نہیں ہے، عنایا۔"

اُس نے عنایا کا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تم تو ہمیشہ یہاں موجود ہو میرے پاس۔"

عنایا چند لمحے اُسے دیکھتی رہی، پھر اُس کے چہرے پر ایک ہلکی سی اداسی آئی۔

"اچھا... اور جب میں نہیں رہوں گی تو؟"

"تو شاید تم مجھے اپنے دل سے بھی نکال دو گے، ہے نہ۔"

اُس نے شکایتی انداز میں کہا تھا۔

ارسم کے چہرے پر فوراً ناراضی آگئی تھی۔

"عنایا، کتنی بار تمہیں کہا ہے کہ یہ فضول باتیں مت کیا کرو میرے سامنے۔"

اُس نے خفگی سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

مگر عنایا کے چہرے پر وہی نرم سی مسکراہٹ تھی۔

"ارسم، اگر مجھے سچ میں کبھی کچھ ہو جائے تو تم خوش رہنا۔"

"مجھے یاد کر کے اتنا پریشان مت ہونا۔"

عنایا نے کہا تھا۔

ارسم اُسے جواب دینا چاہتا تھا، اُسے روکنا چاہتا تھا، مگر وہ اُس سے پہلے ہی آفس سے نکل گئی تھی۔

اور آج...

وہی الفاظ بار بار اُس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

"تم نے ایسا کیوں کہا، عنایا؟"

ارسم تصویر کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں بولا۔

"تم ہمیشہ ایسی باتیں کیوں کرتی تھی؟"

اُس کی آنکھوں میں درد صاف نظر آ رہا تھا۔

"کیا واقعی کچھ ایسا تھا جو تم مجھ سے چھپا رہی تھی؟"

وہ ابھی بھی تصویر سے مخاطب تھا کہ اچانک کیبن کا دروازہ کھلا۔

رومان اندر داخل ہوا۔

"بھائی، آپ یہاں بیٹھے ہیں۔"

وہ آتے ہی بولنا شروع ہو گیا تھا۔

"آپ کو پتا بھی ہے آج کیا ہے؟"

ارسم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"کیا ہے آج، رومان؟"

"اور تم اتنے ایکسائٹڈ کیوں ہو رہے ہو؟"

اُس نے پوچھا۔

رومان نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"بھائی، آپ کو کچھ پتا بھی ہوتا ہے؟"

پھر خوشی سے بولا۔

"آج رامین بھابھی کی برتھ ڈے ہے۔"

ارسم چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا۔

"تمہیں رامین نے بتایا ہے؟"

اُس نے حیرت سے پوچھا۔

رومان فوراً بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو بھائی، وہ کب کچھ کہتی ہیں۔"

"وہ تو میں نے کل اُن کا آئی ڈی کارڈ دیکھا تھا، وہ اُن کے بیگ سے گر گیا تھا، تبھی میں نے دیکھا۔"

اُس نے وضاحت کی۔

ارسم کچھ سوچنے لگا۔

پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے، تو تم تیاری کرو برتھ ڈے کی۔"

"اور میں ڈنر کے لیے کہیں باہر کی بکنگ کرواتا ہوں۔"

"رامین کی ہمارے ساتھ یہ پہلی برتھ ڈے ہے، میں نہیں چاہتا کہ وہ ایسا محسوس کرے کہ وہ اپنے گھر پر نہیں۔"

اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

ویسے بھی آج کل رامین اُس سے کم ہی بات کرتی تھی۔

اور یہ بات ارسم محسوس بھی کر رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ شاید وہ اُس کے لیے اجنبی نہیں رہی تھی، مگر ابھی بھی اُن دونوں کے درمیان ایک فاصلہ موجود تھا۔

رومان نے خوشی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"بھائی، آپ بیسٹ ہو۔"

"بیسٹ بھائی، بیسٹ بابا، اور بیسٹ ہسبنڈ۔"

وہ ارسم کے گلے لگتے ہوئے بولا۔

"آپ کو پتا تھی یہ بات؟"

ارسم اُس کی بات پر مسکرا دیا۔

"شکریہ میرے بھائی، میرے علم میں اضافہ کرنے کے لیے۔"

"تم نے مجھے سیدھا آسمان پر پہنچا دیا ہے۔"

وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

اور پھر دونوں بھائی ہنسنے لگے۔

کچھ لمحوں کے لیے اُس کمرے کی فضا میں ماضی کے غم کے بجائے اپنائیت اور خوشی کی روشنی پھیل گئی۔

"اچھا اب جاؤ، پہلے ہی آدھا دن نکل گیا ہے۔"

ارسم نے رومان سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔

رومان بھی مسکراتا ہوا وہاں سے تیاری کرنے کے لیے چلا گیا۔

ارسم نے ایک بار پھر ٹیبل پر رکھی تصویر کو دیکھا۔

پھر اپنا فون اٹھایا اور خاموشی سے کیبن سے باہر نکل گیا۔

//////////

آئمہ اس وقت کیفے میں اپنی کسی دوست سے ملنے آئی تھی۔

کچھ دیر اپنی دوست کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد وہ اب کیفے سے باہر نکل کر اپنی گاڑی کی طرف جا رہی تھی۔

موسم معمول کے مطابق تھا، آس پاس لوگ اپنی اپنی مصروفیات میں مصروف تھے، لیکن آئمہ کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اگلے ہی لمحے اُس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

وہ ابھی چند قدم ہی چلی تھی کہ اچانک کسی نے اُسے زوردار ٹکر ماری۔

"آہ۔۔۔"

اُس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی۔

وہ وہیں زمین پر گر گئی۔

گرنے کی وجہ سے اُس کے پاؤں پر شدید چوٹ لگی تھی۔

چند لمحوں تک وہ درد سے کراہتی ہوئی وہیں بیٹھی رہی۔

اُس نے فوراً نظریں اٹھا کر اپنے ارد گرد دیکھا، مگر ٹکر مارنے والا کہیں نظر نہیں آیا۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شخص جان بوجھ کر اُسے گرا کر فوراً وہاں سے غائب ہو گیا ہو۔

اتنے میں اُس کی دوست بھی اُس کے پیچھے آ گئی۔

جیسے ہی اُس نے آئمہ کو زمین پر گرا دیکھا، وہ فوراً پریشان ہو کر اُس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"کیا ہوا ہے آئمہ؟ تم نیچے کیسے گری؟ تم ٹھیک ہو؟"

اُس کی دوست نے فکر مندی سے پوچھا اور ساتھ ہی اُسے اٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

لیکن جیسے ہی آئمہ نے کھڑے ہونے کی کوشش کی، وہ دوبارہ لڑکھڑا کر نیچے گر گئی۔

"یا خدا۔۔۔"

اُس نے درد سے اپنا پاؤں پکڑ لیا۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے میرا پاؤں ٹوٹ گیا ہے۔"

"پتہ نہیں کون تھا جو دھکا دے کر چلا گیا ہے۔"

آئمہ اپنے پاؤں کا درد محسوس کرتے ہوئے بولی۔

اُس کی دوست نے اُسے تسلی دی۔

"اچھا جو ہونا تھا اب ہو گیا، چلو اٹھنے کی کوشش کرو۔"

وہ اُس کی مدد کرنے لگی اور آہستہ آہستہ اُسے گاڑی کی طرف لے جانے لگی۔

مگر اُن دونوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی ایک گاڑی کے اندر موجود صوفیہ یہ سب دیکھ رہی تھی۔

اُس کے چہرے پر ایک جان دار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

وہ خاموشی سے آئمہ کو دیکھتی رہی، پھر خود سے بولی۔

"دل تو کرتا ہے تمہاری جان لے لوں، جو تم ہمارے زوہان کو چوٹ پہنچانا چاہتی تھی۔"

اُس کی آنکھوں میں غصہ صاف نظر آرہا تھا۔

"لیکن سینئیر نے منع کیا تھا، اس لیے آج بچت ہو گئی ہے تمہاری۔"

صوفیہ نے اُسے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا۔

پھر ہلکا سا مسکرا کر بولی۔

"لیکن پھر بھی کم از کم دو مہینے تو بستر سے پاؤں نیچے بھی نہیں رکھ پاؤ گی۔"

وہ ہنستے ہوئے بولی۔

پھر اپنی گاڑی اسٹارٹ کی اور وہاں سے چلی گئی۔

مگر اُس کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ یہ صرف ایک حادثہ نہیں تھا...

یہ صوفیہ کی طرف سے ایک پیغام تھا۔

//////////

"ہیپی برتھ ڈے میری شہزادی، آج وقت نکال کر اپنے گھر کا بھی چکر لگالو۔"

فون کے دوسری طرف سے فرحین صاحبہ کی محبت بھری آواز سنائی دی تو رامین کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

اُسے ہمیشہ حیرت ہوتی تھی کہ کچھ رشتے خون کے نہ ہونے کے باوجود دل کے اتنے قریب کیسے ہو جاتے ہیں۔

"تھینک یو آنٹی، میں کوشش کروں گی، لیکن ابھی یہاں سے نکلنا صحیح نہیں رہے گا۔"

رامین نے اُنہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف چند لمحوں کی خاموشی چھاگئی۔

پھر شہاب صاحب کی خفگی بھری آواز سنائی دی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھئی، آج تمہاری برتھ ڈے ہے، تو کیا اس بار ہمارے ساتھ برتھ ڈے نہیں مناؤ گی؟"

رامین کی مسکراہٹ ہلکی سی اداسی میں بدل گئی۔

"انکل، آپ ایسے تو نہ کہیں۔"

"آپ جانتے ہیں، میں کبھی آپ لوگوں کو ناراض نہیں کر سکتی۔"

"میں کوشش کروں گی کہ آپ کے پاس آجاؤں، آپ خفا مت ہوں۔"

رامین نے نرمی سے کہا۔

کیونکہ وہ جانتی تھی...

وہ اُنہیں کبھی ناراض نہیں کر سکتی تھی۔

وہ اُس کی فیملی تھے۔

وہ فیملی جس نے اُسے ہمیشہ محبت دی، اُسے اپنایا، اور اُس کے مشکل وقت میں اُس کا ساتھ دیا۔

اور اُن کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

"ٹھیک ہے، تو میں اپنی بیٹی کے لیے اُس کی ساری فیورٹ ڈشیز بناؤں گی۔"

"اور تم پریشان مت ہونا۔"

فرحین صاحبہ نے محبت سے کہا۔

رامین نے اُن کے پاس آنے کا وعدہ کیا اور پھر فون رکھ دیا۔

کچھ لمحے وہ خاموش کھڑی رہی۔

پھر اُس کی نظریں کمرے میں لگی ایک تصویر پر جا ٹھہریں۔

عنایا کی تصویر۔

وہ آہستہ آہستہ اُس کے قریب گئی۔

اور ایک اور یاد اُس کی نظروں کے سامنے زندہ ہو گئی۔

"عنایا، یہ سب کیا ہے یار؟"

رامین نے حیرت سے پورے کمرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ہر طرف ڈیکوریشن کا سامان پھیلا ہوا تھا۔

غبارے، ربن اور سجاوٹ کی چیزیں...

اور درمیان میں عنایا خوشی سے مصروف تھی۔

"تمہیں پتا ہے نہ مجھے یہ پارٹی وغیرہ بالکل پسند نہیں ہے۔"

رامین نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

عنایا نے اُس کی بات سنی تو مسکرا دی۔

"آج تمہارا برتھ ڈے ہے، رامین۔"

"کم از کم مجھے اس دن منع مت کیا کرو۔"

وہ غبارے لگاتے ہوئے بولی۔

"اور ہر وقت اتنی سیریس بھی مت رہا کرو۔"

"تمہارا برتھ ڈے ہی تو ایک واحد دن ہوتا ہے جب میں یہ ساری تیاریاں کرتی ہوں، اور تم مجھ سے یہ حق کبھی نہیں چھین سکتی۔"

رامین اُسے دیکھتی رہ گئی۔

اُس کے چہرے پر عنایا کے لیے محبت اور شکر گزاری صاف نظر آ رہی تھی۔

وہ آہستہ سے اُس کے پاس آئی اور اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم پہلے ہی میرے لیے بہت کچھ کر چکی ہو، عنایا۔"

"اگر تم نہیں ہوتی تو شاید اب تک میں زندہ نہیں ہوتی۔"

عنایا نے فوراً اُسے دیکھا۔

پھر مصنوعی ناراضی سے بولی۔

"زیادہ مجھے ایموشنل کرنے کی کوشش مت کرو، ٹھیک ہے؟"

"اور میں نے کچھ نہیں کیا تمہارے لیے۔"

"ہر سال صرف ایک برتھ ڈے ہی تو مناتی ہوں، تم تو ایسے بول رہی ہو جیسے میں نے کوئی بہت بڑا احسان کر رکھا ہے تم پر۔"

وہ مسکرائی۔

"اور ویسے بھی تم میرے لیے اس سب سے زیادہ ہی کرتی ہو، اور جتاتی تک نہیں۔"

"تمہیں کیا لگتا ہے، میں نہیں دیکھتی؟"

اُس نے محبت سے کہا تھا۔

پھر عنایا نے اُسے گلے سے لگا لیا تھا۔

"میں جانتی ہوں رامین، جو تم نے برداشت کیا ہے وہ بھولنا آسان نہیں۔"

"لیکن میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں، بس اتنا یاد رکھنا۔"

اُس کی آواز میں خلوص تھا۔

"اور ہیپی برتھ ڈے۔"

"یہ دن میں ہمیشہ تمہارے لیے یادگار بناؤں گی، کیونکہ تم میرے لیے بہت اہم ہو۔"

"دوست سے بڑھ کر بہن ہو تم میری۔"

عنایا نے اُسے ساتھ لگائے ہی کہا تھا۔

پھر وہ دوبارہ اپنی ڈیکوریشن میں مصروف ہو گئی تھی۔

یاد ختم ہوئی تو رامین کی آنکھیں نم تھیں۔

وہ ابھی بھی عنایا کی تصویر کے سامنے کھڑی تھی۔

آج اُس کی برتھ ڈے تھی...

لیکن وہ شخص نہیں تھا جو ہر سال سب سے پہلے اُسے وش کرتا تھا۔

"آج میری برتھ ڈے ہے، پر تم نہیں ہو ہر سال کی طرح سب سے پہلے مجھے وش کرنے کے لیے۔"

رامین نے تصویر کو دیکھتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔

اُس کی آنکھوں میں نمی بڑھ گئی۔

"عنایا...آئی مس یو۔"

"مجھے تمہاری ضرورت ہمیشہ رہے گی۔"

وہ کچھ دیر خاموشی سے اُس تصویر کو دیکھتی رہی۔

کیونکہ کچھ لوگ زندگی سے چلے جاتے ہیں...

لیکن اُن کی محبت ہمیشہ دل میں زندہ رہتی ہے۔

//////////

خان، ملک صاحب نے کہا ہے کہ کل مال یہاں سے روانہ ہونا ہے، اور یہ کام آپ کروائیں گے۔امجد نے ظہیر خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو اپنی فیکٹری کے آفس میں موجود تھا۔

فیکٹری کے وسیع آفس میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔سامنے میز پر رکھی فائلیں، کاغذات اور چند ضروری چیزیں پھیلی ہوئی تھیں، جبکہ ظہیر خان اپنی کرسی پر بیٹھا گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

وہ سب تو ٹھیک ہے امجد، لیکن تمہیں اس بات کا خاص خیال رکھنا ہوگا کہ اس خبر کی بھنک کسی تک بھی نہیں پہنچنی چاہیے۔ ظہیر خان نے سنجیدہ نظروں سے امجد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

کیونکہ پچھلی کچھ دفعہ ایسا ہو چکا تھا کہ ہر بار اُن کے راستے کی خبر پولیس تک پہنچ جاتی تھی، اور اب وہ کسی بھی غلطی کی گنجائش نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

جی خان، آپ پریشان نہ ہوں۔ میں سب سنبھال لوں گا۔امجد نے سر جھکائے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

ظہیر خان نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔

امجد وہاں سے چلا گیا، جبکہ ظہیر خان اپنی کرسی پر بیٹھا خاموشی سے دروازے کو دیکھتا رہا۔

اُس کے ذہن میں صرف ایک ہی بات گردش کر رہی تھی کہ آخر ایسا کیا کیا جائے کہ اس بار اُن کا کام بغیر کسی رکاوٹ کے مکمل ہو جائے۔

کیونکہ اب ایک چھوٹی سی غلطی بھی اُن کے لیے بہت بڑا نقصان بن سکتی تھی۔

//////////

وہ ابھی تیار ہوئی تھی۔ وائٹ کلر کے خوبصورت سے ڈریس میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ آج اُس نے اپنے بال بھی کھول رکھے تھے، اُس کے سلکی کالے بال اُس کی کمر کو چھو رہے تھے، جو اُس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

وہ شہاب صاحب اور فرحین صاحبہ کے پاس جانے کے لیے تیار تھی، اور ساتھ ہی اُس نے زوہان کو بھی تیار کر لیا تھا۔

زوہان کو اُس نے بلیک کلر کی شرٹ اور ٹراؤزر پہنایا تھا، جس میں وہ بہت کیوٹ لگ رہا تھا۔

دوپہر کے ایک بج رہے تھے، اسی لیے اُس نے یہ وقت چُنا تھا، کیونکہ گھر پر اس وقت کوئی نہیں تھا۔ اس طرح اُسے کسی کو جواب نہیں دینا پڑتا، اور وہ سب کے واپس آنے سے پہلے ہی گھر آ جاتی۔

رامین نے تیار ہو کر زوہان کو اپنی گود میں اٹھایا، جو اُسے دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

"چلے میرے شہزادے، آپ کے نانا نانی انتظار کر رہے ہیں۔"

رامین نے مسکراتے ہوئے کہا تو زوہان نے اپنی ننھی ننھی حرکتوں سے اُس کے بال پکڑنے کی کوشش کی، جس پر وہ بے اختیار مسکرا دی۔

تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور ارسم اندر داخل ہوا۔

رامین حیرت سے اُسے دیکھنے لگی، کیونکہ یہ وہ وقت تھا جب وہ عموماً گھر واپس نہیں آتا تھا۔

مگر ارسم کی نظریں رامین پر ٹھہر گئی تھیں۔

شاید پہلی بار اُس نے اُسے اس طرح دیکھا تھا۔

بغیر کسی میک اپ کے، ہلکی سی لپ اسٹک لگائے، سفید لباس میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اُس کے کھلے بال اور سادہ انداز اُس کی شخصیت کو مزید خوبصورت بنا رہے تھے۔

ارسم کچھ لمحوں تک خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

اور رامین... اُس کی مسلسل خود پر جمی نظریں محسوس کر کے الجھن کا شکار ہو رہی تھی۔ ایسا اُس کے ساتھ پہلی بار ہو رہا تھا کہ ارسم اُسے اس طرح دیکھ رہا تھا۔

"تم کہیں جا رہی تھی؟"

کچھ دیر بعد ارسم نے خاموشی توڑی اور اُس سے مخاطب ہوا۔ ساتھ ہی وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگا، مگر بار بار اُس کی نظریں بے اختیار رامین کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

پتہ نہیں کیوں، لیکن وہ اُس سے نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا، اور اپنی اس کیفیت پر خود ہی الجھن کا شکار تھا۔

"جی، میں اپنی ایک دوست کے گھر جا رہی تھی، تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گی۔"

رامین نے بھی اُس کی طرف دیکھنے سے گریز کیا۔

وہ پہلے ہی عجیب سے احساسات میں گھری ہوئی تھی۔ اب وہ ارسم سے کم بات کرتی تھی، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر وہ اُس کے قریب آئی تو شاید اپنے مقصد سے دور ہو جائے گی۔

رامین کے جواب پر ارسم کے ہاتھ ایک لمحے کے لیے رک گئے۔

"تمہیں جہاں جانا ہے تم جا سکتی ہو رامین، بس اپنا فون آن رکھنا۔ اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں۔"

ارسم اُس کے سامنے آ کر رکا۔

رامین حیرت سے اُسے اپنے بالکل قریب کھڑا دیکھ رہی تھی۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں چلی جاؤں گی، اور میں زوہان کو ساتھ لے کر جا رہی ہوں۔"

رامین نے نظریں جھکا کر کہا، کیونکہ وہ اُس کی نیلی آنکھوں میں دیکھنے سے خود کو روک رہی تھی۔

"تم زوہان کو لے کر جا رہی ہو، تمہیں مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے رامین۔ زوہان تمہارا بیٹا ہے، مجھ سے بھی زیادہ وہ تمہیں پہچانتا ہے۔"

ارسم نے نرم لہجے میں کہا۔

رامین نے اپنی جھکی ہوئی نظریں اٹھا کر اُسے دیکھا۔

وہ حیرت سے اُس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی، جیسے اُس کے الفاظ نے اُسے کہیں اندر تک چھو لیا ہو۔

"میں۔۔۔ میں چلتی ہوں۔"

رامین نے کہا اور زوہان کو لے کر وہاں سے جانے لگی۔

تبھی ارسم کی آواز نے اُسے روک دیا۔

"ہیپی برتھ ڈے رامین۔"

رامین کے قدم وہیں رک گئے۔

اُس نے پلٹ کر ارسم کی طرف دیکھا، جو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا؟"

رامین نے حیرت سے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب بعد میں دوں گا، ابھی اپنی دوست کو زیادہ انتظار مت کرواؤ۔"

ارسم نے مسکرا کر کہا۔

"اور ہاں... جلدی واپس آنا، میں انتظار کر رہا ہوں۔"

اُس کے الفاظ سن کر رامین کچھ لمحوں تک خاموش کھڑی اُسے دیکھتی رہی۔

نہ جانے کیوں، آج ارسم کے انداز میں کچھ ایسا تھا جو اُس کے دل کو الجھا رہا تھا۔

پھر وہ خاموشی سے زوہان کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔

جبکہ ارسم اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

//////////

"السلام علیکم!"

رامین نے گھر میں داخل ہوتے ہی خوشگوار انداز میں اونچی آواز میں کہا۔

اُس کی آواز سنتے ہی فرحین صاحبہ اور شہاب صاحب، جو کب سے اپنی بیٹی کا انتظار کر رہے تھے، فوراً اُس کی طرف بڑھے۔

"ہیپی برتھ ڈے میرا بچہ۔"

فرحین صاحبہ نے آگے بڑھ کر اُسے گلے سے لگا لیا اور اُس کے ماتھے پر محبت بھرا بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

ماں جیسی محبت رکھنے والی اُس عورت کے لمس میں آج بھی وہی اپنائیت تھی، جس کی رامین کو ہمیشہ ضرورت رہی تھی۔

اُس کے بعد رامین شہاب صاحب کے گلے لگی، جبکہ فرحین صاحبہ نے زوہان کو اپنی گود میں لے لیا۔

"ہیپی برتھ ڈے گڑیا۔"

شہاب صاحب نے بھی محبت سے اُسے وش کیا۔

"تھینک یو، انکل آنٹی... اور میں اس بار اپنے گفٹ بھی لے کر جاؤں گی۔"

رامین نے فرحین صاحبہ کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے شرارت بھرے انداز میں کہا تو اُس کے انداز پر وہ دونوں مسکرا دیے۔

کافی عرصے بعد آج رامین کے چہرے پر وہ بے فکری نظر آ رہی تھی، جو صرف اپنے لوگوں کے درمیان آ کر ہی آتی تھی۔

"ہاں تو بالکل لے کر جانا، ویسے تمہارے گفٹ پہلے ہی تیار ہیں۔"

شہاب صاحب نے محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا، آج کیا بنایا ہے میرے لیے اسپیشل؟ آپ کو پتہ ہے میں نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا، کیونکہ مجھے آج آپ کے ہاتھ کا کھانا کھانا تھا۔"

رامین نے بچوں کی طرح معصومیت سے فرحین صاحبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اُس کی بات سن کر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"میں نے اپنی بیٹی کی ساری فیوریٹ ڈشز بنائی ہیں۔"

فرحین صاحبہ نے محبت سے کہا۔

"تو پھر چلیں، اب کھانا کھاتے ہیں۔ مجھے تو ابھی سے بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

رامین نے فوراً کہا تو شہاب صاحب ہنس دیے۔

"ہاں بھئی بیگم، کھانا لگوائیں ہماری شہزادی کو بھوک لگی ہے۔"

شہاب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور پھر وہ تینوں زوہان کے ساتھ بیٹھ کر لنچ کرنے لگے۔

کھانے کے دوران باتیں، ہنسی مذاق اور پرانی یادیں چلتی رہیں۔ زوہان کی ننھی ننھی حرکتیں بھی اُن کے چہروں پر مسکراہٹ لے آتی تھیں۔

کافی عرصے بعد آج وہ سب اتنے پُر سکون تھے، جیسے کچھ لمحوں کے لیے زندگی کی ساری پریشانیاں اُن سے دور ہو گئی ہوں۔

لنچ کے بعد رامین نے کیک کاٹا، اور سب نے مل کر اُس کی خوشی میں حصہ لیا۔

یہ دن رامین کے لیے صرف اُس کی سالگرہ نہیں تھا، بلکہ اُن رشتوں کی یاد دہانی بھی تھا جہاں اُسے ہمیشہ محبت اور اپنائیت ملی تھی۔

کچھ وقت مزید اُن کے ساتھ گزارنے کے بعد رامین نے واپسی کی اجازت لی۔

فرحین صاحبہ اور شہاب صاحب نے ہمیشہ کی طرح اُسے دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔

اور پھر رامین زوہان کو ساتھ لے کر واپس گھر کے لیے نکل گئی۔

اب زوہان بھی اکثر اُن لوگوں کے پاس آنے لگا تھا، اور اُن کے گھر کی رونق بن گیا تھا۔

//////////////

وہ ابراہیم ہاؤس واپس آئی تو شام کے سات بج رہے تھے۔

جیسے ہی رامین کی گاڑی گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی، اُس کی نظر پورے لان پر پڑی۔

پورا لان خوبصورت انداز میں سجا ہوا تھا۔ ہر طرف برقی قمقمے جگمگا رہے تھے، جو رات کی ہلکی روشنی میں پورے گھر کو ایک الگ ہی خوبصورتی دے رہے تھے۔

رامین حیرت سے ارد گرد دیکھنے لگی۔

اُسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اُس کے لیے اتنی بڑی تیاری کی گئی ہے۔

تبھی سب گھر والے اُس کے استقبال کے لیے آگے بڑھے۔

"ہیپی برتھ ڈے بھابھی۔"

رومان نے خوشی سے کہا۔

اُس کے ساتھ ہی ثمر، صوفیہ اور رومان کے کچھ دوست بھی وہاں موجود تھے۔

رامین نے سب کو دیکھا تو اُس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"تھینک یو، لیکن یہ سب کیا ہے رومان؟ اس کی کیا ضرورت تھی۔"

رامین نے حیرت سے رومان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جو ثمر اور صوفیہ کے ساتھ کھڑا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابھی، اب آپ کی برتھ ڈے پارٹی بھی نہ منائیں ہم؟ یہ ہمارا فرض بنتا ہے اور آپ کا حق۔ اور آپ کا یہ بھائی پلس دیور کبھی آپ کی حق تلفی نہیں ہونے دے گا۔"

رومان نے بڑے فخر سے کہا۔

صوفیہ نے اُس کی پوری بات سنی تو حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔

"تم کچھ زیادہ ہی جذباتی قسم کے انسان ہو بھائی۔"

صوفیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

ثمر اُن دونوں کو دیکھ کر ہنس رہا تھا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اب یہ دونوں شروع ہوئے تو اچھی خاصی انٹرٹینمنٹ ہونے والی ہے۔

"استغفار... میں کوئی تمہارا بھائی وائی نہیں ہوں، سمجھی؟ مجھے دوبارہ بھائی مت بلانا۔"

رومان نے اُس کے بھائی کہنے پر چڑتے ہوئے کہا۔

رامین اور ثمر دونوں ہی اُن دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

"کیوں بھائی؟ کیوں نہیں بول سکتی میں؟ اب تو میں تمہیں بھائی ہی بولوں گی۔"

صوفیہ نے بھی اُس کی دکھتی رگ پکڑتے ہوئے کہا، کیونکہ اُسے رومان کو چڑانے میں مزا آ رہا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم۔"

رومان نے جھنجھلا کر کہا اور وہاں سے جانے میں ہی عافیت جانی۔

"ارے ارے..."

صوفیہ اُس کے پیچھے آوازیں دیتی رہ گئی، جبکہ ثمر بھی رومان کے پیچھے ہی چلا گیا۔

رامین نے صوفیہ کی طرف دیکھا، جواب بھی اُسے دیکھ کر پیار سے مسکرا رہی تھی۔

"تم پھر یہاں آ گئی؟"

رامین نے مسکراتے ہوئے اُس سے پوچھا۔

"اور نہیں تو کیا؟ آج آپ کی برتھ ڈے ہے سینئیر، اور میں نہ آتی... یہ کیسے ہو سکتا تھا۔"

صوفیہ نے ہمیشہ کی طرح اپنے انداز میں جواب دیا۔

رامین اُسے دیکھ کر مسکرا دی، مگر پھر اُس کے لہجے میں سنجیدگی آ گئی۔

"صوفیہ، تمہیں محتاط رہنا چاہیے۔ تم جانتی ہو نہ میں یہاں کیوں ہوں۔"

رامین نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں، اور میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں۔ ہر خوشی میں بھی اور ہر غم میں بھی۔ اس لیے آج آپ مجھے نہیں روکیں گی۔"

صوفیہ نے مسکرا کر کہا اور اُسے گلے لگا لیا۔

"ہیپی برتھ ڈے سینئیر۔"

صوفیہ نے محبت سے اُسے وش کیا۔

"تھینک یو، لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ آج کل تم میرے دیور کے ساتھ کچھ زیادہ ہی گھوم رہی ہو، اور مجھے بھابھی بھی بول رہی ہو۔ کیا ارادہ ہے جونئیر؟ سچ سچ بتاؤ۔"

رامین نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

"سینئیر ایسا۔۔۔ تو کچھ نہیں، آپ بھی نہ۔"

صوفیہ ایک لمحے کے لیے رکی، پھر بات بدلتے ہوئے فوراً وہاں سے چلی گئی۔

رامین اُس کی حرکت دیکھ کر مسکرا دی۔

نہ جانے کیوں، آج کافی عرصے بعد اُسے یہ سب کچھ اتنا اپنا سا محسوس ہو رہا تھا۔

اور وہ صوفیہ کو جاتے ہوئے دیکھ کر کافی دیر تک مسکراتی رہی۔

////////

"ہیپی برتھ ڈے اگین، رامین۔"

وہ ابھی رومان کے دوستوں سے مل کر مڑی ہی تھی کہ اچانک اس کی نظر ارسم پر پڑی، جو بالکل اس کے سامنے کھڑا تھا۔ چند لمحوں کے لیے جیسے آس پاس کا شور مدھم پڑ گیا تھا۔ ارسم کی نظریں آج بھی ہمیشہ کی طرح خاموش تھیں، مگر اُن خاموش نظروں میں کچھ ایسا تھا جو رامین سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"تھینک یو۔"

رامین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا تھا، جبکہ ارسم ابھی بھی اُسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"زوہان کہاں ہے؟"ارسم نے اُس سے پوچھا۔

"وہ رومان ابھی اُسے لے کر گیا ہے،اپنے دوستوں سے ملوانے کے لیے۔"رامین نے جواب دیا۔

"میرے ساتھ چلو، مجھے تمہیں کچھ دکھانا ہے۔"ارسم نے کہا۔

"لیکن کہاں جانا ہے ارسم؟"رامین نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

ارسم نے کوئی جواب نہیں دیا، بس آہستگی سے اُسکا ہاتھ تھام لیا اور اُسے اپنے ساتھ لے کر چل پڑا۔

رامین اُسکے اچانک اس طرح قریب آنے پر کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔وہ اُسکے ساتھ چل تو رہی تھی، لیکن دل میں ایک عجیب سی بے چینی تھی۔

وہ اُسے کمرے میں لے آیا تھا۔

"ارسم، کیا دکھانا ہے؟ کچھ بتائیں تو۔"رامین نے تجسس بھری نظروں سے اُسکی طرف دیکھا۔

ارسم نے اُسکا رخ دیوار کی طرف کیا۔

"خود ہی دیکھ لو۔"

رامین کی نظریں جیسے ہی دیوار پر موجود تصویر پر پڑیں،اُسکے قدم وہیں رک گئے۔

وہ اُن دونوں کے نکاح کی تصویر تھی۔

تصویر میں وہ زوہان کو گود میں لیے کھڑی تھی، ساتھ ارسم، رومان اور ابراہیم صاحب موجود تھے۔اور سب سے بڑھ کر وہ تصویر عنایا کی تصویر کے بالکل پاس لگی ہوئی تھی۔

رامین کے لیے جیسے اُس لمحے میں کچھ کہنا مشکل ہو گیا تھا۔اُسکی آنکھیں خود بخود نم ہو گئی تھیں۔وہ تصویر کو دیکھ رہی تھی، جیسے اُس ایک تصویر میں بہت سے سوال، بہت سی ذمہ داریاں اور بہت سے احساسات قید ہوں۔

"ارسم یہ۔۔۔"

الفاظ اُسکے لبوں تک آکر رک گئے تھے۔

وہ آہستہ سے ارسم کی طرف مڑی، آنکھوں سے نکلنے والے آنسو اُسکے چہرے پر خاموشی سے بہہ رہے تھے۔

"رامین، تم رو کیوں رہی ہو؟ تمہیں یہ تصویر اچھی نہیں لگی؟"

ارسم نے فوراً اُسکا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں لیا تھا اور اُسکے آنسو صاف کرنے لگا تھا۔اُسکے لہجے میں پہلی بار ایسی فکر تھی جو رامین کو مزید الجھا گئی تھی۔

"نہیں۔۔۔ایسا کچھ نہیں ہے، یہ واقعی بہت اچھا تحفہ ہے، لیکن یہ جگہ میری نہیں ہے ارسم۔"

رامین نے نظریں جھکا لیں۔

"یہاں جس کا حق ہے، وہ وہیں موجود ہے۔"

اُسکی نظریں خود بخود عنایا کی تصویر کی طرف اٹھ گئی تھیں۔

رامین نے آہستگی سے ارسم کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹایا اور ایک درد بھری مسکراہٹ کے ساتھ تصویر کو دیکھا۔

پھر وہ آگے بڑھی اور اپنی نکاح کی تصویر دیوار سے اتار لی۔

ارسم خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔اُس کے چہرے پر ناراضی نہیں تھی، بلکہ شاید اُس کی عزت کرنے والا ایک خاموش احساس تھا۔

"تھینک یو، مجھے اس فیملی کا حصہ بنانے کے لیے۔"

رامین نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ جگہ کبھی میری نہیں ہو گی ارسم، یہ جگہ صرف عنایا کی ہے۔"

وہ پلٹی اور ارسم کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

"لیکن یہ تحفہ بہت خوبصورت ہے۔"

"تم بہت مختلف ہو رامین، سب سے الگ۔"

ارسم نے اُسکے ہاتھ سے تصویر لے لی۔

"لیکن تم بھی اب فیملی کا حصہ ہو، تو یہ مت سمجھو کہ تمہارا اس گھر پر اور یہاں موجود لوگوں پر حق نہیں ہے۔یہ گھر تمہارا ہے، یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔"

رامین خاموش کھڑی اُسے سنتی رہی۔اُس کے دل میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔وہ جس جگہ کو صرف ایک ذمہ داری سمجھ رہی تھی، کوئی اُسے وہاں اپنا حق دے رہا تھا۔

"اور ہاں، یہ تصویر تم خود لگاؤ گی۔"

ارسم نے تصویر بیڈ کے پاس موجود میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"جب تم پوری طرح سے اس گھر کو اپنا لو گی، تب تک یہ یہیں رہے گی۔"

تبھی دروازے پر دستک ہوئی اور رومان اور صوفیہ اندر داخل ہوئے۔

"بھائی، بھابھی چلیں، نیچے کیک کب سے انتظار کر رہا ہے بے چارہ آپ لوگوں کا، اور مجھے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

رومان نے ہمیشہ کی طرح آتے ہی اعلان کیا تھا۔

صوفیہ اُسکی بات سن کر حیرت سے منہ کھولے اُسے دیکھنے لگی۔

"اوئے، تم شاید ابھی دو منٹ پہلے ہی تین سموسے، دو پلیٹ بریانی کھا کر آئے ہو۔"

"ہاں تو انسان ہوں، اب بھوک تو لگے گی نہ۔"

رومان نے معصومیت سے جواب دیا۔

ارسم اور رامین دونوں اُسکی بات پر مسکرا دیے تھے۔

"مجھے یقین نہیں آتا تم اتنا کھاتے ہو، تمہیں لگتا کیوں نہیں ہے؟ پھر بھی اتنے نازک کیسے رہ گئے ہو یار۔"

صوفیہ نے ایک بار پھر اُسے چھیڑا تھا۔

"اچھا بس، بعد میں کرنا بحث۔"

ارسم نے اُن دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی چلو، نیچے کیک بھی کاٹنا ہے برتھ ڈے گرل نے۔"

آخری الفاظ کہتے ہوئے ارسم کی نظریں رامین پر ٹھہر گئی تھیں۔

رامین نے بھی اُسکی نیلی آنکھوں میں دیکھا، اور چند لمحوں کے لیے دونوں خاموش رہے۔

"ہاں بھائی، چلیں۔"

رومان کی آواز پر دونوں چونکے اور پھر سب نیچے کی طرف چل دیے۔

//////////

"سالگرہ مبارک ہو بیٹا۔"

ابراہیم صاحب نے اُسے وش کیا تھا اور شفقت سے اُسکے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔ اُنکے لہجے میں وہی اپنائیت تھی جو ہمیشہ رامین کو اپنے پن کا احساس دلاتی تھی۔

رامین نے مسکرا کر اُنکی طرف دیکھا تھا۔

"تھینک یو انکل۔"

اُس نے دل سے اُنکا شکریہ ادا کیا تھا۔

اُن کے ساتھ ہی انیلہ صاحبہ بھی موجود تھیں، جنہوں نے ابراہیم صاحب کے آنکھیں دکھانے پر مجبوراً رامین کو مبارک باد دی تھی، لیکن اُنکے چہرے پر موجود بے رخی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ یہ الفاظ دل سے نہیں نکلے تھے۔ مبارک باد دینے کے بعد وہ فوراً منہ پھیر کر ایک طرف ٹھہر گئی تھیں۔

"بھابھی، اُنہیں اگنور کریں۔"

رومان جو رامین کے بالکل پاس کھڑا تھا، فوراً آہستہ سے بولا تھا، جس پر رامین اُسکی بات پر مسکرا دی تھی۔

اب سب لوگ کیک کٹنگ کے لیے لان کے درمیان میں موجود تھے، جہاں خوبصورت سا سیٹ اپ کیا گیا تھا۔ برقی قمقموں کی روشنی پورے لان کو جگمگا رہی تھی، اور میز پر رکھا خوبصورت چاکلیٹ کیک سب کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

رامین نے کیک کاٹا، اور باری باری سب کو کھلایا تھا۔ پھر اُس نے زوہان کو اپنی گود میں لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا، جو صوفیہ کی گود میں بار بار مچل رہا تھا اور اپنی ماں کے پاس جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میرا بچہ، بس تھک گئے؟"

رامین نے اُسے گود میں لیتے ہوئے پیار سے کہا، پھر صوفیہ کی طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں بولی۔

"صوفیہ، تم سے ایک بچہ بھی نہیں سنبھالا جا رہا۔"

رامین کی بات پر صوفیہ نے فوراً منہ بنایا۔

"ہاں بھابھی، دیکھیں نہ پتہ نہیں جب اس کے خود کے بچے ہوں گے تب کیسے سنبھالے گی۔"

رومان نے بھی موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"ہاں، تمہیں دوں گی نہ نازک لڑکے، تم سنبھالنا بچے۔ ویسے بھی تم سنبھالو، یہ میں کیا فرق پڑتا ہے۔"

صوفیہ نے ہمیشہ کی طرح بغیر رکے جواب دینا شروع کیا تھا، لیکن چند لمحوں بعد اُسے احساس ہوا کہ اُس نے کیا کہہ دیا ہے۔

اُسکے الفاظ سنتے ہی وہاں موجود سب لوگ حیرت سے اُسے دیکھنے لگے تھے۔

اور سب سے زیادہ حیران تو رومان تھا، جو آنکھیں پھیلائے اُسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا ہو۔

تبھی ثمر کا کب سے رکا ہوا قہقہہ نکل گیا تھا۔

صوفیہ نے شرمندگی چھپانے کے لیے فوراً وہاں سے نکلنے میں ہی عافیت جانی، اور اُسکے پیچھے ہی رومان بھی اُسے روکنے کے لیے چلا گیا تھا۔

"یہ سب کیا چل رہا ہے؟"

ارسم نے رامین کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا، جو ابھی تک اُن دونوں کی حرکت پر ہنس رہی تھی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟"

رامین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے لگتا ہے آپ کو اپنے گھر میں شادی کی تیاریاں شروع کر دینی چاہیے۔"

رامین کی بات سن کر ارسم بھی ہنسنے لگا تھا۔

"تمہیں پتہ تھا اس بارے میں؟"

ارسم نے اب ثمر کی طرف دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"بھائی، مجھے بس اتنا پتہ ہے کہ کچھ تو چل رہا ہے، لیکن کیا ہے یہ نہیں پتہ۔"

ثمر نے فوراً اپنا پلڑا جھاڑتے ہوئے کہا تھا۔

اور پھر وہ تینوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے تھے۔

اسی طرح ہنسی خوشی، محبت اور اپنائیت کے ان خوبصورت لمحوں کے ساتھ رامین کی سالگرہ کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی تھی۔

//////////////

"یہ تم نے اندر کیا کہا ہے؟"

رومان اُسکے پیچھے ہی باہر آیا تھا اور اب اُسکے سامنے آکر ٹھہر گیا تھا۔ صوفیہ جو اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر جانے والی تھی، اُسکی آواز پر رک گئی تھی۔

"کیا۔۔۔ کیا کہا ہے میں نے؟"

صوفیہ نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے اُس سے پوچھا تھا، لیکن اُسکے لہجے کی ہلکی سی گھبراہٹ رومان سے چھپی نہیں تھی۔

"دیکھو، زیادہ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم نے اندر وہ کیوں کہا؟"

رومان نے اُسکی گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا تھا اور اُسکی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"میں نے بس ایسے ہی منہ سے نکل گیا میرے، اب کیا جان لوگے بچی کی؟"

صوفیہ نے ہکلاتے ہوئے کہا تھا، جیسے خود بھی اپنے الفاظ کے اثر سے بچنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اور اگر میں سیریس ہو گیا تو؟ تو ہو سکتا ہے میں واقعی میں تمہاری جان لے لوں۔"

رومان نے اُسکی طرف قدم بڑھاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

صوفیہ حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ ہمیشہ مذاق کرنے والا، ہر بات کو ہنسی میں اڑا دینے والا رومان آج پہلی بار اتنا سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"تم زیادہ بنو مت ہاں، کہا نہ کہ منہ سے نکل گیا بس۔"

صوفیہ نے تھوڑا پیچھے ہٹتے ہوئے کہا تھا، لیکن اُسکی نظریں ابھی بھی رومان کے چہرے پر تھیں۔

"نہیں، لیکن میں بالکل تو سنجیدہ ہوں۔"

رومان نے کہا۔

"اب غلطی تمہاری ہے، تم نے ہی کہا کہ بچے تو مجھے سنبھالنے ہیں، لیکن اُس کے لیے تو پہلے شادی کرنی پڑتی ہے۔"

وہ چند لمحوں کے لیے رکا، پھر اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"تو مس صوفیہ حارث، مجھ سے شادی کرو گی؟"

رومان کے اچانک سوال پر صوفیہ کے قدم جیسے وہیں رک گئے تھے۔ وہ حیرت سے منہ کھولے اُسے دیکھ رہی تھی، جیسے اُسے یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ رومان واقعی یہ کہہ رہا ہے۔

"تم مذاق کر رہے ہو نہ۔"

صوفیہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"نہیں، کتنی دفعہ تو کہا میں نے، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔"

رومان نے مسکرا کر کہا۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟"

پھر ہمیشہ کی طرح اپنے انداز میں بولا۔

"وہ کیا ہے نہ، تم سے شادی کرنے کے فائدے بہت ہیں۔ سب سے بڑا تو یہ ہے کہ میں پوری زندگی بور نہیں ہوں گا۔"

رومان کے جواب پر صوفیہ نے چند لمحے اُسے دیکھا، پھر اُسکی بات کا مطلب سمجھتے ہی اُسکا پارا چڑھ گیا۔

"تو مجھ سے اس لیے شادی کرنا چاہتے ہو کہ میں تمہاری بوریت دور کروں؟"

صوفیہ نے غصے سے پوچھا۔

رومان نے معصومیت سے اپنی گردن زور زور سے ہلادی۔

"میں تمہارے بال نوچ لوں گی، نمونے نہ ہو تو۔"

صوفیہ نے غصے میں کہا، جس پر رومان بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

اُسے صوفیہ کا یہ انداز ہمیشہ سے پسند تھا، اُسکا غصہ، اُسکی باتیں، اُسکی بے ساختگی۔

صوفیہ وہاں سے جانے لگی تھی کہ رومان نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"اچھا، اب سچ مچ سیریس ہوں۔"

رومان کی آواز میں اب مذاق نہیں تھا۔

"میں سچ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

صوفیہ نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔ اب اُسکے چہرے پر صرف سنجیدگی تھی۔

"اور وہ کیوں؟"

صوفیہ نے اپنا ہاتھ اُسکے ہاتھ سے نکالتے ہوئے پوچھا۔

"بس جیسے تمہارے منہ سے نکل گیا، ویسے ہی میرے دل سے نکل گئی بات۔"

رومان نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

اُسکی بات پر صوفیہ کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"اور اگر میں نہ کہہ دوں تو؟"

صوفیہ نے اُسے آزمانے کے انداز میں پوچھا۔

"تم یہ کبھی نہیں کہو گی، اتنا تو جان گیا ہوں تمہیں۔"

رومان نے مسکرا کر جواب دیا۔

"تو ٹھیک ہے، اپنا پرپوزل بھیجو میرے گھر۔ دیکھتے ہیں میرے ماما، بابا کیا جواب دیتے ہیں تمہیں۔"

صوفیہ نے کہا اور فوراً گاڑی میں بیٹھ گئی۔

رومان خاموشی سے اُسکی گاڑی کو جاتا دیکھتا رہا۔ اُسکے چہرے پر ایک خوبصورت سی مسکراہٹ تھی۔

"ٹھیک ہے چڑیا، اب تمہارے گھر پر ہی ملاقات ہو گی۔"

وہ آہستہ سے بولا اور دوبارہ گھر کی طرف چل دیا۔

//////////

رات کے ڈیڑھ بج رہے تھے۔ پورا پولیس اسٹیشن خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا، صرف چند لائٹس کی روشنی اندھیرے کو چیر رہی تھی۔ اسی خاموشی کو توڑتے ہوئے وہ پولیس اسٹیشن کے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔ اپنی مخصوص یونیفارم پہنے، سر پر حجاب لیے وہ ہمیشہ کی طرح پُرسکون اور سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

لیکن اس کے بالکل پیچھے نیند میں چلتی صوفیہ بھی داخل ہوئی تھی، جس کی آنکھیں ابھی پوری طرح کھلی بھی نہیں تھیں۔اندر آتے ہی وہ سیدھا آکر خانزادہ کی کمر سے لگ گئی تھی۔

خانزادہ نے فوراً پلٹ کر اُسے گھورا تھا۔اُس کی نظروں میں واضح ناراضی تھی، جس پر صوفیہ ایک دم ہوش میں آئی تھی اور سیدھی ہو کر کھڑی ہو گئی تھی۔

اور پھر وہ دونوں ساتھ ہی کیبن کی طرف بڑھ گئی تھیں۔

اندر داخل ہوتے ہی دونوں نے وہاں موجود آفیسر کو سلام کیا تھا، جو اُن کی آواز سن کر فوراً اُن کی طرف مڑا تھا۔

"کب سے انتظار کر رہا ہوں آفیسرز، کیا آپ لوگوں کو اپنی نیند اپنے کام سے زیادہ پیاری ہو گئی ہے؟"

سامنے موجود آفیسر نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا تھا، جس پر صوفیہ نے فوراً خانزادہ کی طرف دیکھا تھا، جیسے اب جواب دینے کی باری اُنہی کی ہو۔

"ہمارا فرض ہمارے لیے سب سے پہلے آتا ہے آفیسر، اور جہاں تک لیٹ آنے کی بات ہے تو آپ اپنی گھڑی پر وقت دیکھ سکتے ہیں۔آپ نے ہمیں ایک بجے میسیج کیا تھا اور ہم اپنے پورے وقت پر یہاں موجود ہیں۔"

خانزادہ نے اپنی کالی آنکھیں اُس کی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے پُر اعتماد لہجے میں کہا تھا۔

اُس کے جواب پر سامنے موجود آفیسر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔وہ جانتا تھا کہ خانزادہ ہر بار کی طرح آج بھی اپنے جواب کے ساتھ تیار کھڑی ہے۔

وہ دونوں کی طرف چل کر آیا تھا۔

"تم نہیں بدلو گی، ہر سوال کا جواب ہمیشہ کی طرح تیار ہے تمہارے پاس۔"

شاہ میر نے اُس کے سامنے ٹھہر کر کہا تھا۔

"سر شاہ میر، آپ دونوں پھر سے شروع ہو گئے، اب بتائیں نہ کہ ہمیں اتنی رات کو کیوں بلایا ہے۔"

صوفیہ نے آخر اُن دونوں کی بات لمبی ہوتی دیکھ کر درمیان میں کہا تھا۔

شاہ میر آفیسر خانزادہ کا سینئیر تھا۔دونوں ایک دوسرے کے اچھے پارٹنر تھے اور مل کر کئی مشکل کیسز حل کر چکے تھے۔وہ اُن چند لوگوں میں سے تھا جن پر خانزادہ مکمل یقین رکھتی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے، پارٹنر۔کل وقت نہیں ملا، ورنہ تمہیں کل ہی وش کر دیتا۔"

شاہ میر نے اُسے دیکھ کر کہا اور ساتھ ہی ایک گفٹ باکس اُس کی طرف بڑھا دیا۔

"تھینک یو، یہ بات معنی نہیں رکھتی۔میں جانتی ہوں کہ تم کسی اہم مسئلے کو حل کرنے میں مصروف تھے۔"

خانزادہ نے گفٹ لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"بس، اب آپ یہ مت کہنا سر کہ گفٹ دینے کے لیے بلایا تھا آپ نے۔"

صوفیہ نے ہمیشہ کی طرح بنا رکے کہا تو دونوں نے ایک ساتھ اُسے گھورا تھا۔

اپنی بات کا احساس ہوتے ہی وہ تھوڑی سی جھینپ گئی تھی۔

"لیکن آفیسر، آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ آپ کو تو دوسرے مشن کے سلسلے میں بھیجا گیا تھا۔"

خانزادہ نے شاہ میر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، بھیجا گیا تھا لیکن میرا وہ کام ختم ہو گیا ہے اور اب مجھے آپ کی مدد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ سر شہاب کا سخت حکم ہے کہ میں ہر جگہ آپ کے ساتھ رہوں گا آفیسر۔"

شاہ میر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"سمجھ گئی، لیکن آپ نے اتنی رات کو کیوں بلایا؟"

خانزادہ نے وہ سوال پوچھ ہی لیا تھا جو صوفیہ کب سے اپنے دل میں لیے خاموش کھڑی تھی۔ وہ بھی اب پوری توجہ سے شاہ میر کے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

"آپ کو یہ یاد دلانے کے لیے کہ کل ملک سکندر شاہ، ظہیر خان کے ساتھ مل کر ایک بہت بڑا کنسائنمنٹ روانہ کرنے والا ہے۔ اور آپ اچھے سے جانتے ہیں آفیسر زکہ اس میں کیا ہے۔"

شاہ میر نے سنجیدہ لہجے میں کہا تھا۔

"جانتے ہیں، بہت سے معصوم بچوں کو یہاں سے دوسرے ملک اسمگل کیا جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہونے دیں گے ہم۔"

خانزادہ نے جواب دیا تھا۔

شاہ میر نے اُس کے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ چہرہ جذبات سے خالی تھا، لیکن وہ جانتا تھا کہ اُس خاموشی کے پیچھے کتنی آگ چھپی ہے۔

"خانزادہ، اس کے لیے ہمیں سوچ سمجھ کر قدم اُٹھانا پڑے گا۔"

شاہ میر نے احتیاط سے کہا تھا۔

"اس کی فکر نہیں کریں شاہ میر سر، ہمیں اس بارے میں پہلے سے خبر تھی، اور سینئیر نے پہلے ہی سارا انتظام کر رکھا ہے۔ ہم تو بس کل کا انتظار کر رہے ہیں۔"

خانزادہ کے جواب دینے سے پہلے ہی صوفیہ بول پڑی تھی، جس کے لہجے میں اعتماد صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"ہمیشہ کی طرح۔ خیر، میں آپ لوگوں کے ساتھ ہی رہوں گا اگر آپ کو میری ضرورت پڑی تو۔"

شاہ میر نے دونوں سے کہا تھا۔

"او کے آفیسر، کل ملتے ہیں۔ اور یقیناً آپ یہاں ہیں تو ہمارا کام آسان ہو جائے گا۔"

خانزادہ نے کہا، جس کے بعد وہ تینوں باری باری وہاں سے اپنے اپنے گھروں کے لیے نکل گئے تھے۔

////////

الارم کی آواز پر اُسکی آنکھ کھلی تھی، لیکن آنکھیں کھولتے ہی جب اُسکی نظر گھڑی پر پڑی تو وہ چونک گئی تھی۔ گھڑی میں آٹھ بج رہے تھے۔

وہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ سو گئی تھی۔ اُس نے سوچا تھا کہ الارم لگا کر چھ بجے اُٹھ جائے گی، لیکن شاید تھکن کی وجہ سے اُسے خبر ہی نہیں ہوئی اور وہ زیادہ دیر تک سو گئی تھی۔

اُسکے بالکل ساتھ زوہان پر سکون نیند سو رہا تھا، اُسکے معصوم چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا۔ رامین کچھ لمحے اُسے دیکھتی رہی، پھر اُسکی نظر کمرے کے دوسرے کونے میں گئی جہاں ارسم آئینے کے سامنے کھڑا اپنی تیاری کر رہا تھا۔

"اُٹھ گئی تم؟"

ارسم نے آئینے میں ہی اُسکا عکس دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

رامین بیڈ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اور ابھی بھی حیرت میں تھی کہ وہ اتنی دیر تک کیسے سوتی رہی۔

"جی، لیکن آپ نے مجھے اُٹھایا کیوں نہیں؟"

رامین نے اُسے دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

ارسم اب اُسکی طرف چہرہ کر چکا تھا۔ اُسکی نظریں چند لمحوں کے لیے رامین کے تھکے ہوئے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں۔

"تم تھکی ہوئی تھی۔ تم آج ریسٹ کرو، اور ان کاموں کی فکر نہیں کیا کرو۔"

ارسم نے نرمی سے کہا تھا۔

رامین کچھ لمحے خاموش اُسے دیکھتی رہی۔اُسکے لیے یہ سب نیا تھا۔کسی کا اُسکی تھکن کو محسوس کرنا،اُسکی فکر کرنا،اُسکی ضرورتوں کو اُس کے کہنے سے پہلے سمجھ لینا۔

"ارسم..."

رامین نے آہستہ سے کہا۔

"میرا الارم آپ نے چینج کیا ہے نہ؟"

اُس نے اپنی کالی آنکھیں اُسکی نیلی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

ارسم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی،آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟"

رامین نے اُسکی مسکراہٹ دیکھ کر کہا تھا۔

"رامین،ضروری تو نہیں کہ تم ہر وقت سپر اسپیڈ میں لگی رہو۔کبھی خود کو بھی وقت دو۔تم بھی انسان ہو،روبوٹ نہیں ہو۔"

ارسم نے بیڈ کے پاس پڑی ٹیبل سے اپنی گھڑی اُٹھائی اور پہنتے ہوئے کہا تھا۔

رامین خاموشی سے اُسے دیکھ رہی تھی۔اُسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ شخص جو کبھی اُس سے اتنا دور تھا، اب اُسکی اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کیوں رکھ رہا تھا۔

وہ آہستہ سے اُٹھی اور اُسکے بالکل سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

"آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں ارسم؟"

رامین نے اُسکی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

اُسکے سوال پر ارسم چند لمحوں کے لیے حیران رہ گیا تھا۔

"کیا کر رہا ہوں میں رامین؟ کیا کہہ رہی ہو؟"

ارسم نے الجھن سے پوچھا تھا۔

رامین نے نظریں جھکا لیں، جیسے اپنے دل کی بات کہنا بھی اُسکے لیے آسان نہیں تھا۔

"آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں؟ ارسم، مجھے ان سب چیزوں کی عادت نہیں ہے۔"

وہ رکی، پھر دھیمی آواز میں بولی۔

"اور آپ بھی یہ مت کریں۔ میرے لیے کچھ بھی مت کریں۔ میں ان سب کی عادت نہیں ڈالنا چاہتی۔"

رامین نے اُسکے وجیہہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

ارسم خاموشی سے اُسکی بات سنتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ رامین کے پیچھے صرف الفاظ نہیں، بہت سے خوف اور تجربات چھپے ہوئے ہیں۔

وہ آہستہ سے اُسکے قریب آیا اور اُسکے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔

"رامین، یہ سب تمہارا ہے۔"

اُسکے الفاظ میں یقین تھا۔

"اوراب تم اس کی عادت ڈال لو۔ تم اس گھر کا حصہ ہو، ہماری زندگی کا حصہ ہو۔"

وہ چند لمحے رکا، پھر سنجیدگی سے بولا۔

"میں تمہارے لیے جتنا بھی کروں، وہ کم ہے۔ کیونکہ جو تم نے زوہان کے لیے، میرے لیے کیا ہے، میں کبھی بھی وہ بھول نہیں سکتا۔"

"میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

رامین بس اُسے دیکھتی رہی۔ اُسکے پاس ارسم کے ان لفظوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

ارسم پھر فون لینے کے لیے مڑا تھا، تبھی رامین کی نظر بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر پڑے ایک خوبصورت سے گفٹ پر گئی۔

"ارسم، یہ کیا ہے؟"

اُس نے گفٹ اُٹھا کر اُسکی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ارسم نے ایک نظر گفٹ پر ڈالی اور مسکرا دیا۔

"رامین، گفٹ ہے یار۔ پریشان مت ہو، یہ میری طرف سے نہیں ہے۔"

وہ چند لمحے رکا، پھر فوراً بولا۔

"زوہان کی طرف سے ہے۔"

ارسم نے جیسے جان بوجھ کر زوہان کا نام لیا تھا تاکہ وہ اُسکی آنکھوں میں آنے والی ناراضی سے بچ سکے۔

رامین نے اُسے دیکھا اور پھر بے اختیار مسکرا دی۔ دونوں کی نظر ایک لمحے کے لیے زوہان پر گئی جو ابھی بھی سو رہا تھا۔

"ایسے ہی مسکراتی رہا کرو۔"

ارسم نے آہستہ سے کہا تھا۔

"اور جلدی بریک فاسٹ کر لینا، میں لنچ پر گھر آؤں گا۔"

وہ بیڈ کے پاس گیا، زوہان کے ماتھے پر پیار کیا اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

رامین خاموشی سے اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

کمرے میں اُسکے قدموں کی آواز ختم ہو گئی، لیکن اُسکے الفاظ ابھی بھی رامین کے دل میں گونج رہے تھے۔

"جب آپ کو میرے بارے میں پتہ چل جائے گا، تب بھی کیا آپ ایسا کریں گے؟"

رامین نے دل ہی دل میں ارسم سے سوال کیا تھا۔

پھر اُس نے ایک نظر زوہان کو دیکھا اور خاموشی سے اپنے کام میں لگ گئی۔

//////////

امجد، آج رات مجھے کوئی گڑبڑ نہیں چاہیے۔ سیکیورٹی کا خاص انتظام کرنا۔" ظہیر خان نے امجد سے کہا، جو سر جھکائے خاموشی سے اُن کی بات سن رہا تھا۔اس وقت وہ خان حویلی میں ہی موجود تھے۔

"جی خان، آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔ میں نے سارا انتظام کر دیا ہے، آج کوئی مشکل نہیں ہو گی۔" امجد نے یقین دلاتے ہوئے جواب دیا۔

"تم جانتے ہو نہ امجد، عامر کے جانے کے بعد میرا آدھا کام ختم ہو گیا ہے۔ میں اس بار کوئی خطرہ نہیں لے سکتا۔" ظہیر خان کی آواز میں چھپی ہوئی پریشانی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ اس بار ذرا سی غلطی بھی اُن کے لیے بہت بڑا نقصان بن سکتی ہے۔

"جی خان، میں سمجھ رہا ہوں آپ کی بات، لیکن اس بار سکندر شاہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔ ہم اپنا کام ضرور کر لیں گے۔" امجد نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں، اس خانزادہ پر بھی تھوڑی نظر رکھو۔ یہ لڑکی دوبارہ ہمارے کام میں ٹانگ نہ اڑائے۔" ظہیر خان نے تشویش بھرے لہجے میں کہا تھا۔

اُن کی نظریں سامنے گارڈن میں موجود اپنے بیٹے پر تھیں، جو وہیل چیئر پر بیٹھا اپنے ملازموں پر غصہ کر رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر غصہ اور بے بسی دونوں نمایاں تھے۔

امجد نے ظہیر خان کی بات پر ہلکی سی مسکراہٹ دبائی، لیکن اُن کے دیکھنے سے پہلے ہی اپنے تاثرات چھپا لیے۔

"ٹھیک ہے خان، جیسا آپ چاہیں۔ میں جا کر رات کی تیاری کرتا ہوں۔" امجد نے کہا۔

ظہیر خان کے سر ہلانے پر وہ وہاں سے چلا گیا، جبکہ ظہیر خان وہیں کھڑے آنے والے وقت کے بارے میں سوچتے رہے۔

//////////

صبح گیارہ بجے کا وقت تھا اور وہ پولیس اسٹیشن میں موجود تھی۔ اپنی مخصوص یونیفارم میں، سر پر حجاب لیے وہ پُر اعتماد انداز میں چلتی ہوئی اُس کھوٹری کے سامنے آ کر رُکی، جہاں عابد کو رکھا گیا تھا۔

وہ کچھ دیر خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی، جو زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے چہرے پر پہلے جیسا غرور نہیں تھا، بلکہ اب تھکن اور بے چینی صاف نظر آ رہی تھی۔

"کیسا لگ رہا ہے؟" خانزادہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

عابد نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا اور ایک بار پھر غصے سے بول پڑا۔

"تم کیا چاہتی ہو مُجھ سے؟ تمہارے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔ مجھے نکالو یہاں سے، مجھے وکیل چاہیے۔"

اُسے اب یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کتنے عرصے سے وہاں موجود تھا۔ بس اتنا جانتا تھا کہ خانزادہ ہر دو دن بعد آتی تھی اور ہر بار اُس سے وہی سوال کرتی تھی، سچ کا۔

"تم اچھے سے جانتے ہو کہ میں کیا چاہتی ہوں۔ سچ... میں صرف سچ جاننا چاہتی ہوں۔"

خانزادہ نے پُر سکون لہجے میں کہا، پھر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور کس خوش فہمی میں ہو تم؟ تمہارے خلاف سب سے بڑا ثبوت میں خود ہوں۔ تمہارے خلاف حراسمنٹ کی ایف آئی آر درج ہے۔"

"تم بھی جانتی ہو میں نے تمہارے ساتھ کچھ نہیں کیا تھا۔" عابد نے جھنجھلا کر کہا۔

"اوہ، سوری... لیکن یہ تو میں جانتی ہوں۔" خانزادہ نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "لیکن کرنے کا ارادہ تو تھا نہ؟"

اُس کے الفاظ پر عابد کچھ لمحے خاموش ہو گیا۔

"اور ویسے بھی، جن کے ساتھ تم نے غلط کیا ہے، اگر میں چاہوں تو وہ ابھی تمہارے خلاف بیان دینے کے لیے تیار ہیں۔ ویسے بھی عابد صاحب، آپ اپنی حرکتوں کی وجہ سے خاصے مشہور ہیں۔"

خانزادہ نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"تم میرے ساتھ یہ کیوں کر رہی ہو؟ آخر لگتی کیا تھی وہ تمہاری؟" عابد نے بے بسی سے پوچھا تھا۔

اُس سوال پر پہلی بار خانزادہ کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ اُس کی آنکھوں میں غصہ صاف نظر آنے لگا تھا۔

"جسے تمہاری ماں، تمہاری وہ کزن اور تم نے مارا... وہ میری زندگی کا سب سے قیمتی حصہ تھی۔"

وہ ایک لمحے کے لیے رُکی، پھر غصے سے بولی۔

"اُس کے لیے میں تم جیسے کئی لوگوں کو زمین میں گاڑ سکتی ہوں۔"

خانزادہ کے لہجے میں اتنی سختی تھی کہ عابد بھی ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا تھا۔

"میرا یقین کرو، میں نے اُسے نہیں مارا۔" عابد فوراً اپنی صفائی پیش کرنے لگا۔

"میں آخری موقع دے رہی ہوں تمہیں، عابد۔"

خانزادہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ساری حقیقت کا اعتراف کر لو، اور اپنی ماں اور اپنی کزن کا سچ بتا دو۔ ورنہ پوری زندگی اسی جیل میں چکی پیستے رہو گے۔"

وہ اُس کے قریب آ کر رُکی۔

"اور کس کو بچا رہے ہو؟ اُس ماں کو، جو خود اپنی عیاشیوں کی زندگی جی رہی ہے؟ اُس نے تمہیں تمہارے جواری باپ کے پاس سڑنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ سوچو، اگر وہ تمہیں اپنے ساتھ لے جاتی تو شاید آج تم ایسے نہ ہوتے۔"

خانزادہ نے اُس کی سب سے دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

عابد غصے سے اُسے گھور رہا تھا، لیکن اُس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

"دو دن۔ صرف دو دن ہیں تمہارے پاس۔ میں پھر آؤں گی۔"

خانزادہ نے اُسے وقت دیا اور وہاں سے باہر نکل گئی۔

"سینئیر، کیا لگتا ہے آپ کو؟ بولے گا؟"

صوفیہ جو کافی دیر سے خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہی تھی، باہر آتے ہی پوچھنے لگی۔

"ہاں، بولے گا۔"

خانزادہ نے پُر اعتماد انداز میں جواب دیا۔

"زاہد سے کہو دو دن اُس کی مہمانوں کی طرح خاطر کرے۔ اُسے سوچنے دو۔ وہ سب بول دے گا، کیونکہ اب اُس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں بچا۔"

"ٹھیک ہے، تو پھر انتظار کرتے ہیں دو دن۔"

صوفیہ نے کہا اور دونوں وہاں سے اپنے اپنے گھر کے لیے روانہ ہو گئیں۔

////////////////

اس وقت ابراہیم ہاؤس میں سب لوگ لنچ کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔ اب سب لنچ زیادہ تر گھر پر ہی کرتے تھے۔ رامین خود کھانا بناتی تھی، اور ابراہیم صاحب کو بھی اُس کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا بہت پسند تھا۔ سب خاموشی سے کھانے میں مصروف تھے کہ تبھی رومان نے بات شروع کی۔

"مجھے آپ لوگوں سے کچھ بات کرنی ہے۔"

رومان نے ابراہیم صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کے لہجے میں آج ہمیشہ والی شرارت نہیں تھی، بلکہ ایک سنجیدگی تھی۔

"ہاں بولو، کیا بات کرنی ہے؟"

ارسم نے فوراً اُسے پوچھا، جبکہ باقی سب کی نظریں بھی اب رومان پر آچکی تھیں۔

"وہ... میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

رومان نے ایک بار پھر ابراہیم صاحب کی طرف دیکھا، جو خاموشی سے اُسے سن رہے تھے۔

"کس سے شادی کرنا چاہتے ہو رومان؟"

رامین نے اُسے چھیڑتے ہوئے پوچھا، اور اُس کے تاثرات دیکھ کر ارسم اور رامین دونوں مسکرا دیے۔

"بھابھی یار، آپ کو پتہ ہے پھر بھی میری ٹانگ کھینچ رہی ہیں نہ۔"

رومان نے شکایتی انداز میں رامین کو دیکھا۔

"ٹھیک ہے بتاؤ شہزادے، کہاں شادی کرنا چاہتے ہو تاکہ ہم رشتہ لے کر جا سکیں۔"

رامین ابھی کچھ کہتی، اُس سے پہلے ہی ابراہیم صاحب بولے، جن کی بات سن کر رومان کا چہرہ خوشی سے کھل اُٹھا۔

"لو بھئی، یہاں پر تو رسم ہی شروع ہو گئی ہے۔ ہر کوئی بس اپنی من مانی کر رہا ہے، پہلے ایک نے کی اور اب دوسرا کر رہا ہے۔"

انیلہ صاحبہ جو کافی دیر سے خاموشی سے سب سن رہی تھیں، آخر کار اپنے غصے میں بول پڑیں۔

رامین نے فوراً ارسم کی طرف دیکھا، جو اُن کی بات پر اپنا سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

"اگر ایسی بات ہے امی، تو اس کی شروعات تو آپ سے ہوئی ہے نا۔ اب گھر میں موجود لوگوں کا کچھ تو اثر پڑے گا بچوں پر۔"

رومان بھی کہاں چُپ رہنے والا تھا، اُس نے بھی اُسی انداز میں جواب دے دیا۔

اُس کی بات پر انیلہ صاحبہ تلملاتی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئیں، جبکہ باقی سب اُن کے انداز پر مسکرا رہے تھے۔

"اچھا بر خودار، کل چلیں گے ہم تمہارے رشتے کی بات کرنے۔ اور ہاں، ذرا آ کر بات کرو مجھ سے اکیلے میں۔"

ابراہیم صاحب نے رومان سے کہا اور کھانا ختم کرنے کے بعد لائبریری کی طرف چل دیے، جہاں انہوں نے رومان کو بھی بات کرنے کے لیے بُلایا تھا۔

"اب بابا کیا بات کریں گے بھائی؟"

رومان نے ارسم کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ، جا کر بتاؤ جو پوچھتے ہیں۔ وہ مان گئے ہیں تو تم پریشان کیوں ہو رہے ہو؟"

ارسم نے اُس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس شادی سے پہلے والی نروسنیس ہو رہی ہے مجھے۔"

رومان اپنے مخصوص انداز میں بولا، جس پر رامین اُس کے انداز پر ہنس دی، جبکہ ارسم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"کمال کا سینس آف ہیومر ہے تمہارا رومان۔"

رامین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بس بھابھی، آپ کو تو پتہ ہے، ٹیلنٹ تو کوٹ کوٹ کر بھرا پڑا ہے۔ کبھی غرور نہیں کیا بس۔"

رومان اپنی تعریف خود ہی کرنے لگا، جس پر ارسم بھی مسکرا دیا۔

اور پھر رومان ابراہیم صاحب سے بات کرنے کے لیے چلا گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں ارسم؟"

رامین نے اُسے کہا جو کھانا کھانے کے بعد اُس کے ساتھ ہی ٹیبل سے ڈشز اُٹھانے لگا تھا۔

"کیا مطلب ہے کیا کر رہا ہوں؟ تمہاری مدد کر رہا ہوں۔"

ارسم نے سادگی سے جواب دیا اور اُس کے ساتھ کام کرنے لگا۔

"ارسم، آپ یہ سب مت کریں پلیز۔ ثمینہ ابھی آجائے گی اور کروالے گی یہ کام۔ میں کون سا یہ سب اکیلی کرنے والی ہوں۔"

رامین نے اُس کے ہاتھ سے ڈشز لے کر کچن میں موجود کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں نے زندگی میں کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ میں تو عنایا کے ساتھ بھی..."

ارسم رُک گیا۔

عنایا کا نام آتے ہی اُس کی آواز خاموشی میں بدل گئی۔

"کیا کہہ رہے تھے آپ؟ بولیں ارسم۔"

رامین اُس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ اب اپنا رخ موڑ چکا تھا۔

"ارسم، آئی ایم سوری۔ آپ پلیز میری وجہ سے پریشان مت ہوا کریں، اور عنایا کو یاد کرنے سے خود کو مت روکا کریں۔"

رامین نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تم کیوں سوری بول رہی ہو؟"

ارسم نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"عنایا کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ وہ میری پہلی محبت ہے، جو مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ اور اس سب میں تم خود کو قصوروار مت سمجھو۔"

ارسم کے الفاظ سن کر رامین کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تم رو کیوں رہی ہو، رامین؟"

ارسم نے اُس کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ رامین اتنی جذباتی کیوں ہو گئی تھی۔

رامین بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ ارسم کے سامنے اُس کے جذبات اتنے کمزور کیوں پڑ جاتے ہیں۔

"کچھ نہیں... اچھا اب جائیں، مجھے کام کرنے دیں۔"

رامین نے خود کو اُس سے دور کرتے ہوئے کہا۔

ابھی ارسم کچھ کہتا، اس سے پہلے ہی ثمینہ کچن میں داخل ہو گئی، اور وہ دوبارہ آفس کے لیے روانہ ہو گیا۔

"یہ کیا کر رہی ہوں میں؟ رامین ہوش میں آؤ تم... تم یہاں کیوں آئی ہو، بھولنا مت۔"

رامین نے خود سے کہا اور سب کام ثمینہ کے حوالے کرنے کے بعد اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

//////////

رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔ پورا گھر گہری خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر طرف سکون تھا، جیسے وقت بھی چند لمحوں کے لیے تھم گیا ہو۔

وہ مکمل تیار کھڑی تھی۔ آج اُس کی آنکھوں میں غیر معمولی سنجیدگی اور عزم صاف جھلک رہا تھا، کیونکہ آج کی رات اُس کے مشن کا سب سے اہم مرحلہ تھا۔

اُس نے مڑ کر بیڈ کی طرف دیکھا۔ حیرت کی بات تھی کہ زوہان ابھی تک جاگ رہا تھا۔ وہ اپنی ننھی ننھی آنکھوں سے اُسے دیکھ رہا تھا، جیسے اُس کے جانے کا احساس ہو گیا ہو۔ جبکہ اُس کے ساتھ ہی ارسم گہری نیند میں سو رہا تھا، اُس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح سکون بکھرا ہوا تھا۔

رامین آہستہ سے زوہان کے قریب بیٹھی، اُس کے نرم و ملائم بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"میری جان، پلیز شور نہیں کرنا، اور بابا کو مت اُٹھانا۔ میں جلدی واپس آجاؤں گی، میرا وعدہ ہے تم سے... ٹھیک ہے میرے شہزادے؟"

زوہان نے جیسے اُس کی بات سمجھ لی ہو، وہ خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔ رامین کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر اُس کی آنکھوں میں چھپی بے چینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

پھر اُس کی نظریں ارسم پر جا ٹھہریں۔ وہ چند لمحے خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔ دل چاہا سب کچھ یہی بتا دے، مگر ابھی وقت اُس کے حق میں نہیں تھا۔

"آئی ایم سوری، ارسم... میں بہت جلد آپ کو سچ بتا دوں گی۔ آپ... مجھے غلط مت سمجھیے گا۔"

اُس نے دھیرے سے کہا، جیسے یہ الفاظ صرف ارسم نہیں بلکہ اُس کا اپنا دل بھی سن رہا ہو۔

ایک گہری سانس لے کر اُس نے خود کو سنبھالا، پھر دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گئی، تاکہ نہ زوہان جاگے اور نہ ہی ارسم کی نیند خراب ہو۔

آج کی رات صرف ایک اور رات نہیں تھی... آج اُس کے لیے فیصلہ کن رات تھی۔

//////////

اس وقت وہ لوگ اُس خفیہ اڈے کے قریب موجود تھے، جہاں معصوم بچوں کو قید کر کے رکھا گیا تھا۔ چند ہی لمحوں بعد اُن بچوں کو یہاں سے دوسرے ملک منتقل کیا جانا تھا، اس لیے وقت اُن کے ہاتھ سے تیزی سے نکل رہا تھا۔

ہر آفیسر پوری طرح تیار تھا۔ سب نے اپنی مخصوص یونیفارم کے اوپر حفاظتی جیکٹس، ماسک اور ضروری سامان پہن رکھا تھا۔ فضا میں عجیب سی خاموشی تھی، مگر ہر ایک کے دل کی دھڑکن معمول سے کہیں زیادہ تیز تھی۔

"ہم وقت پر پہنچ گئے ہیں۔" خانزادہ نے اپنی پوری ٹیم پر نظر ڈالتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

"سب سے پہلی بات... ہمارا سب سے اہم مقصد ان بچوں کی حفاظت ہے۔ ہمیں ہر حال میں اُنہیں صحیح سلامت یہاں سے نکالنا ہے۔"

وہاں اُن کی پوری ٹیم موجود تھی۔ صوفیہ، شاہ میر اور اُن کے ساتھ چھ سے سات آفیسرز مکمل تیاری کے ساتھ اپنے اپنے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔

"اور ایک بات، آفیسرز..."

اس بار شاہ میر بولے۔

"ہم میں سے کوئی بھی ایکسپوز نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ ہم سے اوپر ایسے بہت سے لوگ ہیں جو نہیں چاہتے کہ ہم اس وقت یہاں موجود ہوں۔ اس لیے ہر حال میں اپنے ماسک چہرے پر رکھیں۔"

سب نے خاموشی سے سر ہلا کر اُن کی بات کی تائید کی۔

"آج اگر ہم کامیاب ہو گئے، تو نہ جانے کتنے معصوم بچوں کی زندگیاں بچ جائیں گی، جن کی زندگی ابھی شروع بھی نہیں ہوئی۔ اس لیے کوئی بھی رسک نہیں لے سکتے ہم۔"

خانزادہ کی آواز میں پہلے سے بھی زیادہ سختی آگئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ ایک معمولی سی غلطی پورا آپریشن ناکام کر سکتی ہے۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے، لیکن ان بچوں کو بچانے کے بعد رکھیں گے کہاں؟"

صوفیہ نے تشویش سے اُن دونوں کی طرف دیکھا۔

خانزادہ اور شاہ میر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہلکا سا مسکرا دیے۔

"اس کا انتظام ہو چکا ہے۔ ہمیں صرف بچوں کو یہاں سے نکالنا ہے۔"

خانزادہ نے جواب دیا، پھر سب کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور ہاں، ہم پیچھے والے راستے سے اندر جائیں گے تاکہ کسی کی نظر میں نہ آئیں۔ آپ لوگوں کے پاس جو بیگ موجود ہیں، اُن میں بے ہوش کرنے والی گیس اور باقی ضروری سامان موجود ہے۔ کسی پر گولی چلانے کی ضرورت نہیں، جب تک مجبوری نہ ہو۔ سب کو خاموشی سے بے ہوش کرنا ہے، پھر ایک ایک کر کے پولیس وین میں منتقل کرتے جانا۔ یہ لوگ کل سے پہلے ہوش میں نہیں آئیں گے۔"

خانزادہ نے آخری ہدایات دیتے ہوئے سب کی طرف ایک نظر ڈالی۔

"اور بچے کہاں ہیں؟"

صوفیہ نے ایک بار پھر سوال کیا۔

"ہمیں جو معلومات ملی ہیں، اُن کے مطابق بچے اندر موجود تہہ خانے میں قید ہیں۔"

خانزادہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں تہہ خانے میں جاؤں گی، جبکہ آپ سب باہر کا محاذ سنبھالیں گے۔ کوئی بھی اپنی پوزیشن نہیں چھوڑے گا جب تک میں اطلاع نہ دوں۔"

سب نے خاموشی سے "یس، میم" کہا۔

اگلے ہی لمحے وہ سب ایک ایک کر کے پچھلے دروازے سے اڈے کے اندر داخل ہو گئے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں بندوق موجود تھی، مگر اُن کی پہلی ترجیح لڑائی نہیں بلکہ بچوں کی جان بچانا تھی۔

باہر جگہ جگہ مسلح سیکیورٹی گارڈ تعینات تھے، جن کے ہاتھوں میں جدید اسلحہ موجود تھا۔ ذرا سی آہٹ پورے مشن کو خطرے میں ڈال سکتی تھی۔

سب آفیسر نہایت احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے۔ جس گارڈ تک پہنچتے، اُسے خاموشی سے بے ہوش کر دیتے، پھر دوسرے آفیسر اُسے اُٹھا کر پولیس وین میں منتقل کر دیتے۔

پورے اڈے میں خاموشی سے ایک ایسی کارروائی جاری تھی، جس کی خبر ابھی تک دشمن کو بھی نہیں ہوئی تھی۔

//////////

خانزادہ تہہ خانے کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اچانک اُسے اپنے پیچھے کسی کی آہٹ سنائی دی۔ وہ فوراً وہیں رک گئی۔ اگلے ہی لمحے کسی نے اُس کی کنپٹی پر بندوق رکھ دی۔

ایک ہی جھٹکے میں وہ پلٹی۔ سامنے والے کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اُس نے اُس کے ہاتھ سے بندوق چھین لی اور اُسی بندوق کے بٹ سے اُس کے سر پر زوردار وار کیا۔ وہ آدمی کراہتے ہوئے زمین پر گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

خانزادہ نے جلدی سے اُسے قریب ہی ایک تاریک کونے میں گھسیٹ کر چھپا دیا اور دوبارہ آگے بڑھ گئی۔ چند قدم آگے تین آدمی موجود تھے۔ اُن میں سے دو اپنے فون میں مصروف تھے، جبکہ تیسرا اُس دروازے کے سامنے پہرہ دے رہا تھا، جس کے پیچھے بچوں کو قید رکھا گیا تھا۔

خانزادہ نے خاموشی سے اپنے بیگ سے سرنجیں نکالیں اور اُن میں بے ہوشی کا انجیکشن بھرا۔ پھر ایک ہی لمحے میں اُس نے دونوں ہاتھوں سے بیک وقت نشانہ لیا۔

اگلے ہی پل دونوں سرنجیں اپنی منزل تک پہنچیں، اور فون دیکھنے والے دونوں آدمی لڑکھڑاتے ہوئے وہیں زمین پر گر گئے۔

تیسرے آدمی کا دھیان فوراً خانزادہ کی طرف گیا۔ وہ بندوق سنبھالتا ہوا اُس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ خانزادہ نے ایک اور سرنج اُس کی گردن کی طرف پھینکی۔ انجیکشن لگتے ہی اُس کے قدم لڑکھڑائے، اُس کی آنکھیں بوجھل ہوئیں، اور چند ہی لمحوں میں وہ بھی زمین پر بے ہوش پڑا تھا۔

"تم لوگوں کو ضائع کرنے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے، ورنہ تمہاری لڑنے کی خواہش ضرور پوری کرتی۔"

خانزادہ نے بے ہوش پڑے آدمی پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے آہستہ سے کہا، پھر تیزی سے اُس دروازے کی طرف بڑھی۔

اُس نے دروازے کا لاک کھولا اور جیسے ہی دروازہ آہستہ سے اندر کی طرف دھکیلا...

سامنے کا منظر دیکھ کر اُس کی روح تک کانپ گئی۔

//////////

آفیسر، جلدی ڈاکٹرز کا انتظام کرو۔ خانزادہ نے اپنے ہاتھ میں موجود ووکی ٹاکی پر کہا تھا۔

"سینئیر، سب ٹھیک تو ہیں نا؟" صوفیہ کی آواز دوسری جانب سے سنائی دی تھی، جبکہ شاہ میر نے اپنے فارم ہاؤس پر ڈاکٹرز کا انتظام کر دیا تھا۔

"مجھے تمہاری یہاں ضرورت ہو گی، بچوں کو یہاں سے نکالنے کے لیے۔ جلدی یہاں پہنچو۔" خانزادہ کی آواز سنتے ہی وہ فوراً اپنی جگہ چھوڑ کر تہہ خانے کی طرف بھاگی تھی۔

وہاں پہنچ کر اُس کا حال بھی خانزادہ سے مختلف نہیں تھا۔

"یااللہ! یہ سب تو..." صوفیہ بولتے بولتے رک گئی تھی اور خانزادہ کی طرف دیکھا تھا، جو باری باری ایک ایک بچے کے پاس بیٹھ کر اُنہیں دیکھ رہی تھی۔

وہاں تقریباً سو سے زیادہ بچے موجود تھے، جن میں زیادہ تر گیارہ سے بارہ سال کی بچیاں تھیں۔ اُن کے کپڑے جگہ جگہ سے پھٹے ہوئے تھے، اُن کے چہروں اور جسموں پر بھی جگہ جگہ تشدد کے نشانات موجود تھے، جیسے اُنہیں بے رحمی سے مارا گیا ہو۔ اُن کی حالت اتنی خراب تھی کہ دیکھنے والے کا دل بھی کانپ جاتا۔ اُن میں سے زیادہ تر بچے بے ہوش تھے۔

"صوفیہ، بیگ کھولو، اُس میں کپڑے رکھے ہیں، اُنہیں کور کرو اور جلدی یہاں سے لے کر جاؤ۔" خانزادہ نے اُسے آرڈر کیا تو اُس نے فوراً بیگ کھولا، جس میں کافی ساری چادریں موجود تھیں۔ وہ باری باری اُن سب کو ڈھانپ کر وہاں سے نکالنے لگیں۔

"خانزادہ، ہمیں جلدی کرنا ہوگا، ہمارے پاس وقت کم ہے۔"

شاہ میر وہاں آتے ہی اُس سے بولا تھا۔

وہ تقریباً سارے بچوں کو وہاں سے نکال چکی تھی، اب وہاں صرف دو بچے باقی تھے۔

"شاہ میر، اِنہیں لے کر یہاں سے جاؤ۔" خانزادہ نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا، جو حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ساتھ نہیں چل رہی؟" شاہ میر نے اُس سے پوچھا تھا۔

"میں آجاؤں گی، لیکن پہلے یہ جگہ تباہ ہو گی۔ اب تم اِنہیں لے کر جاؤ۔" خانزادہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"تمہیں چھوڑ کر ہرگز نہیں۔" شاہ میر نے بھی اُسی کے انداز میں کہا تھا۔

"تمہیں مجھ پر یقین ہے، تو یہ بات بھی تمہیں پتہ ہو گی کہ میں اپنا حساب کبھی آدھا نہیں چھوڑتی، اور ابھی بہت سے لوگوں کے حساب باقی ہیں، جنہیں پورا کیے بغیر مجھے سکون نہیں ملے گا۔ اب جاؤ، میں تمہیں ایک گھنٹے میں ملوں گی۔" خانزادہ نے اُسے یقین دلاتے ہوئے کہا تھا۔

"ایک گھنٹے بعد... یاد رکھنا۔" شاہ میر نے اُن دو بچوں کو اُٹھایا تھا اور وہاں سے چلا گیا۔

تبھی باہر سے گاڑیوں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔

//////////

ظہیر خان جیسے ہی اندر داخل ہوا، اُس نے ایک نظر پورے تہہ خانے پر دوڑائی، لیکن وہاں نہ بچے موجود تھے اور نہ ہی اُس کے آدمی۔ چند بے ہوش گارڈز زمین پر پڑے تھے، جبکہ ہر طرف عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یہ منظر دیکھتے ہی اُس کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا۔

"امجد! میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ مجھے اس بار کوئی غلطی نہیں چاہیے تھی!"

ظہیر خان غصّے سے چیخا تھا۔ اُس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وہیں موجود ہر شخص کو گولی مار دے۔

"ارے چاچا جان! اُن پر کیوں چلا رہے ہیں؟ آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا، تھوڑا اپنی عمر کا بھی خیال کریں۔"

خانزادہ نے نہایت اطمینان سے اُن کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا۔ وہ ابھی بھی تہہ خانے میں موجود ایک کرسی پر آرام سے بیٹھی تھی، جیسے اُسے کسی بات کی کوئی پرواہی نہ ہو۔

"تم... تم نے کیا ہے یہ؟ آج تو تم میرے ہاتھوں سے مرو گی!"

ظہیر خان نے غصّے میں اپنے ایک گارڈ کے ہاتھ سے بندوق چھین کر سیدھی خانزادہ کی طرف تان دی۔ لیکن خانزادہ اُن کی یہ حرکت دیکھ کر ہنس پڑی۔

"سچ میں؟ آپ مجھے ماریں گے؟ اچھا، ٹھیک ہے... پہلے غصّہ تھوک دیں۔ آپ نے بھی تو سنا ہو گا، غصّہ انسان کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے۔"

وہ کرسی پر مزید آرام سے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کام میں ٹانگ اڑانے کی؟"

ظہیر خان غصّے سے پھنکارا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ گولی چلاتا، امجد آگے بڑھا اور اُس کے ہاتھ سے بندوق لے لی۔

"خان، آپ اِسے مار نہیں سکتے۔ آپ جانتے ہیں نا، پھر چھوٹے خان کے ساتھ آپ بھی پھنس جائیں گے۔"

امجد نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے، کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ خون تو ایک ہی ہے نا ہمارا، تو کوئی نہ کوئی خصلت تو آپ جیسی بھی آئے گی۔ اور میری خوش قسمتی دیکھیں، آپ ہی کی طرح دوسروں کے کام میں ٹانگ اڑانے کی عادت مجھے بھی ہے۔"

خانزادہ بڑے مزے سے بولی، جبکہ ظہیر خان کا پارہ اب ساتویں آسمان پر پہنچ چکا تھا۔

"تم یہاں آ تو گئی ہو، لیکن واپس نہیں جا پاؤ گی۔ پکڑو اِسے!"

پہلے اُس نے خانزادہ کو گھورتے ہوئے کہا، پھر اپنے گارڈز کو حکم دیا۔

چاروں طرف سے گارڈز اُس کی طرف بڑھنے لگے، لیکن خانزادہ اپنی جگہ سے ایک قدم بھی نہ ہلی۔ اُس کے ہونٹوں پر ویسی ہی پُراعتماد مسکراہٹ موجود تھی۔

جیسے ہی گارڈز اُس کے چند قدم کے فاصلے پر پہنچے...

دھڑام!

ایک زوردار دھماکے نے پورے تہہ خانے کو ہلا کر رکھ دیا۔

سب لوگ زمین پر جا گرے، جبکہ ہر طرف گھنا دھواں پھیل گیا۔ کسی کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اسی دھویں کے درمیان خانزادہ کی پُرسکون آواز گونجی۔

"ابھی تو جا رہی ہوں... جلد ہی دوبارہ ملاقات ہو گی، چاچا جان۔"

چند لمحوں بعد جب دھواں آہستہ آہستہ چھٹا تو وہاں خانزادہ کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

"امجد!"

ظہیر خان غصّے سے دہاڑا تھا۔

"جی، خان..."

امجد نے کھانستے ہوئے جواب دیا۔

"ڈھونڈو اُسے! مجھے ہر حال میں وہ چاہیے!"

ظہیر خان نے چیختے ہوئے سامنے رکھی چیزوں کو غصّے میں زمین پر دے مارا۔

امجد نے خاموشی سے سر اثبات میں ہلایا اور فوراً وہاں سے نکل گیا۔

//////////

رات کے ڈھائی بج رہے تھے اور وہ سب اس وقت شاہ میر کے فارم ہاؤس پر موجود تھے۔ بچوں کی حفاظت کے لیے عارضی طور پر یہیں انتظام کیا گیا تھا۔ فارم ہاؤس کے ہر کمرے میں بے بسی، خوف اور خاموشی کا راج تھا۔ ڈاکٹرز کی کئی ٹیمیں معصوم بچوں کا معائنہ کرنے میں مصروف تھیں، جبکہ باہر چند کیئر ٹیکرز خاموشی سے اُن کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ ہر گزرنے والا لمحہ اس رات کی ہولناکی کا احساس مزید گہرا کر رہا تھا۔

ایک لیڈی ڈاکٹر تیز قدموں سے چلتی ہوئی آفیسر آر خانزادہ کے قریب آ کر رکی۔

"آفیسر، بہت سی بچیوں کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے، اور بچوں کو بھی بے رحمی سے تشدد کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ ہم اُن کے سیمپلز ٹیسٹ کے لیے لے رہے ہیں، آپ کو جلد ہی رپورٹس مل جائیں گی۔"

ڈاکٹر کی بات سنتے ہی خانزادہ کے چہرے کی سنجیدگی مزید گہری ہو گئی، مگر اس نے خود کو مضبوط رکھتے ہوئے کہا،

"ڈاکٹر، یہ بات یہاں سے باہر نہیں جانی چاہیے۔"

اس کی کالی آنکھوں میں ایسا عزم تھا کہ ڈاکٹر بے اختیار سر ہلا گئی۔

"آپ فکر نہ کریں، جان جا سکتی ہے، لیکن ایمان نہیں جائے گا۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر وہاں سے چلی گئی۔

اب وہاں صرف صوفیہ، خانزادہ، شاہ میر اور چند کیئر ٹیکرز موجود تھے، جنہیں شاہ میر پہلے سے جانتا تھا۔ اس معاملے میں وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے، اسی لیے ہر شخص کو پوری احتیاط کے بعد منتخب کیا گیا تھا۔

"اب کیا کریں گے؟" صوفیہ نے اُن دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"سب سے پہلے جن بچوں کی فیملی موجود ہے، اُنہیں اُن کے گھروں تک پہنچائیں گے، اور پھر اُن سب کا حساب ہو گا جو اس سب میں شامل ہیں۔ لیکن اُس سے پہلے ہمیں مزید ثبوت اکٹھے کرنے ہوں گے۔"

خانزادہ نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

" صحیح کہہ رہی ہو۔اتنا کافی نہیں، ہمیں اپنی طرف سے پوری تیاری کرنی ہو گی، تاکہ مجرم چاہ کر بھی بھاگ نہ پائیں۔" شاہ میر نے کہا۔

دونوں نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر بعد خانزادہ بچوں کے درمیان جا کر بیٹھ گئی۔ کوئی بچہ خاموشی سے دیوار کو تک رہا تھا، کسی کی آنکھیں مسلسل رونے سے سوج چکی تھیں، اور کوئی ہلکی سی آہٹ پر بھی سہم کر اپنے وجود کو سمیٹ لیتا تھا۔اُن معصوم چہروں پر بچپن کہیں دکھائی نہیں دیتا تھا، صرف خوف لکھا ہوا تھا۔

تبھی ایک ننھی سی بچی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُس کے پاس آئی۔

"آپ نے ہمیں وہاں سے بچایا ہے... مجھے گھر جانا ہے... آپ مجھے اپنے گھر بھیجیں گے نا؟"

بچی کی کانپتی ہوئی آواز سن کر خانزادہ کے دل میں جیسے کسی نے خنجر اتار دیا۔

وہ بے اختیار محبت سے اُس کا ہاتھ تھامنے لگی، مگر بچی خوف زدہ ہو کر فوراً دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"ہاتھ... ن... نہیں..." وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔

خانزادہ نے فوراً اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔اُس کی آنکھیں ایک ہی لمحے میں نم ہو گئیں۔اُسے محسوس ہوا جیسے اس ننھی جان کا اعتماد بھی کسی نے اُس سے چھین لیا ہو۔

وہ بچی کے برابر بیٹھ گئی تاکہ اُسے خوف محسوس نہ ہو۔

"میں کچھ نہیں کروں گی آپ کو، وعدہ... اور ہاں، آپ کو آپ کے گھر بھی پہنچاؤں گی۔ بس آپ مجھے اپنے گھر کا پتہ بتا دینا، ٹھیک ہے؟" اس نے نہایت نرمی اور شفقت سے کہا۔

بچی نے لرزتی ہوئی نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"وہ... وہ انکل بھی یہی کہتے تھے کہ گھر لے جائیں گے... پھر وہ گندے..." اس کی آواز رندھ گئی۔

"آپ تو نہیں کرو گے نا؟"

یہ ایک سوال نہیں تھا... یہ اس معاشرے کے منہ پر ایک ایسا طمانچہ تھا، جس کی گونج شاید کبھی ختم نہ ہو۔

خانزادہ کے ضبط کی آخری دیوار بھی ٹوٹ گئی۔ وہ فوراً وہاں سے اُٹھی اور تیز قدموں سے باہر نکل آئی۔ جیسے ہی وہ بچوں کی نظروں سے اوجھل ہوئی، اُس کے آنسو بے اختیار بہنے لگے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ آج ایک پولیس آفیسر نہیں، صرف ایک حساس دل رکھنے والی لڑکی رو رہی تھی، جو معصوم بچوں کے زخم دیکھ کر اندر سے بکھر گئی تھی۔

"ہم اس معاشرے کو ایک دن میں تو نہیں بدل سکتے نا، خانزادہ۔"

شاہ میر کی آواز پر اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھے، مگر اس کی آنکھوں کی سرخی اُس کے ٹوٹ جانے کی گواہی دے رہی تھی۔

"نہیں... جانتی ہوں کہ ایک دن میں کچھ نہیں بدل سکتا، لیکن ہمارا معاشرہ دن بہ دن بد سے بدتر کیوں ہوتا جارہا ہے؟ کبھی اس پر غور کیا ہے؟" اس کی آواز دکھ سے بھر گئی۔

"اب یہاں چھوٹے معصوم بچوں کو بھی نہیں بخشا جاتا۔ اُن کی معصومیت... اُن کا بچپن... اُن کی عزت... سب کچھ اُن سے چھین لیا جاتا ہے۔ بچہ ہو یا بچی، کوئی محفوظ نہیں۔ آخر ان لوگوں کو ڈر کیوں نہیں لگتا؟ کیا یہ بھول گئے ہیں کہ ایک دن انہیں اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے؟ کیا انہیں اللہ سے بھی خوف نہیں آتا؟ یہ صحیح اور غلط کی پہچان تک بھول چکے ہیں... آخر ایسا کیوں ہے؟"

وہ بولتے بولتے پھر خاموش ہو گئی۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ آج وہ آفیسر آر خانزادہ نہیں لگ رہی تھی، جو ہر مشکل میں فولاد بن جاتی تھی، بلکہ صرف ایک عام لڑکی تھی، جس کا دل انسانیت کے نام پر کیے جانے والے ظلم کو دیکھ کر ٹوٹ گیا تھا۔

شاہ میر چند لمحے خاموش رہا، پھر پُر سکون لہجے میں بولا،

"ان سب کی رسی اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور جب صحیح وقت آئے گا تو یہ اپنے ہر گناہ کا حساب بھی دیں گے۔ پھر اللہ نے ہمیں بھی تو کسی مقصد کے لیے بنایا ہے۔ اگر اُس نے ہمیں اس مقام تک پہنچایا ہے تو یقیناً اس لیے کہ ہم اُن لوگوں کو انصاف دلا سکیں جن کے ساتھ ظلم ہوا ہے۔"

پھر اُس نے جان بوجھ کر ماحول ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

"اور ویسے... یہ بات تو ہر بار تم مجھے سمجھاتی ہو۔اس بار تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو لگ رہا ہے شادی کرنے کا کوئی سائیڈ ایفیکٹ ہو گیا ہے تمہیں۔"

خانزادہ نے آنسو صاف کیے اور اُسے گھورتے ہوئے کہا،

"زیادہ بکو مت... اور ٹائم بتاؤ مجھے۔"

شاہ میر ہلکا سا مسکرایا۔

"ساڑھے تین بج رہے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، تم یہاں سب سنبھال لینا۔مجھے واپس جانا پڑے گا،اور جو بھی اپڈیٹ ہو، فوراً مجھے بتانا۔"

شاہ میر نے خاموشی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

خانزادہ نے ایک آخری بار اُن معصوم بچوں کی طرف دیکھا، گہرا سانس لیا،اپنے چہرے پر دوبارہ مضبوطی کا نقاب سجایا اور بھاری قدموں کے ساتھ فارم ہاؤس سے باہر نکل گئی۔

//////////

"ادھر مجھ سے ایک برداشت نہیں ہو رہی،اور وہاں دوسری کو لے کر آنے کی تیاری ہو رہی ہے۔"

انیلہ صاحبہ غصے سے آئمہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تھیں۔

وہ آج صبح ہی آئمہ کے گھر آئی تھیں اور اس وقت اُس کے کمرے میں موجود تھیں۔کمرے میں ادویات کی ہلکی سی بو پھیلی ہوئی تھی۔آئمہ بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ڈاکٹر نے اُس کے پاؤں کی ہڈی

ٹوٹنے کی وجہ سے دو مہینے کا مکمل بیڈ ریسٹ بتایا تھا،اس لیے وہ کئی دنوں سے گھر کی چار دیواری میں قید تھی۔ مسلسل ایک ہی جگہ پڑے رہنے کی جھنجھلاہٹ اُس کے چہرے سے صاف جھلک رہی تھی۔

" صحیح ہے ویسے خالہ جانی، میں یہاں دو ہفتوں سے بستر پر پڑی ہوں، آپ کو میرا خیال نہیں آیا اتنے دنوں سے،اور آج جب آپ کے شوہر کا دوسرا بیٹا اپنی مرضی سے شادی کرنے لگا ہے، تو آپ کو اپنا غم ہلکا کرنے کے لیے میری یاد آگئی۔"

آئمہ نے نخوت بھرے انداز میں اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری اپنی ہی خطائیں ہیں یہ۔ایک انسان کو تو اپنے قابو میں کر نہ سکی،اور اب ہر وقت مجھے آکر رونا سناتی رہتی ہو۔"

انیلہ صاحبہ بھی جھنجھلا کر بولیں۔وہ آئمہ کی روز روز کی شکایتوں سے پہلے ہی تنگ آچکی تھیں،اور اب اُن کے اپنے مسائل بھی بڑھتے جا رہے تھے۔

" صحیح بولا... لیکن آج میرے پاس کرنے کیا آئی ہیں؟ کوئی اور آپ کی سنتا تو ہے نہیں۔اب تو آپ کے شوہر نے بھی آپ کی بات سننا چھوڑ دی ہے۔"

آئمہ کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔اُس نے جان بوجھ کر اُن کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

انیلہ صاحبہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا، مگر وہ خود کو ضبط کرتے ہوئے بولیں،

"تم اپنے ڈرامے بند کرو گی؟ایک تو مجھے اُس رامین نے جینا حرام کر رکھا تھا،اور اب وہ دوسری لڑکی... وہ تو شکل سے ہی بہت چالاک لگتی ہے،اوپر سے پولیس والی بھی ہے۔مجھے تو اپنے اتنے سالوں کی ساری محنت خاک میں ملتی نظر آرہی ہے۔"

وہ غصے سے کمرے میں چکر لگاتے ہوئے بول رہی تھیں۔اُن کی بے چینی صاف ظاہر کر رہی تھی کہ حالات پہلی بار اُن کے قابو سے نکلتے محسوس ہو رہے تھے۔

آئمہ نے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجائی۔

"قسمت آج کل آپ پر کافی سخت ناراض چل رہی ہے۔آپ نے کیا کہا تھا، یاد ہے مجھے؟جب میں نے کہا تھا کہ اُس نوکرانی کو گھر سے باہر نکال دیں، لیکن آپ کے حساب سے تو وہ بہت اچھی تھی نا۔اب حالات یہ ہیں کہ اُسی نوکرانی کی وجہ سے آپ خود گھر سے باہر نکلنے کے راستے پر آگئی ہیں۔"

انیلہ صاحبہ نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں اور گھور کر اُسے دیکھنے لگیں۔

"تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے۔بڑے چھوٹے کا لحاظ تک بھول گئی ہو۔"

وہ دانت پیستے ہوئے بولیں۔

آئمہ نے کندھے اچکائے اور بے پروائی سے کہا،

"ارے خالہ، میں تو صرف سچ بول رہی ہوں... اور سچ ہمیشہ کڑوا ہوتا ہے۔شاید اسی لیے آپ کو اتنا بُرا لگ رہا ہے۔"

اس کے لہجے میں طنز بھی تھا اور فتح کا سا احساس بھی۔

"دفعہ ہو جاؤ تم... تم اس قابل ہی نہیں تھیں کہ اُس گھر کا حصہ بنتیں۔"

انیلہ صاحبہ غصے سے بولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ جاتے ہوئے اُن کے قدم بھی غصے کی شدت بیان کر رہے تھے۔

دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو آئمہ ہلکا سا مسکرائی اور خود سے بڑبڑائی،

" صحیح کہا... اب آپ کو اپنی اصلی اوقات جو پتہ چل رہی ہے۔ اب تو میں آپ کو کہاں اچھی لگوں گی۔"

وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر بے زاری سے اپنے ٹوٹے ہوئے پاؤں کی طرف دیکھا۔

ویسے بھی وہ کئی دنوں سے اسی کمرے میں قید تھی۔ نہ کہیں جا سکتی تھی، نہ اپنی مرضی کا کچھ کر سکتی تھی۔ یہ بے بسی، اوپر سے مسلسل ناکامیاں، اُس کے اندر کی چڑچڑاہٹ کو ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید بڑھا رہی تھیں۔

//////////

آج سنڈے تھا، اس لیے سب گھر پر ہی موجود تھے، اور سنڈے کے دن سب ناشتہ بھی دیر سے ہی کرتے تھے۔ آج اُنہیں رومان کے لیے صوفیہ کا رشتہ لے کر بھی جانا تھا۔

صبح کے نو بج رہے تھے۔ زوہان ثمینہ کے پاس تھا، جبکہ رامین ناشتے کی تیاری کے لیے کچن میں موجود تھی۔ چولہے پر آملیٹ بنتے ہوئے خوشبو پورے کچن میں پھیل رہی تھی کہ تبھی دروازہ کھلا اور انیلہ

صاحبہ اندر داخل ہوئیں۔اُن کے چہرے پر غصّہ صاف جھلک رہا تھا، جیسے وہ باہر سے نہیں بلکہ کسی جنگ کے میدان سے واپس آئی ہوں۔

"تم چاہے کچھ بھی کر لو، میں اب تمہیں اس گھر میں صحیح سلامت تو نہیں رہنے دوں گی۔"

انہوں نے رامین کو دیکھتے ہی زہر بھرے لہجے میں کہا۔

رامین نے پلٹ کر اُن کی طرف دیکھا۔اُس کے چہرے پر لمحہ بھر کے لیے ایک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر اُس نے فوراً اپنے تاثرات پر قابو پالیا۔وہ بدستور سکون سے آملیٹ پلیٹ میں منتقل کرتی رہی، جیسے انیلہ صاحبہ کی دھمکی اُس پر ذرّہ برابر اثر نہ ڈال سکی ہو۔

"ارے، اتنا غصّہ کیوں کر رہی ہیں ساسوماں؟ مجھے بتائیں نا، وہ کون ہے جس نے آپ کی انا کو ٹھیس پہنچا دی؟ میں بذاتِ خود جا کر اُس کا شکریہ ادا کروں گی۔آخر اتنا مہان کام کیا ہے بھئی، اتنا تو بنتا ہے۔"

رامین نے مکمل اطمینان سے اُن کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

اُس کی بات سنتے ہی انیلہ صاحبہ کا چہرہ غصّے سے سرخ ہو گیا۔اُن کی سانسیں تیز ہونے لگیں، جیسے ضبط کا بند ٹوٹنے والا ہو۔

"کر لو جتنے ڈرامے کرنے ہیں تم نے۔ تم نے لگایا نا اُس دوسری کو بھی، تاکہ اس گھر میں تمہارا پلڑا بھاری ہو سکے۔ چھوڑوں گی تو میں تم دونوں کو نہیں۔ بڑی آئی انسپکٹر! تمہاری جیسی بہت سی چلی گئی یہاں سے۔انیلہ نام ہے میرا، میری برداشت مت آزما... یہ نہ ہو کہ جان سے جاؤ تم!"

وہ صلیب پر رکھی چھری اُٹھاتے ہوئے غرائیں۔

رامین نے ایک لمحے کے لیے بھی خوف ظاہر نہ کیا۔اُس کی نظریں پوری سنجیدگی سے انیلہ صاحبہ کے چہرے پر جمی رہیں۔

"کیا کریں گی آپ میرا؟اور دھمکی دے رہی ہیں مجھے؟مجھے...آپ مجھے جانتی نہیں ہیں۔"

رامین نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے لفظ "مجھے "پر خاص زور دیا۔

اُس کی بے خوفی نے انیلہ صاحبہ کو اندر تک جلا دیا۔

"انیلہ بیگم،آگ اُتنی ہی نکالو کہ بعد میں اُس کی تپش برداشت بھی کر سکو۔اور کبھی فرصت سے اپنے اعمال پر روشنی بھی ڈالنا میرے سامنے...میں ضرور جاننا چاہتی ہوں کہ آخر کون سے پہاڑ سر کر رکھے ہیں تم نے۔"

رامین نے ہمیشہ کی طرح پُر سکون لہجے میں کہا۔

غصّے سے کانپتی انیلہ صاحبہ نے اچانک ہاتھ میں موجود چھری پوری طاقت سے رامین کے ہاتھ کی طرف دے ماری،جو اُس نے صلیب پر رکھا ہوا تھا۔

رامین نے بروقت ہاتھ ہٹا لیا،مگر چھری اُس کی ایک انگلی کو چھوتی ہوئی گزر گئی۔اگلے ہی لمحے باریک سی کٹ آئی اور خون کا ایک سرخ قطرہ انگلی سے بہہ نکلا۔

اسی لمحے...

"رامین! یہ چوٹ کیسے لگی تمہیں؟"

ارسم کی آواز کچن میں گونجی۔

وہ پانی لینے آیا تھا، مگر رامین کی زخمی انگلی دیکھتے ہی اُس کے قدم وہیں رک گئے۔

انیلہ صاحبہ نے گھبراہٹ میں فوراً چھری واپس رکھ دی۔

"ہاں بیٹا، دیکھو نا، بالکل خیال نہیں رکھتی خود کا۔ میں نے منع بھی کیا تھا کہ ہر کام میں ہاتھ مت ڈالا کرو، لیکن آج کل کے بچے سنتے کس کی ہیں۔"

انہوں نے فوراً بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

ارسم نے اُنہیں صرف ایک سرد نظر سے دیکھا، پھر دوبارہ رامین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"رامین، میں نے تم سے پوچھا ہے... یہ کٹ کیسے لگا؟"

اُس کی آواز میں فکر بھی تھی اور سختی بھی۔

"کچھ نہیں، میں ٹماٹر کاٹ رہی تھی، اُنگلی کٹ گئی۔ پر میں ٹھیک ہوں، ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے مجھے کچھ نہیں ہوتا۔"

رامین نے پہلی بات ارسم کو اور دوسری معنی خیز نظر انیلہ صاحبہ پر ڈالتے ہوئے کہی۔

انیلہ صاحبہ غصّے سے اُسے گھورتی ہوئی کچن سے نکل گئیں۔

"چلو، تم آرام کرو... اور یہ تمہارے بازو پر کیا ہوا ہے؟"

ارسم کی نظر اچانک اُس کے بازو پر پڑی، جہاں شرٹ پر خشک ہوتا ہوا خون نمایاں تھا۔

رامین نے خود بھی چونک کر دیکھا۔

تب اُسے یاد آیا کہ کل اڈے سے نکلتے وقت دھماکے کے بعد بھاگتے ہوئے وہ کسی نوکیلی چیز سے ٹکرائی تھی۔اُس وقت تو اسے درد محسوس ہی نہیں ہوا، صرف صبح ہلکی سی جلن ہوئی تھی، جسے اُس نے ہمیشہ کی طرح نظر انداز کر دیا تھا۔

"پتہ نہیں... کچھ لگ گیا ہو گا۔"

اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

ارسم نے خفگی سے اُسے دیکھا، پھر بغیر کچھ کہے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے کمرے میں لے آیا۔

//////////////

ارسم اب وہ پوری توجہ سے اُس کے بازو پر مرہم لگا رہا تھا۔

رامین خاموش بیٹھی تھی، لیکن اُس کی نظریں بار بار ارسم کے سنجیدہ چہرے پر جا ٹھہرتیں۔ جس احتیاط سے وہ اُس کی معمولی سی چوٹ صاف کر رہا تھا، وہ احساس رامین کے لیے نیا تھا۔

"مجھے حیرت ہے تم پر۔ دوسروں کی تکلیف تو تمہیں فوراً نظر آ جاتی ہے، مگر خود کو لے کر اتنی لاپرواہ کیوں ہو؟"

ارسم نے مرہم لگاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"میں ایسی ہی ہوں... ہمیشہ سے۔اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

رامین نے ہمیشہ کی طرح جذبات سے آری لہجے میں جواب دیا۔

ارسم نے مرہم لگانا مکمل کیااور پٹی باندھتے ہوئے دھیرے سے بولا،

"اگرایسی ہو تو بہتر ہے اب خود کو بدل لو، رامین۔خود کو تکلیف دینے سے تم کسی کا غم کم نہیں کر رہیں۔

اپنے لیے نہیں... تو زوہان کے لیے... اپنے گھر کے لیے..."

وہ چند لمحے رکا۔

پھر اُس نے نظریں اُٹھا کر سیدھا رامین کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ہمارے لیے۔اب بس کر دو... خود سے بھاگنا چھوڑ دو، رامین۔"

یہ الفاظ جیسے سیدھے رامین کے دل پر جا لگے۔

وہ ساکت بیٹھی تھی۔

اُسے پہلی بار محسوس ہوا کہ شاید کوئی اُس کے اندر چھپے اُس درد کو بھی دیکھ رہا ہے، جسے وہ برسوں سے خود سے بھی چھپاتی آئی تھی۔

"آپ کو ایسا کیوں لگا کہ میں خود سے بھاگ رہی ہوں؟"

اُس نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

اُس وقت بھی اُس کا ہاتھ ارسم کے ہاتھ میں تھا، اور ارسم نہایت نرمی سے اُس کی زخمی انگلی پر مرہم لگا رہا تھا۔

"تو کیا نہیں بھاگ رہیں؟ بتاؤ مجھے... تم رشتوں سے ڈرتی ہو، لوگوں کے قریب جانے سے بھی ڈرتی ہو۔ تمہیں خوف ہے کہ یہ رشتے ایک دن تمہیں تکلیف دیں گے، اسی لیے تم نے اپنے گرد ایک دیوار کھڑی کر لی ہے... جس سے نہ تم خود باہر آتی ہو، اور نہ کسی کو اندر آنے دیتی ہو۔"

ارسم کی نظریں مسلسل اُس کے چہرے پر تھیں۔

رامین حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

وہ بات... جو وہ کبھی خود سے بھی تسلیم نہ کر سکی تھی... آج سامنے بیٹھے ایک شخص نے چند لفظوں میں اُس کے سامنے رکھ دی تھی۔

وقت نے واقعی اُسے ایسا بنا دیا تھا۔

اُس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔

اُسے ڈر تھا... کہیں ارسم اُس کے دل کا کوئی اور راز بھی نہ پڑھ لے۔

"تم ٹھیک ہو؟"

ارسم نے نرمی سے پوچھا۔

"ہاں... میں ٹھیک ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں، اور ہمیں نیچے چلنا چاہیے۔ پھر ہمیں صوفیہ کے گھر جانے کے لیے بھی تو تیاری کرنی ہے۔"

رامین نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ سے نکالا اور کھڑی ہو گئی۔

" صحیح کہا، چلو پہلے بریک فاسٹ کر لیتے ہیں۔"

ارسم نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی رامین وہیں کھڑی رہ گئی۔

اُس نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ کیا ہو گیا ہے مجھے؟ آج کل میں اتنی جذباتی کیوں ہوتی جا رہی ہوں؟"

وہ خود سے سرگوشی کر رہی تھی۔

اُسی لمحے اُس کی نظر عنایا کی تصویر پر پڑی۔

وہ آہستہ آہستہ اُس کے قریب گئی اور تصویر کے سامنے رک گئی۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ اچھی خاصی زندگی چل رہی تھی، کیوں چلی گئی مجھے چھوڑ کر؟ اپنے حصے کے سارے جذبات میرے اندر ڈال گئی ہو، ایسا لگتا ہے آج کل مجھے۔ اور کیا کیا کرنا پڑے گا مجھے؟ میں ایسی نہیں ہوں... تم جانتی ہو نا۔"

اُس کی آواز میں برسوں سے دبے جذبات صاف سنائی دے رہے تھے۔

اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے عنایا کی مانوس آواز اُس کے آس پاس گونجی ہو۔

"نہیں... تم بھی انسان ہو، اور جذبات ہر انسان میں ہوتے ہیں۔ ہر انسان محبت بھی کرتا ہے... یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آہستہ آہستہ تم سب سمجھ جاؤ گی۔"

رامین نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

کمرہ خالی تھا۔

صرف خاموشی تھی...

اور عنایا کی مسکراتی ہوئی تصویر۔

رامین نے ایک بے بس سی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھیں بند کیں۔

"یہ تم نے مجھے کس کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے؟ میں خود سے بھی نظریں نہیں ملا پا رہی۔ میں جلد تمہارے مجرموں کو سزا دوں گی... اور ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی جاؤں گی۔ میں کبھی تمہاری جگہ نہیں لے سکتی۔"

تصویر سے یہ آخری وعدہ کر کے اُس نے ایک گہرا سانس لیا، اپنے بکھرے ہوئے جذبات سمیٹے، اور ناشتے کے لیے سب کے پاس چلی گئی۔

//////////////

وہ لوگ اس وقت صوفیہ کے گھر موجود تھے۔ رومان کے ساتھ ہی ثمر بھی آیا تھا۔ اُسے جب سے اس رشتے کے بارے میں پتہ چلا تھا، وہ نہ جانے کتنی بار رومان کو اُس کی پرانی باتیں یاد دلا چکا تھا، اور ہر بار رومان بس کھسیانی سی ہنسی ہنس کر بات ٹال دیتا تھا۔ ثمر کو اُسے چھیڑنے میں خاصا مزہ آرہا تھا، جبکہ رومان دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ کسی طرح آج کا دن خیریت سے گزر جائے۔

حارث صاحب، صوفیہ کے والد، ابراہیم صاحب کے کلاس فیلو نکلے تھے، اس لیے دونوں خاندانوں کے درمیان اجنبیت کم اور اپنائیت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ سب نے گرم جوشی سے ابراہیم صاحب اور اُن کے گھر والوں کا خیر مقدم کیا۔ صوفیہ پہلے ہی اپنے گھر والوں کو اُن کی آمد کے بارے میں بتا چکی تھی، اس لیے ہر طرف خوشگوار سی رونق تھی۔

البتہ انیلہ صاحبہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھی بے زاری کے عالم میں سب کو دیکھ رہی تھیں۔ اُن کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہاں ایک لمحہ بھی رکنا نہیں چاہتیں۔ دل تو اُن کا بار بار یہی چاہ رہا تھا کہ فوراً وہاں سے اٹھ کر چلی جائیں، مگر وہ جانتی تھیں کہ ابراہیم صاحب پہلے ہی آج کل اُن سے سخت خائف رہنے لگے تھے۔ وہ کسی صورت اُنہیں مزید اپنے خلاف نہیں کرنا چاہتی تھیں، اسی لیے اپنی بے زاری کو ضبط کیے خاموش بیٹھی تھیں۔

"تو کیا خیال ہے، حارث؟ ایک چھوٹی سی منگنی کی رسم ابھی کر لیتے ہیں، پھر شادی کی تاریخ کچھ عرصے بعد آرام سے طے کر لیں گے۔"

ابراہیم صاحب نے مسکراتے ہوئے حارث صاحب کی طرف دیکھا۔

اس وقت سب لوگ ہال میں موجود تھے، جبکہ ریحاصاحبہ، جو صوفیہ کی والدہ تھیں، مہمانوں کے لیے کھانے کاانتظام کرنے کچن میں گئی ہوئی تھیں۔

"بات تو بالکل ٹھیک ہے، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ مگر پھر بھی میں صوفیہ سے ایک بار پوچھنا چاہتا ہوں۔"

حارث صاحب نے تحمل سے کہا۔

صوفیہ اس وقت اپنے کمرے میں موجود تھی، جبکہ رومان ہال میں ثمر کے ساتھ صوفے پر بیٹھا تھا۔

اگرچہ وہ باہر سے پرسکون دکھائی دے رہا تھا، لیکن اُس کے دل کی دھڑکنیں معمول سے کہیں زیادہ تیز تھیں۔ ثمر بار بار اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیتا، اور رومان اُسے گھورنے کے سوا کچھ نہ کر پاتا۔

"انکل، آپ کو جیسا بہتر لگے، آپ صوفیہ سے بات کر لیجیے۔"

ارسم نے حارث صاحب کی جھجک محسوس کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

زوہان بھی اس وقت ارسم کی گود میں موجود تھا اور کبھی اُس کی گھڑی سے کھیلتا، تو کبھی اُس کی انگلی مضبوطی سے پکڑ لیتا، جس پر ارسم بے اختیار مسکرا دیتا۔

ادھر رامین ریحاصاحبہ کے ساتھ کچن میں اُن کی مدد کروا رہی تھی۔

"میں صوفیہ سے بات کر کے آتا ہوں، ابراہیم... پھر رسم بھی کر لیتے ہیں۔"

حارث صاحب کے لہجے میں ایک باپ کی محبت اور ذمہ داری صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ابراہیم صاحب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا، اور حارث صاحب اطمینان سے صوفیہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

//////////

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو صوفیہ نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا اور حارث صاحب مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اپنے بابا کو دیکھتے ہی صوفیہ کے چہرے پر بے اختیار ایک نرم سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"بابا، کیسے لگے وہ آپ کو؟"

صوفیہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر اُن کا ہاتھ تھامتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔ اُس کی آنکھوں میں تجسس بھی تھا اور ہلکی سی گھبراہٹ بھی۔

حارث صاحب اپنی بیٹی کی اس بے صبری پر مسکرا دیے۔

"ایسا ہو سکتا ہے میری بیٹی کسی کو پسند کرے اور وہ غلط ہو؟ سب بہت اچھے ہیں۔"

انہوں نے محبت سے اُس کا ہاتھ تھاما، اُسے بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی اُس کے ساتھ بیٹھ گئے۔

"تو اس کا مطلب... آپ کو کوئی اعتراض نہیں؟"

صوفیہ نے ایک بار پھر اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا، جیسے وہ پوری طرح مطمئن ہونا چاہتی ہو۔

"بالکل نہیں۔ بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ آج ہی منگنی کی رسم ادا کر دی جائے۔ میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے نا؟"

حارث صاحب نے نہایت نرمی سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ایک باپ کی حیثیت سے وہ اُس کی رضامندی کو ہر چیز سے زیادہ اہمیت دے رہے تھے۔

"نہیں بابا۔ اگر آپ کو واقعی کوئی اعتراض نہیں ہے، تو مجھے بھی کوئی مسئلہ نہیں۔"

یہ کہتے ہوئے صوفیہ نے اپنائیت سے اپنا سر اُن کے سینے پر رکھ دیا۔ اُس کے لہجے میں اطمینان بھی تھا اور اپنے والد پر مکمل بھروسہ بھی۔

حارث صاحب نے محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور چند لمحے خاموش رہے، پھر سنجیدگی سے بولے،

"ابراہیم کو میں بہت عرصے سے جانتا ہوں، صوفیہ۔ لیکن اچھے لوگوں کے ساتھ ہمیں کچھ اور لوگوں کو بھی جھیلنا پڑتا ہے۔ البتہ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میری بیٹی ہر انسان سے ڈیل کرنا جانتی ہے۔"

صوفیہ اُن کی بات کا مطلب فوراً سمجھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اُن کا اشارہ کس طرف ہے۔

"آپ پریشان مت ہوں، بابا۔ ایسے لوگوں سے کس طرح ڈیل کرنا ہے، مجھے واقعی پتہ ہے۔ اور ویسے بھی میں وہاں اکیلی نہیں ہوں گی۔ رامین بھی ہے وہاں... اور آپ کو پتہ ہے، وہ کبھی مجھے کچھ نہیں ہونے دیں گی۔"

صوفیہ نے پورے یقین اور اعتماد سے کہا۔ رامین کا نام لیتے ہی اُس کے چہرے پر ایک پُر سکون سا اطمینان اُتر آیا۔

" صحیح کہا۔ اسی لیے تو مجھے تسلی ہے۔"

حارث صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُن کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے دعا اور اعتماد دونوں جھلک رہے تھے۔

پھر وہ آہستگی سے کھڑے ہوئے، محبت سے صوفیہ کا ہاتھ تھاما، اور اُسے اپنے ساتھ لے کر واپس ہال کی طرف چل پڑے، جہاں سب لوگ بے صبری سے اُن دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔

//////////

آج تو یہ جنگلی بلی کی جگہ کوئی پری لگ رہی ہے۔

رومان نے جیسے ہی صوفیہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا، بے اختیار بول اٹھا۔

آج صوفیہ نے لائٹ بلیو رنگ کا نہایت خوبصورت لباس پہنا ہوا تھا۔ کانوں میں ننھے سے ٹاپس، ہلکی سی لپ اسٹک اور چہرے پر شرمیلی سی مسکراہٹ اُس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہی تھی۔ کھلے ہوئے نرم بال اُس کے چہرے کے گرد بکھرے ہوئے تھے، اور پہلی بار وہ اپنی شوخ طبیعت کے برعکس کچھ زیادہ ہی سنجیدہ اور دلکش لگ رہی تھی۔

"ابھی تو پری لگ رہی ہے، شادی کے بعد تُجھے یہی چڑیل لگے گی، پھر میرے پاس ہی آئے گا اپنا دُکھ سنانے۔"

ثمر، جو بالکل رومان کے ساتھ بیٹھا تھا، فوراً اُسے چھیڑتے ہوئے بولا۔ اتنے میں صوفیہ بھی آکر رومان کے برابر بیٹھ گئی۔

"کیا کہا تم نے، ثمر؟ سُن لیا ہے میں نے۔"

صوفیہ نے آنکھیں سکیڑ کر اُسے ترچھی نظر سے دیکھا تو ثمر فوراً گھسیانی سی ہنسی ہنسنے لگا۔

"ک... کچھ نہیں یار، میں تو بس مذاق کر رہا تھا۔"

اس نے فوراً اپنی بات بدلی، جبکہ رومان اُس کی حالت دیکھ کر ہنسنے لگا۔

اسی دوران رامین اور ریحا صاحبہ بھی ہال میں آ گئیں، اور پھر خوشیوں بھرے ماحول میں رومان اور صوفیہ کی منگنی کی رسم ادا کر دی گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو انگوٹھیاں پہنائیں تو پورا ہال تالیوں اور مبارک بادوں سے گونج اٹھا۔

"منگنی مبارک ہو، دیور جی!"

رامین نے مسکراتے ہوئے پہلے رومان کو مبارک باد دی، پھر صوفیہ کے گلے لگ کر اُسے بھی مبارک دی۔

"شکریہ، بھابھی... لیکن ایک بات بتائیں، آپ مجھ سے زیادہ صوفیہ سے اٹیچ ہو گئی ہیں، ایسا کیوں؟"

رومان نے فوراً شکایتی انداز میں سوال کیا، جس پر رامین اور صوفیہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرا دیں۔

"رومان، تمہیں نہیں لگتا یہ سوال تھوڑا عجیب ہے؟"

رامین نے ہنسی دباتے ہوئے کہا، جبکہ ارسم خاموشی سے اُن سب کی باتیں سن کر مسکرا رہا تھا۔

"ہاں یار، ایک لڑکی دوسری لڑکی کو زیادہ قریب سے جانتی ہے۔ اور لڑکیوں کا کیا ہے، ایک دن ملتی ہیں اور اگلے دن وہی لڑکی اُن کی بہترین دوست بن جاتی ہے۔"

ثمر فوراً اپنا فلسفہ جھاڑنے بیٹھ گیا۔

"ثمر، تمہیں نہیں لگتا تم کچھ زیادہ بول رہے ہو؟ ہو سکتا ہے تمہاری منگیتر بھی کل کو اسی طرح ہماری دوست بن جائے۔"

رامین نے مسکراتے ہوئے ثمر کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تو اُس نے فوراً منہ بنا لیا، جبکہ رومان زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

"اوئے نازک انسان! اتنا مت ہنسو، یہ نہ ہو کہ ہنستے ہنستے تمہارے دانت باہر نکل آئیں۔"

صوفیہ نے فوراً رومان پر پابندی لگائی تو سب کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اب اُسے بھی ثمر کی تھوڑی دیر پہلے والی بات خوب سمجھ آ رہی تھی۔

"اچھا، اب بس بھی کرو بچوں۔ آؤ، کھانا لگ گیا ہے، سب ڈائننگ ایریا کی طرف چلیں۔"

ریحاصاحبہ نے محبت بھرے لہجے میں کہاتوسب ہنستے مسکراتے ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئے۔

حارث صاحب اورابراہیم صاحب ایک طرف بیٹھے پرانی یادوں اور باتوں میں مصروف ہوگئے، جبکہ باقی سب ریحاصاحبہ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہوئے کھانا کھانے لگے۔ صرف انیلہ صاحبہ خاموشی سے بیٹھی کھانا کھارہی تھیں۔اُن کے چہرے پر پھیلی بے زاری صاف بتارہی تھی کہ وہاں موجود خوشیوں سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔

یوں ہنسی، مذاق، دعاؤں اور اپنائیت سے بھرے اُس خوبصورت دن کا اختتام ہوا، اور کچھ دیر بعد سب ایک دوسرے سے اجازت لے کر اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوگئے۔

//////////

شہاب، میری بیٹی کو اِتنا بہادر بنانا کہ وہ کبھی کسی کے سامنے ہار نہ مانے۔ وعدہ کرو مجھ سے، وہ کبھی کسی کے آگے نہیں جھکے گی۔

زرمینہ صاحبہ نے کمزور پڑتی آواز میں شہاب صاحب کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

وہ اس وقت ہسپتال کے بیڈ پر موجود تھیں۔ ڈاکٹرز اُنہیں جواب دے چکے تھے۔ زندگی کی سانسیں آہستہ آہستہ اُن کا ساتھ چھوڑ رہی تھیں، مگر ایک ماں کا دل ابھی بھی صرف اپنی بیٹی کے لیے دھڑک رہا تھا۔

جس دن اُنہیں گھر سے نکالا گیا تھا، اُس دن بھی وہ نہیں ٹوٹی تھیں۔ اُنہوں نے ہر تکلیف، ہر ذلت صرف رامین کی خاطر برداشت کی تھی۔ مگر پھر تقدیر نے ایک اور وار کیا۔ اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ کینسر کے آخری مرحلے میں ہیں۔ بیماری کا پتہ بھی اُنہیں بہت دیر سے چلا تھا۔ وہ رامین کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھیں، مگر اُن کا اپنا کہنے والا کوئی نہیں تھا۔

تب اُنہیں شہاب صاحب کا خیال آیا۔ وہ اُن کے کزن تھے، اور فرحین صاحبہ بھی اُن کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ اسی امید کے سہارے وہ رامین کو ساتھ لے کر اُن کے گھر آ گئی تھیں۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، زرمینہ... رامین کو اِتنا مضبوط بناؤں گا کہ کوئی اُس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ تمہاری بیٹی بالکل تمہاری طرح بنے گی... بہادر، ہمدرد اور ہمیشہ سچ کا ساتھ دینے والی۔ ایک دن تمہیں اُس پر فخر ہو گا۔"

شہاب صاحب نے اُن کے مرجھائے ہوئے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو زرمینہ صاحبہ کے لبوں پر ایک ہلکی سی، پُرسکون مسکراہٹ بکھر گئی۔

"رامین کا خیال رکھنا... میری بیٹی تمہارے پاس میری امانت ہے۔"

زرمینہ صاحبہ نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ ادا کیے۔ شہاب صاحب کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اُن کے آخری الفاظ ہیں۔

"تمہاری بیٹی اب صرف تمہاری نہیں، میری بھی بیٹی ہے۔ میں اور فرحین اُسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ وہ اِتنی مضبوط بنے گی کہ کوئی اُسے تکلیف پہنچانے کی ہمت بھی نہیں کرے گا۔"

شہاب صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا، مگر تب تک زرمینہ صاحبہ ہمیشہ کے لیے اِس دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں۔

اس دن کے بعد رامین ہمیشہ شہاب صاحب اور فرحین صاحبہ کے پاس رہی۔ اُنہوں نے رامین اور عنایا، دونوں کو اپنی اولاد کی طرح برابر محبت دی۔

مگر دونوں کی طبیعتیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔

عنایا بچپن ہی سے ہنس مکھ، شوخ اور ہر ماحول میں خوشیاں بکھیرنے والی لڑکی تھی، جبکہ رامین غیر معمولی حد تک سنجیدہ، سمجھدار اور ہر معاملے کی گہرائی تک پہنچنے والی تھی۔ شاید یہی خوبی اُسے دوسروں سے منفرد بناتی تھی۔

شہاب صاحب نے بھی اپنا وعدہ نبھایا۔ اُنہوں نے رامین کی ایسی تربیت کی کہ وہ حق اور باطل میں فرق پہچاننے والی، انصاف پر ڈٹ جانے والی اور سچ کے لیے ہر حد تک جانے والی انسان بن گئی۔ بڑے بڑے مجرم بھی اُس کے نام سے خوف کھانے لگے تھے۔

وہ اپنی ماں کے دکھائے ہوئے سچ کے راستے پر چل رہی تھی۔اُسے سچ کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اُس کی پوری زندگی صحیح اور غلط کے فیصلوں کے گرد گھومتی تھی،اور یہی بات کبھی کبھی شہاب صاحب اور فرحین صاحبہ کو پریشان کر دیتی تھی۔

رامین کی زندگی میں اگر کوئی سکون، نرمی اور ٹھہراؤ لاتا تھا تو وہ صرف عنایا تھی۔

وہ بچپن سے ہی عنایا کی ہر بات مانتی آئی تھی۔عنایا کی کہی ہوئی بات رامین کے لیے پتھر پر لکیر ہوتی تھی۔وہ اپنے تمام مصروف کام چھوڑ کر بھی اُس کی بات کو ترجیح دیتی تھی۔اُن دونوں کی دوستی صرف دوستی نہیں، بلکہ ایک ایسا رشتہ تھی جو خون کے رشتوں سے بھی زیادہ مضبوط تھا۔

***

اس وقت شہاب صاحب گارڈن میں خاموش بیٹھے ماضی کی انہی یادوں میں گم تھے۔ٹھنڈی ہوا اُن کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی، مگر اُن کی نظریں آسمان پر جمی ہوئی تھیں۔

"میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے، زرمینہ... تمہاری بیٹی بالکل تمہاری طرح ہے۔بہادر، نڈر اور انصاف پسند۔ کبھی کبھی تو اُس کے اس جنون سے ڈر جاتا ہوں۔اُسے سچ کے علاوہ کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ لیکن اب وہ صرف تمہاری امانت نہیں... ہماری بیٹی بھی ہے۔

ایک وعدہ میں نے تم سے کیا تھا، اور ایک وعدہ آج خود سے کر رہا ہوں... میں اُسے کبھی کچھ نہیں ہونے دوں گا۔اپنی اس بیٹی پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔"

شہاب صاحب نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا، جیسے اُنہیں یقین ہو کہ زرمینہ صاحبہ آج بھی کہیں نہ کہیں اُن کی بات ضرور سن رہی ہیں۔

////////

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔

ملک سکندر شاہ اپنی اسٹڈی میں موجود تھا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ وہ مسلسل شیلف میں رکھی فائلیں اور کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا، جیسے بے چینی سے کسی اہم چیز کی تلاش میں ہو۔

تبھی اسٹڈی کا دروازہ آہستگی سے کھلا۔

اُس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

سامنے وہ کھڑی تھی... اپنے مخصوص باوقار انداز میں۔ پولیس کی وردی، سر پر سیاہ حجاب، چہرے پر غیر معمولی سنجیدگی اور آنکھوں میں عجیب سا اعتماد لیے۔ وہ پرسکون قدموں سے چلتی ہوئی سیدھا اُن کے سامنے آئی اور کرسی کے قریب آ کر رک گئی۔

"کون ہو تم...؟ اور اس وقت یہاں اندر کیسے داخل ہوئی؟"

سکندر شاہ نے حیرت سے پوچھا۔ اُن کے گھر کے باہر سخت سیکیورٹی موجود تھی، اس لیے کسی اجنبی کا یوں اندر پہنچ جانا تقریباً ناممکن تھا۔

"آپ اس سب میں پڑ کر صرف میرا ہی نہیں، اپنا وقت بھی ضائع کر رہے ہیں۔"

خانزادہ نے بالکل سکون سے کہا اور اُن کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گئی، جیسے وہ کسی مجرم نہیں بلکہ ایک عام انسان سے گفتگو کرنے آئی ہو۔

"کیا چاہتی ہو تم...؟ اور کون ہو؟"

اس بار سکندر شاہ نے مختصر مگر سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ حیرت اب بھی اُن کے چہرے سے نمایاں تھی۔

"اب آپ نے صحیح سوال پوچھا ہے۔"

خانزادہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر اگلے ہی لمحے وہ سنجیدہ ہو گئی۔

"میں آپ کا بھلا چاہتی ہوں... اسی لیے آج یہاں آئی ہوں۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟ لگتا ہے تم جانتی نہیں ہو کہ میں کون ہوں۔"

سکندر شاہ نے اُسے اتنا پُر سکون دیکھ کر سخت لہجے میں کہا۔

"یقیناً جانتی ہوں... بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ اسی لیے کہہ رہی ہوں، یہ سب چھوڑ دیجیے۔ ابھی بھی وقت ہے۔ ہماری مدد کریں... سچ کا ساتھ دیجیے۔"

خانزادہ کی آواز میں نہ غصہ تھا، نہ نفرت... صرف ایک سنجیدہ اپیل تھی۔

"لگتا ہے میرے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو، تو یہ بھی جانتی ہو گی کہ میں تمہارا کیا انجام کر سکتا ہوں۔"

سکندر شاہ نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔

"جی، یہ بھی جانتی ہوں... اور یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کی بیٹی یتیم بچوں کی کفالت کرتی ہے۔ وہ آپ کو دنیا کا سب سے نیک انسان سمجھتی ہے۔"

خانزادہ چند لمحے رکی، پھر اُس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا،

"سوچیے... اگر اُسے معلوم ہو جائے کہ اُس کا باپ کن کاموں میں ملوث ہے، تو کیا تب بھی وہ آپ کی اسی طرح عزت کر پائے گی، سکندر شاہ؟"

یہ الفاظ گویا کسی دھماکے سے کم نہ تھے۔

سکندر شاہ کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔

"کیا چاہتی ہو تم؟"

انہوں نے بمشکل پوچھا۔

"ہر اُس بچے کی معلومات... جسے قید کیا گیا ہے۔"

خانزادہ بھی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ میں اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی ماروں گا؟"

سکندر شاہ بھی اُس کے بالکل سامنے آ کر رک گئے۔

خانزادہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، جسے اُس نے فوراً چھپا لیا۔

"کسی نے بڑے یقین سے مجھ سے کہا تھا کہ سکندر شاہ کبھی اُس کے ساتھ غلط نہیں کر سکتا... جبکہ اسی سکندر شاہ کے آدمیوں کی وجہ سے اُس نے اپنی عزت کھو دی۔"

خانزادہ کی سیاہ آنکھیں سیدھی اُن کی آنکھوں میں جمی تھیں۔

"آپ سے بہت سے حساب لینے ہیں، سکندر شاہ۔"

یہ الفاظ سنتے ہی اُن کا چہرہ پل بھر میں سفید پڑ گیا۔

"زرمینہ..."

اُن کے لبوں سے بے اختیار صرف ایک نام نکلا۔

"کون ہو تم؟"

اُنہوں نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"اُنہی کی بیٹی... جنہیں آپ پر یقین تھا۔"

خانزادہ نے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔

"اور اُن کے اسی یقین کی وجہ سے آج میں آپ کو ایک آخری موقع دینے آئی ہوں۔ اُنہیں یقین تھا کہ آپ غلط انسان نہیں تھے... لیکن آج جو کچھ آپ کر رہے ہیں، اُس سے کیسے نکلیں گے، سکندر شاہ؟"

وہ چند قدم آگے بڑھی۔

"کبھی اُن بچوں کے بارے میں سوچا ہے؟ اگر اُن میں آپ کی اپنی بیٹی ہوتی... تو کیا تب بھی آپ کو یہ سب منظور ہوتا؟"

سکندر شاہ کے اندر جیسے ہمت باقی نہ رہی۔

وہ لڑکھڑاتے ہوئے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"تمہاری ماں کے ساتھ... میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ میں نے اُن لوگوں کو سزا دی تھی... میں کبھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے مجبور کیا گیا تھا۔"

وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔

"ٹھیک ہے... اُس وقت کی بات پر یقین کر لیتی ہوں۔"

خانزادہ آہستہ سے اُن کی کرسی کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"لیکن آج کے بارے میں کیا کہیں گے؟ ایک بار کسی کو مجبور کیا جا سکتا ہے... مگر ہر بار نہیں۔ اب آپ کو کون مجبور کر رہا ہے؟"

اُس کی آواز میں درد بھی تھا اور سوال بھی۔

"اللہ کے حضور کیا جواب دیں گے؟ مکافاتِ عمل سے کیسے بچیں گے؟ کبھی سوچا ہے؟"

سکندر شاہ خاموش سر جھکائے بیٹھے رہے۔

"یہ آپ کے پاس آخری موقع ہے۔اپنی غلطیوں کا ازالہ کیجیے... ہماری مدد کیجیے، تاکہ کل اپنی بیٹی کی نظروں میں شرمندہ نہ ہونا پڑے۔"

یہ کہہ کر خانزادہ کھڑی ہوئی اور واپس جانے کے لیے مڑی۔

"تمہاری ماں... بہت بہادر لڑکی تھی۔"

سکندر شاہ کی بھرائی ہوئی آواز پر اُس کے قدم رک گئے۔

"وہ کسی سے نہیں ڈرتی تھی... اور تم بھی بالکل ویسی ہی ہو۔"

انہوں نے نم آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"اُس نے میرے بھائی کے خلاف کھڑے ہونے کی ہمت کی تھی۔وہ سچ سب کے سامنے لانا چاہتی تھی... اور بس یہی اُس کا قصور تھا۔"

اُن کی آواز ٹوٹ گئی۔

"وہ میری بہت اچھی دوست تھی... میں کبھی اُس کے ساتھ یہ سب نہیں چاہتا تھا۔"

خانزادہ آہستہ سے اُن کی طرف پلٹی۔

"تو اب کیا کریں گے آپ؟"

اُس نے سیدھا سوال کیا۔

سکندر شاہ نے گہرا سانس لیا۔

"میں تمہاری مدد کروں گا۔اس دلدل سے نکلنے کے لیے اب جو کرنا پڑا، کروں گا۔ لیکن یہ سب جتنا آسان دکھائی دیتا ہے، اتنا ہے نہیں۔"

وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔

"میں صرف ایک مہرہ ہوں... اور جس نے بھی اس دلدل سے نکلنے کی کوشش کی، اُس کی جان چلی گئی۔ لیکن اب وقت آگیا ہے کہ انصاف کا ساتھ دیا جائے۔"

وہ اٹھے اور لرزتے ہاتھ سے خانزادہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے معاف کر دینا..."

اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"اب تم یہاں سے چلی جاؤ۔"

"میں آپ کو اس دلدل سے نکلنے میں مدد کروں گی... وعدہ کرتی ہوں۔"

خانزادہ نے پُراعتماد لہجے میں کہا، پھر جس خاموشی سے آئی تھی، اُسی خاموشی سے وہاں سے نکل گئی۔

کمرے میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

سکندر شاہ کھڑکی کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے۔ آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور نم آنکھوں سے بولے،

"یا اللہ... میری مدد فرما۔ مجھے اس گھٹن بھری زندگی سے نجات دے دے۔"

یہ کہتے ہی اُن کی نظریں خلا میں جم گئیں۔

ماضی کی ایک ایک یاد اُن کے سامنے زندہ ہونے لگی۔

وہ، زرمینہ صاحبہ اور ازمیر خان... تینوں کبھی بہت اچھے دوست ہوا کرتے تھے۔ مگر اُن کے اپنے بھائی نے جرم کی وہ راہ اختیار کر لی تھی جس نے نہ جانے کتنی زندگیاں تباہ کر دیں۔

زرمینہ صاحبہ سچ دنیا کے سامنے لانا چاہتی تھیں، مگر اُنہیں اُس کی ایسی سزا ملی جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

اور سکندر شاہ...

وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اپنے دوستوں کے لیے کچھ نہ کر سکے۔

یہی پچھتاوا برسوں سے اُن کے سینے پر بوجھ بن کر رکھا تھا... اور شاید اب آخری سانس تک اُن کا پیچھا بھی نہیں چھوڑنے والا تھا۔

//////////

لنچ کے وقت وہ گھر آیا تھا۔ اس وقت وہ اپنی وہ فائل ڈھونڈ رہا تھا جو اُس نے رامین کو سنبھال کر رکھنے کے لیے دی تھی۔ رامین زوہان کے ساتھ نیچے ہال میں رومان اور ثمر کے ساتھ رومان کی شادی کے کارڈز سلیکٹ کر رہی تھی، اس لیے وہ خود ہی فائل ڈھونڈنے کمرے میں آ گیا تھا۔

وہ اپنی الماری دیکھ چکا تھا، کمرے کی باقی جگہ بھی اچھی طرح چھان ماری تھی، مگر فائل کہیں نظر نہیں آئی۔ آخر کار اُس نے رامین کی الماری کھولی۔

الماری کے اندر ہر چیز نہایت نفاست اور ترتیب سے رکھی ہوئی تھی۔ کپڑوں سے لے کر چھوٹی چھوٹی اشیا تک سب اپنی جگہ سلیقے سے موجود تھیں۔ اُنہی کپڑوں کے درمیان اُسے اپنی مطلوبہ فائل مل گئی۔ اُس نے اطمینان کا سانس لیا اور فائل اُٹھا کر الماری بند کرنے ہی والا تھا کہ اچانک اُس کی نظر ایک ڈائری پر جا ٹھہری۔

وہ چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گیا۔

آہستہ سے اُس نے وہ ڈائری اُٹھائی۔ سرورق پر خوبصورت انداز میں "A & R" لکھا ہوا تھا، وہی مخصوص انداز... جو عنایا کی پہچان تھا۔

ڈائری کو دیکھتے ہی اُس کے ذہن کے دریچے یکایک ماضی کی طرف کھل گئے۔

"یار، یہ تم ہر وقت کیا ڈائری لکھتی رہتی ہو؟"

ارسم نے عنایا سے پوچھا، جو حسبِ معمول بیڈ پر بیٹھی اپنی ڈائری میں کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ وہ ہمیشہ ڈائری لکھنے کے بعد فوراً اُس پر لاک لگا دیتی تھی اور پھر اُسے کہیں چھپا دیتی تھی۔

"تمہیں کیا مسئلہ ہے؟ اور جھانکنا بند کرو، یہ تمہارے لیے نہیں ہے۔"

عنایا نے جلدی سے ڈائری بند کر کے اُس پر تالا لگایا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی تم مجھ سے کیوں چھپاتی ہو اسے۔پڑھنے دو نا یار، آخر ایسا کیا لکھتی ہو اس میں ؟"

ارسم نے ایک بار پھر اُس کے قریب آکر ڈائری لینے کی کوشش کی، مگر عنایا فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

"ارسم، تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میری ڈائری کے پیچھے نہیں پڑو گے، اور تمہیں پتہ ہے نا... یہ صرف اُس کے لیے ہے۔"

عنایا نے اُسے وعدہ یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"یار، تم مجھے کبھی یہ بھی نہیں بتاتیں کہ تمہاری دوست کا نام کیا ہے، اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ آج تک تم نے میری اُس سے ملاقات بھی نہیں کروائی۔ پھر بھی اپنے سارے راز اُسی کو بتاتی رہتی ہو۔"

ارسم نے شکوہ کیا تو عنایا ہلکا سا مسکرائی اور اُس کے قریب آگئی۔

"وہ یہاں ہے ہی نہیں، ورنہ میں ضرور ملواتی۔اور جہاں تک ڈائری کی بات ہے... جو باتیں میں ابھی اُس سے کہہ نہیں پا رہی، وہ سب اس میں لکھ رہی ہوں، تاکہ صحیح وقت آنے پر اُسے سب کچھ بتا سکوں۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے ڈائری کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

"اچھا! لیکن وہ یہ ڈائری ڈھونڈے گی کیسے ؟ تم مجھے تو کبھی نہیں بتاتیں کہ اسے کہاں رکھتی ہو۔"

ارسم نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔"

عنایا نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

"وہ مجھے بہت اچھی طرح جانتی ہے... میری ہر عادت سے واقف ہے۔ جب اُسے یہ ڈائری ڈھونڈنی ہو گی نا، وہ خود اس تک پہنچ جائے گی، اور تمہیں خبر بھی نہیں ہو گی۔ وہ ایسی ہی ہے... ہر چیز ڈھونڈ لیتی ہے، اور خاص طور پر اگر وہ چیز میری ہو تو کبھی ہار نہیں مانتی۔"

اُس کی آنکھوں میں اپنی دوست پر بے حد اعتماد صاف جھلک رہا تھا۔

"اچھا جی! ویسے مجھے تو تمہاری یہ دوست خیالی ہی لگتی ہے، جس کے بارے میں میں نے صرف باتیں ہی سنی ہیں۔"

ارسم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"جس دن وہ تمہارے سامنے آئے گی نا، اُس دن بھی تم پہچان نہیں پاؤ گے کہ وہ کون ہے... اس لیے ابھی اُسے خیالی ہی سمجھتے رہو۔"

عنایا شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ یہ کہہ کر اپنی ڈائری اُٹھائے وہاں سے چلی گئی، جبکہ ارسم بھی ہنستا ہوا ہال میں واپس آ گیا تھا۔

حال میں کھڑا ارسم حال میں واپس لوٹا تو ڈائری اب بھی اُس کے ہاتھوں میں تھی۔

وہ آہستہ سے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

اب ایک ایک کر کے گزرے ہوئے تمام لمحے اُس کی آنکھوں کے سامنے زندہ ہونے لگے۔ رامین کے اس گھر میں آنے کا پہلا دن... اُس کا پُر سکون لہجہ... ہر بات میں عنایا کی جھلک... لائبریری میں بار بار جانا... کچھ ڈھونڈنے کی اُس کی بے چینی... اور وہ سب باتیں جنہیں اُس نے کبھی معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔

سب کچھ ایک ساتھ اُس کے ذہن میں گردش کرنے لگا۔

وہ حیرت سے اُس ڈائری کو دیکھ رہا تھا۔ ڈائری پر اب بھی تالا لگا ہوا تھا... مگر آج پہلی بار اُسے احساس ہوا کہ اس تالے کی اصل چابی آخر کس کے پاس ہے۔

/////////

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی، اُس نے ارسم کو بیڈ پر خاموشی سے بیٹھا پایا۔ اُس کا رخ دوسری جانب تھا، جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو۔

"ارسم، آپ یہاں بیٹھے ہیں؟ نیچے سب آپ کو بلا رہے ہیں۔"

رامین اُس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی، مگر اگلے ہی لمحے اُس کی نظر ارسم کے ہاتھ میں موجود ڈائری پر پڑی تو اُس کے قدم وہیں جیسے جم گئے۔ اُس کے چہرے کا رنگ یک دم اُڑ گیا اور سانس بے ترتیب ہونے لگی۔

ارسم آہستہ سے کھڑا ہوا اور چند قدم چل کر بالکل اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟"

اُس کی آواز پر سکون ضرور تھی، مگر اُس پر سکونی کے پیچھے چھپا طوفان صاف محسوس ہو رہا تھا۔

رامین نے نظریں جھکا لیں۔ اُس کے ہونٹ کئی بار ہلے، مگر لفظ جیسے گلے میں ہی اٹک گئے تھے۔

"ارسم... میں..."

وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی۔ ہر لفظ زبان تک آتے آتے دم توڑ رہا تھا۔ آج پہلی بار وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

"بولو رامین... بتاؤ، تم وہی ہو؟"

ارسم نے اچانک ڈائری زور سے بیڈ پر پھینک دی۔ کمرے میں اُس آواز کی گونج پھیل گئی، جبکہ اُس کی نظریں مسلسل رامین کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"ارسم، میں آپ کو... سب کچھ بتانے والی تھی۔ پلیز، میری بات سنیں۔"

رامین نے بے اختیار آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا، مگر ارسم نے فوراً اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

"رامین... مجھے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دو۔"

اُس نے گہرا سانس لیا، جیسے اپنے اندر اٹھتے ہوئے غصے کو ضبط کر رہا ہو۔

"میں تمہیں کچھ غلط نہیں کہنا چاہتا... اس لیے ابھی چلی جاؤ۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنا رخ دوسری طرف موڑ لیا۔

رامین چند لمحے بے حس سی کھڑی رہی۔اُس کی نظریں بیڈ پر پڑی اُس ڈائری پر جا ٹھہریں۔آہستہ سے آگے بڑھی،ڈائری اُٹھائی،ایک آخری نظر ارسم پر ڈالی...اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

دروازہ بند ہونے کی مدھم سی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں ایک بوجھل خاموشی چھا گئی۔

کچھ لمحوں بعد ارسم آہستہ آہستہ چلتا ہوا بالکونی میں آ گیا۔

ٹھنڈی ہوا اُس کے چہرے سے ٹکرا رہی تھی، مگر اُس کے اندر برپا ہنگامہ کسی بھی طرح تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔وہ ایک عجیب کشمکش میں گھرا کھڑا تھا۔ سمجھ ہی نہیں پا رہا تھا کہ آخر اُس کی زندگی میں یہ سب اچانک کیسے ہو گیا۔

اسی بے چینی میں اُسے عنایا کی ایک پرانی بات یاد آ گئی۔

"اگر تم ایسے ہی مجھے خود سے دور کرتی رہو گی نا، تو دیکھ لینا...میں دوسری شادی کر لوں گا۔"

ارسم نے شرارت سے کہا تھا۔

اُس وقت عنایا لان میں بیٹھی تھی۔ حمل کی وجہ سے وہ ان دنوں بہت جلد چڑچڑی ہو جایا کرتی تھی اور ارسم کو زیادہ خاطر بھی نہیں دیتی تھی۔

"مار ڈالوں گی...اُسے بھی اور تمہیں بھی۔جب دیکھو فضول گوئی کرتے رہتے ہو۔"

عنایا نے مصنوعی غصے سے اُسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

پھر اچانک اُس کے چہرے کی شرارت سنجیدگی میں بدل گئی۔

"اور اگر... خدانہ خواستہ مجھے کچھ ہو گیا، تو بھی تمہیں کسی سے شادی نہیں کرنے دوں گی، یاد رکھنا۔"

وہ ضدی لہجے میں بولی۔

"اور اگر کبھی شادی کرنی بھی پڑی... تو صرف اُس سے کرو گے، جسے میں چاہوں گی۔"

"تمہیں لگتا ہے میں واقعی شادی کروں گا؟ پاگل!"

ارسم ہنس پڑا۔

"میں تو مذاق کر رہا ہوں، اور تمہیں کچھ کیوں ہو گا؟ میں تمہیں کچھ ہونے ہی نہیں دوں گا۔"

اُس نے عنایا کو اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ارسم، اگر واقعی مجھے کچھ ہو گیا... تب بھی شادی اُسی سے کرنا جسے میں چاہوں گی۔"

عنایا اپنی بات پر بدستور قائم تھی۔

"ٹھیک ہے، میری جان... جیسا تم چاہو۔"

ارسم نے مسکراتے ہوئے اُس کے ماتھے کو چوما۔

"اب پلیز، یہ فضول باتیں اپنے دل و دماغ سے نکال دو۔"

وہ جانتا تھا کہ ان دنوں عنایا معمولی بات پر بھی ضد پکڑ لیتی تھی، اس لیے اُس نے مزید بحث نہیں کی۔

"یہ کیا کر گئی تم، عنایا؟"

ارسم کی سرخ آنکھیں عنایا کی تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔

"تم تو پہلے ہی سب کچھ سوچ کر بیٹھی تھی... لیکن ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیوں؟"

اُس کی آواز میں شکوہ بھی تھا، بے بسی بھی، اور برسوں کا دبا ہوا درد بھی۔

مگر تصویر ہمیشہ کی طرح خاموش تھی۔

وہ وہاں موجود نہیں تھی کہ اُسے کوئی جواب دیتی...

لیکن اب ارسم کو جواب چاہیے تھے۔

اور اب وہ جان چکا تھا کہ اُن تمام سوالوں کے جواب صرف ایک ہی شخص کے پاس ہیں۔

رامین۔

اُس نے ایک گہرا سانس لیا، خود کو بمشکل پُر سکون کیا، اور فیصلہ کر لیا کہ اب وہ ہر حقیقت رامین کی زبانی سنے گا۔

//////////

ہاں بھئی، بندریا! تیار ہو مسز رومان ابراہیم بننے کے لیے؟

رومان نے فون کان سے لگاتے ہوئے شرارتی انداز میں کہا۔ وہ اس وقت صوفیہ سے بات کر رہا تھا۔ اُن کی شادی میں اب صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا، اور کئی دن گزر چکے تھے کہ دونوں کی ملاقات نہیں ہو پائی تھی، اس لیے آج فون پر ہی ایک دوسرے کو چھیڑنے کا سلسلہ جاری تھا۔

"مینڈک! زیادہ اچھلو مت، پھدک کر آخر نیچے ہی گرو گے۔"

صوفیہ بھلا کہاں خاموش رہنے والی تھی۔ اُس نے فوراً حسبِ عادت رومان کی عزت افزائی کر دی۔

"شرم کرو، شرم! ہونے والے شوہر کو مینڈک کہہ رہی ہو؟ میں تمہارا مجازی خدا بننے والا ہوں، ذرا احترام کرنا سیکھو، لڑکی!"

رومان نے پوری سنجیدگی کا ڈراما کرتے ہوئے اُسے اپنی عزت کرنے کا سبق پڑھایا۔

"مسٹر رومان ابراہیم! آپ کی معلومات میں اضافہ کرتی چلوں کہ آپ ہونے والے شوہر ہیں، ابھی تک ہوئے نہیں ہیں۔ اس لیے اُتنی ہی پھینکو، نازک لڑکے، جتنی برداشت کر سکو۔"

صوفیہ نے بھی اُسی کے انداز میں نہایت سکون سے جواب دیا۔

"یار، تھوڑی تو عزت کر لو، منگیتر ہوں تمہارا... بھول گئی ہو کیا؟"

رومان نے ایک اور رشتہ یاد دلا کر شاید اپنی عزت بچانے کی آخری کوشش کی، مگر سامنے صوفیہ تھی۔

"بس کر دو، لڑکے! منگیتر تو کئی آئے اور کئی گئے۔"

صوفیہ نے بڑے اطمینان سے اُس کے سر پر ایک اور بم گرا دیا۔

"ک... کیا مطلب؟"

رومان سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"کتنی دفعہ منگنی کر چکی ہو؟ سچ... سچ بتاؤ!"

اُس نے ایک ہی سانس میں سارے سوال داغ دیے۔

دوسری طرف صوفیہ اُس کی گھبراہٹ پر بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔

"یہاں میری جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے، اور تمہیں ہنسی آ رہی ہے؟"

رومان نے اُس کی ہنسی سنتے ہی ناراضی سے کہا۔

"اچھا، سوری... مذاق کر رہی تھی میں۔"

صوفیہ نے اُس کی بدلی ہوئی آواز سنی تو فوراً سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"نہیں محترمہ! آپ رہیں سکون سے وہاں۔ کیا فرق پڑتا ہے آپ کو؟ میں فون رکھ رہا ہوں۔"

رومان نے مصنوعی خفگی سے کہا اور اگلے ہی لمحے فون بند کر دیا۔

"ارے... ارے، سنو تو!"

صوفیہ کی آواز ادھوری ہی رہ گئی۔

اس نے فون کی اسکرین کی طرف دیکھا اور ہلکا سا منہ بنایا۔

"لو جی... اب اِنہیں بھی منانا پڑے گا۔"

وہ خود سے بڑبڑائی۔

اُس نے فوراً دوبارہ رومان کا نمبر ملایا، مگر اس بار فون مسلسل بند جا رہا تھا۔

"یہ جناب تو واقعی روٹھ گئے ہیں..."

صوفیہ نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے آہ بھری۔

"اب کچھ خاص کرنا ہی پڑے گا، ورنہ نازک لڑکا اتنی آسانی سے ماننے والا نہیں۔"

یہ سوچتے ہوئے اُس کے ہونٹوں پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ پھیل گئی، کیونکہ وہ جانتی تھی... رومان کو منانے کا طریقہ بھی اُسے ہی سب سے بہتر آتا تھا۔

//////////

وہ اس وقت خانزادہ کے کیبن میں، اُس کی میز کے عین سامنے رکھی کرسی پر بیٹھا تھا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، جبکہ خانزادہ اپنی کرسی سے ٹیک لگائے، بغور اُس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ آج جو بھی الفاظ اُس کی زبان سے نکلیں گے، وہ کئی زندگیاں بدل دینے کی طاقت رکھتے ہیں۔

"تو کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟" خانزادہ اپنی کرسی سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"خود ساری زندگی جیل کی چکی پیسو گے... یا پھر گواہ بنو گے؟"

عابد نے آہستہ سے نظریں اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا، پھر جیسے اُس کی ہمت جواب دے گئی ہو، دوبارہ سر جھکا لیا۔

"میں... سچ بتاؤں گا۔"

چند لمحوں بعد اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"لیکن تمہیں اپنا وعدہ تو یاد ہے نا؟"

"مجھے سب یاد ہے۔"

خانزادہ نے اپنے اندر اٹھنے والے اضطراب کو بڑی مشکل سے قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر انتظار کس بات کا ہے؟ سب کچھ بتاؤ۔"

عابد نے ایک گہرا سانس لیا، جیسے برسوں سے سینے پر رکھا بوجھ اُتارنے جا رہا ہو۔

"عنایا نے خودکشی نہیں کی تھی..."

وہ رکا۔

"...اُس کا قتل کیا گیا تھا۔"

خانزادہ کی نظریں مزید گہری ہو گئیں۔

"یہ قتل... میری ماں اور آئمہ نے مل کر کیا تھا۔"

کمرے میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا، مگر خانزادہ خاموشی سے اُسے سنتی رہی۔

"کیوں؟"

اُس نے ضبط سے پوچھا۔

"اُنہوں نے ایسا کیوں کیا؟ عنایا نے اُن کا کیا بگاڑا تھا؟"

یہ وہ سوال تھا جس کا جواب جاننے کے لیے اُس نے نہ جانے کتنی راتیں جاگ کر گزار دی تھیں۔

"کیونکہ... اُسے وہ سچ معلوم ہو گیا تھا، جو کبھی سامنے نہیں آنا چاہیے تھا۔"

عابد نے آہستہ سے کہا۔

"کون سا سچ؟"

خانزادہ کی آواز میں بے صبری صاف جھلک رہی تھی۔

"یہی... کہ ابراہیم صاحب کی پہلی بیوی نے خودکشی نہیں کی تھی۔"

عابد نے نظریں بند کر لیں۔

"اُن کا قتل بھی... میری ماں نے کیا تھا۔"

یہ سنتے ہی خانزادہ چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئی۔ ایک اور خوفناک راز اُس کے سامنے بے نقاب ہو چکا تھا۔

عابد نے اُس کی خاموشی دیکھ کر تلخ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی۔

"ہاں... میری ماں قاتل ہے۔"

اُس کی آواز میں نفرت بھی تھی اور شکست بھی۔

"ہم ایک مڈل کلاس خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ میری ماں کو ہمیشہ سے امیر بننے کا جنون تھا، مگر اُن کی شادی میرے باپ سے ہو گئی، جو ایک جواری تھا۔ وہ اُس سے شدید نفرت کرتی تھیں۔"

وہ ماضی میں کھو گیا۔

"میں اُس وقت صرف دس سال کا تھا، جب اُن کی ملاقات ابراہیم صاحب سے ہوئی۔ پھر ملاقاتیں بڑھتی گئیں... اور ایک دن میری ماں نے اپنے جواری شوہر کو اپنی آزادی کی قیمت دے دی... اور ہمیشہ کے لیے اُسے چھوڑ کر چلی گئی۔"

اُس نے کڑواہٹ سے ہنسا۔

"وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ابراہیم صاحب شادی شدہ ہیں، دو بچوں کے باپ ہیں... مگر دولت کے آگے اُنہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔"

وہ لمحہ بھر کو رکا۔

"مجھے تو آج بھی ارسم کی ماں پر حیرت ہوتی ہے... آخر اُس عورت نے میری ماں کو کیسے برداشت کیا؟"

اُس کی آواز بھاری ہو گئی۔

"اور سب سے زیادہ حیرت مجھے اپنے سوتیلے باپ پر ہوتی ہے۔ اپنی اتنی خوبصورت بیوی کو چھوڑ کر اُنہیں میری ماں میں آخر کیا نظر آیا؟"

وہ تلخی سے مسکرایا۔

"شاید اسی لیے کہتے ہیں... محبت اندھی ہوتی ہے۔"

اُس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔

"لیکن ابراہیم صاحب کا دل آج بھی اپنی پہلی بیوی اور بچوں میں ہی اٹکا رہتا تھا۔ آخر پہلی محبت... پہلی ہی ہوتی ہے۔"

"یہی بات میری ماں سے برداشت نہیں ہوئی۔ وہ پورے گھر پر قبضہ چاہتی تھیں، اس لیے اُنہوں نے زہر دے کر اُنہیں مار دیا... اور دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا کہ اُنہوں نے خودکشی کی ہے۔"

عابد کی آواز مزید بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

"پھر ایک دن یہی حقیقت عنایا کو معلوم ہو گئی۔"

"اُس وقت وہ حاملہ تھی۔ میری ماں نے اُسے دھمکی دی کہ اگر اُس نے کسی کے سامنے زبان کھولی تو سب سے پہلے اُس کے بچے کو مار دیا جائے گا۔"

"عنایا خاموش ہو گئی... مگر میری ماں کے دل میں یہ خوف بیٹھ گیا کہ وہ ایک دن ضرور سب کچھ بتا دے گی۔"

اُس نے نظریں جھکا لیں۔

"اسی لیے اُسے آہستہ آہستہ سلو پوائزن دینا شروع کر دیا گیا۔"

"اور زوہان کی پیدائش کے بعد... زہر کی مقدار بڑھادی گئی۔"

اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔

"وہ زیادہ دیر برداشت نہ کر سکی... اور اپنی جان ہار بیٹھی۔"

کمرے میں چند لمحوں تک خاموشی چھائی رہی۔

پھر خانزادہ نے ایک اور سوال کیا۔

"اور تمہاری کزن... کیا وہ بھی اس سب میں شامل تھی؟"

"ہاں۔"

عابد نے فوراً جواب دیا۔

"آئمہ ہمیشہ سے ارسم کو پسند کرتی تھی۔ میری ماں نے اُس کے رشتے کی بات بھی کی تھی، مگر ارسم نے کبھی اُس کی طرف دیکھا تک نہیں۔"

وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"اسی لیے اُس نے بھی میری ماں کا ساتھ دیا۔ اُسے یقین تھا کہ عنایا کے مرنے کے بعد ارسم اُس سے شادی ضرور کرے گا..."

وہ خانزادہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"لیکن پھر... تم آ گئیں۔"

خانزادہ نے خاموشی سے میز پر رکھا بیل کا بٹن دبا دیا۔

چند لمحوں بعد ایک آفیسر کیبن میں داخل ہوا۔

"اسے واپس جیل لے جاؤ..."

اُس نے مضبوط لہجے میں حکم دیا۔

"...اور صوفیہ کو میرے پاس بھیجو۔"

"جی، میم۔"

آفیسر عابد کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

چند ہی لمحوں بعد صوفیہ کیبن میں داخل ہوئی۔

"آپ نے بلایا، سینئر؟"

"عابد نے سب کچھ قبول کر لیا ہے۔"

خانزادہ نے سیدھے موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

"لیکن صرف اُس کا اعتراف کافی نہیں۔ مجھے اُن دونوں کے خلاف ایسے ناقابلِ تردید ثبوت چاہییں کہ وہ چاہ کر بھی قانون کے شکنجے سے نہ نکل سکیں۔"

صوفیہ نے اثبات میں سر ہلایا، پھر سنجیدگی سے بولی،

"یہ تو ٹھیک ہے، مگر عابد بھی مکمل قابلِ اعتماد نہیں۔ اگر بعد میں اُس نے اپنا بیان بدل دیا تو؟"

خانزادہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی پُراعتماد مسکراہٹ ابھری۔

"اسی لیے..."

اُس نے مضبوط لہجے میں کہا،

"مجھے اُن دونوں... خالہ اور بھانجی... کا اپنے منہ سے اعتراف چاہیے۔"

اُس کی آنکھوں میں عزم صاف جھلک رہا تھا۔

"ابھی کچھ دن اور اُڑنے دو اُنہیں..."

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولی۔

"...بہت جلد یہ آسمان بھی اُن پر تنگ ہو گا... اور زمین بھی۔"

یہ کہہ کر خانزادہ اپنی اگلی منصوبہ بندی کے لیے کیبن سے باہر نکل گئی۔

/////////

وہ دو دن سے رامین سے بات نہیں کر رہا تھا، اور یہی بات رامین کو اندر ہی اندر بے حد پریشان کیے ہوئے تھی۔ ابراہیم ہاؤس میں رومان اور صوفیہ کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ پورا گھر رونق، ہنسی اور شور سے بھرا ہوا تھا، جبکہ ثمر بھی آج کل زیادہ تر وہیں موجود رہتا تھا۔ مگر ان تمام خوشیوں کے درمیان رامین کے دل پر ایک خاموش اداسی چھائی ہوئی تھی۔

وہ کئی بار ارسم سے بات کرنے کی کوشش کر چکی تھی، مگر وہ ہر بار کسی نہ کسی بہانے وہاں سے چلا جاتا۔ آج بھی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو زوہان معصومیت سے بیڈ پر گہری نیند سو رہا تھا، جبکہ ارسم بالکونی میں کھڑا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ رامین چند لمحے خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی، پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ مجھ سے کب تک بات نہیں کریں گے، ارسم؟ میری بات تو سن لیں... صرف ایک بار۔"

رامین نے اُسے فون رکھتے دیکھ کر دھیمی آواز میں کہا۔ ارسم کا رخ دوسری جانب تھا، مگر اس کی آواز سنتے ہی وہ پلٹا اور اپنی گہری نیلی آنکھیں رامین کی کالی آنکھوں میں جما دیں۔

"کیا بات کروں میں تم سے، بتاؤ رامین؟ کیا بتانا چاہتی ہو؟"

اس کے لہجے میں ناراضی بھی تھی اور ایک دبی ہوئی تکلیف بھی۔

"ارسم... میں کبھی آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔ میں آپ کو سب کچھ بتانے والی تھی۔"

رامین نے پہلی بار کسی سے اس انداز میں وضاحت دی تھی۔ اس کی آواز میں بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"کب بتانے والی تھی، رامین؟" ارسم نے تلخی سے پوچھا۔ "تمہیں اس گھر میں آئے آٹھ مہینے ہو چکے ہیں، اور ہماری شادی کو بھی چھ مہینے۔ آخر اور کتنا انتظار کرنا چاہتی تھی تم؟"

"ارسم، میں صحیح وقت کا انتظار کر رہی تھی۔ میں سچ جاننا چاہتی تھی۔ آپ نہیں جانتے... اس گھر میں کیا کیا ہوا ہے۔"

رامین نے ایک قدم آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس بار ارسم نے فوراً ہاتھ نہیں چھڑایا، بلکہ خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ یہ سب کیوں کیا، رامین؟"

اس کی آواز میں غصے سے زیادہ الجھن تھی۔ وہ ان تمام سوالوں کے جواب جاننا چاہتا تھا جو دو دن سے اس کے دل و دماغ میں طوفان برپا کیے ہوئے تھے۔

"ارسم، آپ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ عنایا نے خودکشی کی تھی... مگر میں کبھی اس بات پر یقین نہیں کر سکی۔ میری عنایا کبھی اپنی جان نہیں لے سکتی تھی۔ میں صرف اسی سچ کی تلاش میں یہاں آئی تھی... اور یہاں آ کر بہت سی حقیقتیں میرے سامنے آتی چلی گئیں۔"

رامین کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

ارسم نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا۔

"تم میری فیملی پر الزام لگا رہی ہو؟ تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہم نے عنایا کی جان لی؟ تمہیں اندازہ بھی ہے میرے لیے عنایا کیا تھی؟"

اس کی آواز بلند ہو گئی تھی۔

"میں آپ کو غلط نہیں کہہ رہی، ارسم... نہ آپ کو، اور نہ ہی اس خاندان کو۔ مگر اس گھر میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ اس خاندان کا حصہ بننے کے قابل ہیں... اور نہ ہی اعتبار کے۔"

رامین نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"کس کی بات کر رہی ہو؟"

ارسم نے حیرانی سے پوچھا۔

اس کے بعد رامین نے ایک ایک کر کے وہ تمام باتیں اسے بتا دیں جو اب تک اس کے سامنے آ چکی تھیں۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے گہرا سکوت چھا گیا۔

"تم جانتی ہو نا... یہ بہت بڑا الزام ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔"

ارسم نے دھیمی مگر سنجیدہ آواز میں کہا۔

"میں کوئی الزام نہیں لگا رہی، ارسم۔ میرے پاس ثبوت ہے۔ عابد نے خود اعتراف کیا ہے۔ یہ دیکھیے... اس کی ریکارڈنگ۔"

رامین نے موبائل اس کے سامنے کر دیا۔

ارسم خاموشی سے پوری ریکارڈنگ دیکھتا رہا۔

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ جیسے جیسے الفاظ اس کے کانوں میں پڑتے گئے، اس کے اندر کی دنیا بکھرتی چلی گئی۔

ریکارڈنگ ختم ہوئی تو وہ خاموشی سے بالکونی کے فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر ایسا صدمہ تھا جیسے کسی نے اس کے وجود سے سانسیں کھینچ لی ہوں۔

"یہ... یہ سب کیا ہے، رامین؟"

اس کی آواز لرز رہی تھی۔

رامین بھی آہستہ سے اس کے پاس فرش پر بیٹھ گئی۔

"یہی سچ ہے، ارسم۔ انیلہ صاحبہ نے صرف اس گھر کو نہیں، آپ کی پوری زندگی کو برباد کیا ہے۔ عنایا کی قاتل بھی وہی ہیں... اور آپ کی ماما کی بھی۔ آپ کو یاد ہے، آپ نے مجھے اپنی ماما کے بارے میں بتایا تھا؟ مجھے شک تو اسی دن ہو گیا تھا... مگر میرے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔"

ارسم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ تھام لیا۔

"تو اب تو تمہارے پاس ثبوت ہے، رامین... پھر کس چیز کا انتظار کر رہی ہو؟"

اس کی آنکھوں میں نمی صاف جھلک رہی تھی۔

"نہیں، ارسم... یہ کافی نہیں۔ صرف عابد کا بیان کافی نہیں ہو گا۔ ہمیں انیلہ صاحبہ کا اعتراف بھی چاہیے... اور ایسے ثبوت بھی، جن کے بعد وہ ایک بار جیل جائیں تو دوبارہ کبھی باہر نہ نکل سکیں۔"

رامین کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط تھی۔

چند لمحے خاموشی چھائی رہی، پھر ارسم کو اچانک ایک بات یاد آئی۔

"اور تم... عابد سے ملی تھی؟ کیوں گئی تھی اس کے پاس؟"

"وہ جیل میں ہے، ارسم۔"

رامین نے صرف اتنا کہا، مگر یہی ایک جملہ سب کچھ بیان کر گیا۔

ارسم تلخ سی مسکراہٹ ہنسا۔

"ہاں... میں کیسے بھول گیا کہ تم کون ہو۔"

وہ آہستہ سے کھڑا ہو گیا۔

"ارسم، آپ کب تک مجھے یہ بات سناتے رہیں گے؟ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔"

رامین بھی اس کے پیچھے کمرے میں آ گئی۔

"رامین... پلیز!" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بار بار مجھے یہ سب یاد مت دلاؤ۔ میں اس سب کو دوبارہ نہیں جینا چاہتا۔ بہتر ہے... ہم اس بارے میں مزید کوئی بات نہ کریں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں خاموشی اتر آئی۔

رامین چند لمحے وہیں کھڑی رہی، پھر آہستہ سے بیڈ پر آ کر زوہان کے پاس بیٹھ گئی۔ سوتے ہوئے بچے کے معصوم چہرے پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

اس نے نرمی سے زوہان کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں خود سے بولی،

"آپ کب مجھے معاف کریں گے، ارسم...؟ کب سمجھیں گے مجھے...؟"

اس کی نظریں زوہان کے معصوم چہرے پر جمی رہیں، جبکہ اس کی آنکھوں سے خاموشی سے چند آنسو پلکوں سے پھسل کر اس کی گود میں گر گئے۔ پورے کمرے میں صرف خاموشی تھی... اور ایک ایسے دل کی دھڑکن، جو اپنے ہی لوگوں کو کھونے کے خوف سے مسلسل لڑ رہی تھی۔

////////

آج صوفیہ اور رومان کی ڈھولک تھی، جس کا اہتمام ابراہیم ہاؤس کے کشادہ لان میں کیا گیا تھا۔ پورا لان رنگ برنگے برقی قمقموں کی روشنی سے جگمگا رہا تھا، جو رات کے حسین منظر کو مزید دلکش بنا رہے تھے۔ ہر طرف خوشیوں، قہقہوں اور گیتوں کی گونج تھی۔ اس ساری سجاوٹ اور انتظام کی ذمہ داری ارسم اور ثمر نے سنبھالی تھی، جبکہ صوفیہ کی فیملی بھی تقریب میں شریک تھی۔

آج تمام لڑکوں نے سفید کُرتے زیبِ تن کیے ہوئے تھے، جو اُن پر بے حد جچ رہے تھے۔ صوفیہ نے ہلکے نیلے رنگ کی خوبصورت میکسی پہنی ہوئی تھی، اور ہلکے میک اَپ کے ساتھ وہ کسی پری کا گمان دے رہی

تھی۔دوسری طرف رامین نے سرمئی رنگ کا نفیس لباس پہنا تھا، جس میں اُس کی سادگی ہی اُس کی خوبصورتی کو نمایاں کر رہی تھی۔

چھوٹے سے زوہان کو بھی سفید کُرتا پہنایا گیا تھا، جس میں وہ سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

پورا خاندان لان میں موجود تھا، جبکہ صوفیہ کی چند سہیلیاں بھی تقریب میں شریک تھیں، جو ڈھولک بجا کر شادی کے روایتی گیت گا رہی تھیں۔ان کے گیتوں اور قہقہوں نے محفل کو اور بھی رنگین بنا دیا تھا۔

"ویسے کافی بے سُری ہیں تمہاری دوستیں۔"

رومان نے صوفیہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"ہاں، صحیح کہا۔سارے سُر اللہ نے تمہارے گلے میں ہی تو ڈال دیے ہیں۔"

صوفیہ نے بھی فوراً اُسی کے انداز میں جواب دیا۔اس وقت دونوں اسٹیج پر ساتھ بیٹھے تھے۔

اتنے میں ثمر بھی اسٹیج پر آ گیا۔صوفیہ کا جواب سنتے ہی وہ بے اختیار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"خبیث انسان! کبھی تو شرم کر لیا کر۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے مجھ سے زیادہ تو اُس کا دوست ہے۔"

رومان نے ثمر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو بھابھی کی بات ہی اور ہوتی ہے۔بھائی سے زیادہ بھابھی کی بات ماننی پڑتی ہے۔"

ثمر نے فوراً صوفیہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

"ثمر، ویسے تم نے اپنے دوست کو کچھ نہیں سکھایا۔ آج ہماری ڈھولک ہے، اور یہ جناب ایسی سڑی ہوئی شکل بنا کر بیٹھے ہیں، جیسے میں نے اِن کا ٹیکس دینا ہو۔"

صوفیہ نے رومان کے چہرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

"وہ کیا ہے نا، کچھ لوگ اپنے کیے ہوئے کام بھول جاتے ہیں۔ اُنہیں اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ اُن کی باتیں کسی کو تکلیف بھی پہنچا سکتی ہیں۔"

رومان نے معنی خیز انداز میں کہا۔ اُس کا اشارہ فون پر صوفیہ کی اُس حرکت کی طرف تھا، جس پر وہ فوراً بات سمجھ گئی، جبکہ ثمر دل ہی دل میں پچھتانے لگا کہ آخر وہ اس وقت اسٹیج پر آیا ہی کیوں تھا۔

" صحیح کہا، نازُک لوگوں کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ میں آپ کی یہ بات اب پلے سے باندھ لوں گی... ٹھیک ہے نا، ہونے والے مسٹر؟"

صوفیہ نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ رومان کو چھیڑا۔

"اچھا، ٹھیک ہے... میں جا رہا ہوں۔ ڈانس کرنا ہے تو تم لوگ بھی آ جانا۔"

ثمر نے ہنستے ہوئے کہا اور اسٹیج سے اتر کر باقی دوستوں کے ساتھ شامل ہو گیا، جہاں سب جھومر ڈال رہے تھے۔

رومان نے بھی مصنوعی خفگی دکھاتے ہوئے اس کے پیچھے جانے میں ہی عافیت جانی، جبکہ صوفیہ وہیں بیٹھی اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔

"دیکھ لینا، شادی کے بعد سارا حساب برابر کروں گی۔"

وہ آہستہ سے خود ہی بڑبڑائی، اور پھر بے اختیار مسکرا دی۔

//////////

رومان کب سے یہ بات نوٹس کر رہا تھا کہ ارسم اور رامین ایک دوسرے سے تقریباً بات ہی نہیں کر رہے تھے۔ پوری ڈھولک کی تقریب گزر گئی، مگر ارسم نے ایک بار بھی رامین سے ڈھنگ سے بات نہیں کی۔ وہ جان بوجھ کر ہر بار اُسے نظر انداز کر رہا تھا، جبکہ رامین خاموشی سے سب کے درمیان موجود رہ کر بھی کہیں کھوئی ہوئی لگ رہی تھی۔

آخر کار رومان واپس اسٹیج پر آیا اور صوفیہ کے ساتھ صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ محفل میں اب بھی گیت، ہنسی اور قہقہوں کی گونج تھی، مگر اُس کی ساری توجہ اپنے بڑے بھائی پر تھی۔

وہ ذرا سا صوفیہ کے قریب ہوا اور آہستہ سے اُس کے کان میں بولا،

"یہ آج کل بھائی اور بھابھی کے درمیان کچھ پنگا ہوا ہے لگتا ہے۔ تمہیں کچھ پتا ہے؟ بھابھی نے کوئی ذکر کیا؟"

اُن کے آس پاس صوفیہ کی چند سہیلیاں بھی بیٹھی ہوئی تھیں، اس لیے دونوں دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

صوفیہ نے ایک لمحے کے لیے اُسے غور سے دیکھا، پھر سنجیدگی سے بولی،

"اگر میں تمہیں سب کچھ بتادوں، تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو گے...اور کوئی فضول حرکت نہیں کروگے؟"

وہ جانتی تھی کہ یہ حقیقت ایک نہ ایک دن رومان کے سامنے آنی ہی تھی، مگر وقت اور جگہ دونوں مناسب ہونے چاہییں۔

رومان نے اُس کی بات پوری توجہ سے سنی، پھر سنجیدہ لہجے میں بولا،

"اس کا مطلب تو یہی ہے کہ تم جانتی ہو کیا کھچڑی پک رہی ہے۔اور کیا تمہیں میں اتنا بے وقوف لگتا ہوں کہ ایسے سنجیدہ حالات میں بھی جلد بازی دکھاؤں گا؟"

اب اُس کے چہرے پر شرارت نہیں، بلکہ فکرمندی صاف دکھائی دے رہی تھی۔وہ سمجھ چکا تھا کہ معاملہ معمولی نہیں، ورنہ صوفیہ کبھی اس انداز میں بات نہ کرتی۔ویسے بھی پچھلے چند دنوں سے وہ ارسم اور رامین کے بدلے ہوئے رویے کو مسلسل محسوس کر رہا تھا۔

"اس بات کا تو مجھے نہیں پتا،" صوفیہ نے ہلکی سی سانس بھر کر کہا، "لیکن ہاں... تم ابھی بہت کچھ نہیں جانتے۔اور یہاں، سب کے سامنے، اس بارے میں بات کرنا مناسب بھی نہیں۔میں تمہیں کل سب کچھ بتادوں گی۔اکیلے میں بات کریں گے...بس تھوڑا سا انتظار کرو۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے سامنے موجود مہمانوں پر ایک سرسری سی نظر ڈالی، تاکہ کوئی اُن کی گفتگو پر توجہ نہ دے۔

رومان کی نظریں ایک بار پھر بے اختیار ارسم اور رامین کی طرف اٹھ گئیں۔ دونوں ایک ہی جگہ کھڑے کسی مہمان سے بات کر رہے تھے، مگر ارسم اب بھی جان بوجھ کر رامین کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

"یہ انتظار میرے لیے بہت مشکل ہے..." رومان دھیرے سے بولا۔ "بات میرے بھائی اور بھابھی کی ہے۔ بھائی نے پہلے ہی بڑی مشکل سے خود کو سنبھالا تھا... میں اُنہیں دوبارہ اس حالت میں نہیں دیکھ سکتا۔"

اُس کی آواز میں اپنے بھائی کے لیے بے حد فکر نمایاں تھی۔

صوفیہ نے نرمی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہاری پریشانی سمجھتی ہوں، رومان۔ مگر میں یہاں سب کچھ نہیں بتا سکتی۔ تمہیں بھی میری مجبوری سمجھنی ہو گی۔"

چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولی،

"ٹھیک ہے... سب مہمان چلے جائیں، پھر ہم چھت پر چل کر آرام سے بات کریں گے۔ وہاں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی۔"

رومان نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ اب اُس کے پاس انتظار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، مگر دل میں اٹھنے والے بے شمار سوالات ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مزید بڑھتے جا رہے تھے۔

//////////

سب مہمان رخصت ہو چکے تھے۔اب پورے گھر میں صرف گھر والے ہی موجود تھے۔ہنسی مذاق کی گونج آہستہ آہستہ خاموشی میں بدل رہی تھی، جبکہ رات کی ٹھنڈی ہوا چھت پر ایک پُر سکون احساس بکھیر رہی تھی۔

رومان اور صوفیہ بھی آہستہ قدموں سے چھت پر آ گئے۔آسمان پر چمکتے ستارے اپنی جگہ موجود تھے، مگر رومان کے دل میں سوالوں کا شور اُن ستاروں سے کہیں زیادہ تھا۔

"اب بتاؤ... مجھے سب جاننا ہے۔"

رومان نے بے چینی سے صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

صوفیہ نے ایک گہرا سانس لیا۔پھر دھیرے دھیرے اُس نے وہ تمام حقیقت بیان کرنا شروع کی، جو اتنے عرصے سے سب سے چھپائی جا رہی تھی۔

ہر لفظ کے ساتھ رومان کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔اپنی ماں کی موت... عنایا بھابھی کی حقیقت... اور رامین کی اصل پہچان...

سب کچھ اُس کے لیے کسی زلزلے سے کم نہ تھا۔

وہ خاموشی سے صوفیہ کی بات سنتا رہا، مگر اُس کی آنکھوں میں اُترتی نمی صاف بتا رہی تھی کہ اندر کتنی بڑی جنگ چل رہی ہے۔

جب صوفیہ خاموش ہوئی، تو دونوں کے درمیان کچھ لمحوں کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔

صرف ہوا کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

صوفیہ نے رومان کے چہرے کی طرف دیکھا، جو ضبط کی شدت سے سرخ ہو چکا تھا۔ وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ اپنے جذبات پر قابو رکھ سکے۔

"رومان... آئی ایم سوری۔ مجھے یہ سب پہلے سے معلوم تھا، لیکن میں تمہیں بتا نہیں سکتی تھی۔ ہمارے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں تھے۔ سینئر نے جو کچھ بھی کیا... صرف عنایا آپی کے لیے کیا۔ وہ اُن کی بہن ہی نہیں، اُن کی سب سے اچھی دوست بھی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے پر جان چھڑکتی تھیں، اور رامین کبھی بھی عنایا آپی کی کوئی بات نہیں ٹال سکتی تھی۔

ارسم بھائی اُن سے بہت ناراض ہیں۔ جب سے اُنہیں حقیقت معلوم ہوئی ہے، وہ اُن سے بات بھی نہیں کر رہے۔"

صوفیہ نے نرمی سے رومان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

رومان نے نظریں جھکا لیں۔

"افسوس مجھے اس بات کا ہے، صوفیہ... کہ ہمارے اپنے گھر میں اتنا کچھ ہوتا رہا اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔ میری ماما... اور عنایا بھابھی...

اُن کا جانا ہمارے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔

اور ہم... ہم اُن ہی لوگوں کو اپنے گھر میں جگہ دیتے رہے، جو ہمارے اپنوں کے قاتل تھے۔

مجھے تو خود سے شرم آ رہی ہے۔"

اُس کی آواز بھرّا گئی تھی۔

صوفیہ کا دل اُس کی کیفیت دیکھ کر بھر آیا۔

وہ اُس کے بالکل قریب آئی، دونوں ہاتھوں میں اُس کا چہرہ تھاما اور محبت سے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی،

"رومان... اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے۔

کچھ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں...

وہ ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیتے ہیں، اور پھر ایسے ظاہر کرتے ہیں جیسے اُن سے زیادہ ہمارا کوئی اپنا ہی نہ ہو۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے نرمی سے اُس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اپنے انگوٹھے سے صاف کیے۔

رومان نے صوفیہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"اور رامین بھابھی کی فکر مت کرو۔

بھائی صرف وقتی طور پر اُن سے ناراض ہیں۔ میں نے اُن کی آنکھوں میں آج بھی رامین بھابھی کے لیے فکر دیکھی ہے۔

میں... میں بھائی سے ضرور بات کروں گا۔"

اُس نے اپنے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ سجانے کی کوشش کی، حالانکہ اندر سے وہ ابھی بھی ٹوٹا ہوا تھا۔ مگر وہ نہیں چاہتا تھا کہ صوفیہ اُس کی یہ کیفیت دیکھ کر مزید پریشان ہو۔

صوفیہ ابھی اُسے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ اچانک اُنہیں چھت پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف چونک کر دیکھا، اور اگلے ہی لمحے جلدی سے پانی کی ٹینکی کے پیچھے جا کر چھپ گئے۔

//////////////

چھت پر رات کی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا آہستہ آہستہ چل رہی تھی، مگر اُس خاموش فضا میں بھی رامین کے بے قرار قدموں کی چاپ صاف سنائی دے رہی تھی۔

ارسم ریلنگ کے قریب کھڑا دور اندھیرے میں نظریں جمائے ہوئے تھا، جیسے سامنے پھیلی رات میں اپنے اندر کے شور کو دفن کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ارسم... کب تک کریں گے آپ میرے ساتھ ایسا رویہ اختیار؟ آپ مجھے سمجھانے کا ایک موقع تو دے سکتے ہیں نا۔"

رامین نے اُس کے پیچھے چھت پر آتے ہوئے کہا۔

پچھلے ایک ہفتے سے ارسم نہ اُس سے بات کر رہا تھا، نہ اُس کی کوئی وضاحت سننے کو تیار تھا۔اور آج بھی وہ صرف اُس سے بچنے کے لیے چھت پر آ گیا تھا، مگر رامین نے طے کر لیا تھا کہ آج وہ ہر حال میں اُس سے بات کرے گی۔

"تمہیں میں نے کچھ کہا ہے؟ یا کسی کام سے روکا ہے، رامین؟"

ارسم نے اُس کی طرف دیکھے بغیر سرد لہجے میں کہا۔

"تم جاؤ... اور وہی کام کرو جس کے لیے اس گھر میں موجود ہو۔اپنا فرض پورا کرو، مجھ پر اپنا وقت ضائع مت کرو۔"

ٹینکی کے پیچھے چھپے رومان اور صوفیہ اُن دونوں کی ہر بات صاف صاف سن رہے تھے، مگر خاموش تھے۔

"آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں، ارسم؟"

رامین اُس کے سامنے آ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

اس بار ارسم نے نظریں اُٹھا کر سیدھا اُس کی طرف دیکھا۔

"تو کیا غلط کہہ رہا ہوں میں؟

مسز رامین ارسم ابراہیم... تم نے اس گھر میں آنے کے لیے زوہان اور میرا استعمال ہی کیا تھا نا؟"

یہ الفاظ رامین کے وجود پر کسی تیز دھار وار کی طرح لگے۔

وہ چند لمحے بس اُسے دیکھتی رہ گئی، جیسے یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ ارسم یہ بات کہہ سکتا ہے۔

"آپ کو لگتا ہے... کہ میں نے آپ کا اور زوہان کا استعمال کیا، ارسم؟

آپ واقعی میرے بارے میں ایسا سوچتے ہیں؟

آپ مجھے اب تک اتنا ہی جان پائے ہیں؟"

اُس کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں، اور الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر لبوں سے نکل رہے تھے۔

"تو پھر تم ہی بتا دو...

تم یہاں صرف اپنے مقصد کے لیے ہی آئی تھی نا؟

اور اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد یہاں رکنے کا ارادہ بھی نہیں تھا، ہے نا؟"

ارسم نے طنزیہ لہجے میں سوال کیا۔

رامین نے نظریں جھکا لیں۔

"میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی...

میں اس گھر میں اسی مقصد سے آئی تھی، اور میرا ارادہ واپس جانے کا ہی تھا، لیکن..."

وہ ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کر پائی تھی کہ ارسم کی آواز نے اُس کے باقی الفاظ دبا دیے۔

"بہتر یہی ہو گا کہ اب تم زوہان سے بھی دوری اختیار کر لو۔

میں اپنے بیٹے کو ایک بار پھر اپنی ماں کے لیے تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔

مجھے تمہارے یہاں ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تم اپنا مقصد پورا کرو، آفیسر رامین خانزادہ۔

ویسے بھی... سچ کے آگے تمہیں کبھی کچھ نظر نہیں آتا۔

عنایا نے تمہارے بارے میں بالکل ٹھیک کہا تھا...

تمہارے لیے اپنے کام سے بڑھ کر کوئی چیز عزیز نہیں ہو سکتی۔"

یہ کہہ کر ارسم پلٹا اور ایک لمحہ بھی رکے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

رامین وہیں ساکت کھڑی رہ گئی۔

وہ حیرت اور بے یقینی سے اُسے دیکھتی رہی... یہاں تک کہ وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

ارسم کے الفاظ ہتھوڑوں کی طرح اُس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

ہر جملہ اُس کے دل پر ایک نیا زخم لگا رہا تھا، جیسے کسی نے اُس کے دل کو مضبوطی سے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔

اُس کی آنکھیں اشکبار تھیں۔

وہ کچھ دیر وہیں چھت پر کھڑی خود کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتی رہی۔

جب کسی حد تک اپنے جذبات پر قابو پا لیا، تو آہستہ آہستہ واپس کمرے کی طرف چل دی، کیونکہ زوہان اُس کا انتظار کر رہا تھا۔

مگر ارسم کی ایک بات مسلسل اُس کے ذہن میں گونج رہی تھی...

"زوہان سے دوری اختیار کر لو..."

لیکن...

کیاواقعی رامین کے لیے یہ ممکن تھا؟

ادھر رومان نے ایک گہرا سانس لیا۔

"بات تو بہت زیادہ بگڑ گئی ہے...

اب ہمیں ہی کچھ کرنا پڑے گا۔"

اُس نے صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"پر ہم کریں گے کیا؟

تم نے ارسم بھائی کا غصہ دیکھا نا؟

مجھے نہیں لگتا وہ اب اتنی آسانی سے مان جائیں گے۔"

صوفیہ نے پریشانی سے کہا۔

رومان چند لمحے خاموش رہا، پھر سنجیدگی سے بولا،

"غصہ ہم صرف اُن لوگوں پر کرتے ہیں جن پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔

بھائی ہرٹ ہوئے ہیں، صوفیہ۔

شاید تم نے اُن کی باتوں پر غور نہیں کیا۔

وہ غصے سے زیادہ بے چین ہیں۔

اور بھابھی نے بھی تو صاف کہہ دیا کہ وہ چلی جائیں گی۔

اب اگر یہی بات میں تمہارے منہ سے سنتا، تو مجھے بھی غصہ آجاتا۔

پہلے کسی کو اپنی عادت بنالو... اور پھر اچانک چھوڑنے کی بات کرو...

یہ بھی کوئی بات ہوئی؟"

صوفیہ حیرت سے اُس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

رومان نے فوراً اپنی بات سنبھالی۔

"ایسے مت دیکھو مجھے...

میں بھابھی کی بات کر رہا ہوں۔

دونوں ایک دوسرے سے بھاگ رہے ہیں، اور اس طرح تو یہ مسئلہ کبھی حل نہیں ہوگا۔"

صوفیہ بے اختیار مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے...

پھر کل ہی کچھ کرتے ہیں ان دونوں کا۔

ایسے تو نہیں چلنے دے سکتے۔

اور اب تو بیچ میں زوہان بھی آگیا ہے۔

وہ تو سینئر کے بغیر رہتا ہی نہیں۔"

اس بار دونوں واقعی سنجیدہ تھے۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر آہستہ آہستہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

اگلے دن رومان اور صوفیہ کی مہندی تھی...

مگر اُس سے پہلے اُنہیں ایک اور اہم کام کرنا تھا۔

رامین اور ارسم کے درمیان بڑھتی اس خاموشی کو ختم کرنا۔

//////////

رات کے دس بج رہے تھے۔

ظہیر خان اپنے وسیع و عریض آفس میں موجود تھا۔ کمرے میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی، مگر اُس خاموشی کے پیچھے طوفان پل رہا تھا۔ سامنے امجد اور اُس کے چند نہایت وفادار آدمی سر جھکائے کھڑے تھے، جبکہ ظہیر خان کے چہرے پر غصے کی سرخی صاف نمایاں تھی۔

"اُن بچوں کی ڈیلیوری کتنی ضروری تھی میرے لیے... جانتے ہو نا تم، امجد؟"

ظہیر خان نے اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھتے ہوئے گرج دار لہجے میں کہا۔

"جی، خان۔"

امجد نے مودبانہ انداز میں سر جھکا کر جواب دیا۔

"تو پھر پولیس کو اس کی خبر کیسے ہوئی؟

بتاؤ... تم لوگ!

یقیناً کوئی گھر کا بھیدی یہاں چھپا ہوا ہے، جو ہماری ہر خبر اُن تک پہنچا رہا ہے۔"

ظہیر خان کی آواز میں غصہ بھی تھا اور بے یقینی بھی۔

"جی، خان۔ آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں۔

ہر بار اُنہیں ہمارے ہر قدم کی خبر کیسے ہو جاتی ہے؟

اسی لیے میں نے آپ کے قریب موجود ہر شخص پر نظر رکھی۔"

امجد نے سر اُٹھا کر پُر سکون لہجے میں کہا۔

ظہیر خان فوراً اپنی کرسی سے اُٹھے اور چند قدم چلتے ہوئے اُس کے سامنے آ کر رک گئے۔

"تو کیا پتہ چلا تمہیں، امجد؟

کون ہے وہ... جو ہمارے ہر راز کو افشا کر رہا ہے؟"

امجد نے ایک لمحہ اُن کی طرف دیکھا، پھر بولا،

"خان... وہ آپ کا سب سے وفادار آدمی، عمران ہے۔

میں نے خود اُسے پولیس اسٹیشن جاتے دیکھا، اور اُن سے بات کرتے ہوئے بھی سنا۔"

یہ نام سنتے ہی ظہیر خان کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔

"نہیں...

ایسا نہیں ہو سکتا۔

وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔"

اُنہوں نے بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا۔

امجد جانتا تھا کہ اُن کا یہ یقین توڑنے کے لیے ایک اور وار کرنا ضروری ہے۔

"خان، اگر وہ بے قصور ہوتا، تو اس وقت یہاں موجود کیوں نہیں؟

آپ نے اپنے تمام وفادار لوگوں کو بلایا تھا... مگر وہ نہیں آیا۔"

ظہیر خان خاموش ہو گئے۔

امجد نے آخری ضرب بھی لگا دی۔

"اور خان...

جس دن ہم نے ڈیلیوری کرنی تھی، اُس دن سیکیورٹی کی پوری ذمہ داری بھی عمران کے پاس تھی۔

اب آپ خود سوچیں...

اتنے سارے واقعات ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔"

یہ سنتے ہی ظہیر خان کا برسوں پرانا اعتماد لمحوں میں ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اُن کی آنکھوں میں غصے کی سرخی اُتر آئی۔

"مار دو اُسے!

اُسے پتہ چلنا چاہیے کہ ظہیر خان کو دھوکا دینے کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

اُنہوں نے امجد کی طرف دیکھتے ہوئے حکم دیا۔

"جی، خان۔"

امجد نے سر جھکا کر حکم کی تعمیل کا یقین دلایا اور وہاں سے نکل گیا۔

باہر آ کر وہ اپنی گاڑی میں بیٹھا، انجن اسٹارٹ کیا ہی تھا کہ اُس کا موبائل بج اُٹھا۔

اسکرین پر نظر پڑتے ہی اُس کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ اُبھر آئی۔

اُس نے کال اسپیکر پر کرتے ہوئے کہا،

"ہیلو، گڑیا!"

"امجد بھائی... اُنہیں شک تو نہیں ہوا؟"

دوسری طرف سے خانزادہ کی فکر مند آواز سنائی دی۔

"نہیں۔

اب اُن کے ایک اور ساتھی کے خاتمے کا وقت آ گیا ہے۔

تمہارا پلان کامیاب ہو گیا۔

اُنہیں ایک لمحے کے لیے بھی شک نہیں ہوا۔"

امجد نے اطمینان سے جواب دیا۔

دوسری طرف جیسے سکھ کا سانس لیا گیا۔

"میں آپ کا جتنا شکریہ ادا کروں، اُتنا کم ہے، بھائی۔

آپ کی مدد کے بغیر میں یہاں تک کبھی نہیں پہنچ سکتی تھی۔"

خانزادہ نے خلوص سے کہا۔

امجد ہلکا سا مسکرایا۔

"بھائی بھی بول رہی ہو... اور شکریہ بھی ادا کر رہی ہو؟

شاید تم بھول رہی ہو کہ میری یہ زندگی تمہاری ماما کی دی ہوئی ہے۔

اُن کے... اور اُن تمام معصوم بچوں کے مجرموں کو سزا ضرور ملے گی۔

اور یاد رکھنا...

میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔"

اُس کے لہجے میں اپنائیت بھی تھی اور ایک مضبوط وعدہ بھی۔

"میں جانتی ہوں، بھائی۔

مجھے آپ پر پورا یقین ہے۔

آپ اپنا خیال رکھیے گا۔

چاچا جان کا کوئی بھروسہ نہیں، اس لیے ہر وقت ہر طرح سے تیار رہیے گا۔"

خانزادہ نے سنجیدگی سے تنبیہ کی۔

"تم فکر مت کرو۔"

امجد نے مختصر جواب دیا۔

کال ختم ہوتے ہی اُس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

اُس کی نظریں سامنے اندھیرے میں جم گئیں۔

اب وہ ایک ایسے مشن پر جا رہا تھا، جہاں اُسے عمران کو ختم کرنا تھا...

وہی عمران، جو ظہیر خان کا بایاں بازو بھی تھا، اور برسوں سے اُس کا سب سے وفادار ساتھی بھی۔

//////////

رات کے گیارہ بج رہے تھے۔

آج وہ ایک بار پھر سکندر شاہ کے گھر موجود تھی۔ اس بار اُسے خود سکندر شاہ نے بلایا تھا۔ حسبِ معمول وہ اپنی مخصوص یونیفارم میں ملبوس تھی، سر پر سیاہ حجاب لیے، اُس کے چہرے پر وہی سنجیدگی اور آنکھوں میں وہی عزم جھلک رہا تھا۔

اس وقت دونوں لائبریری میں موجود تھے، جہاں چاروں طرف کتابوں کی الماریاں خاموش گواہ بنی کھڑی تھیں۔

"یہ اُن سب لوگوں کے نام ہیں، جو اس دھندے میں شامل ہیں، اور ساتھ ہی اُن کے تمام جرائم کے ثبوت بھی... جو وہ آج تک کرتے آئے ہیں۔"

سکندر شاہ نے ایک موٹی فائل اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

خانزادہ نے خاموشی سے فائل کھولی۔

ہر صفحے پر ایک نیا نام، ایک نیا جرم، اور اُن تمام جرائم کے ناقابلِ تردید ثبوت درج تھے۔ ساتھ ہی ہر شخص کا پتہ اور مکمل تفصیلات بھی موجود تھیں۔

وہ چند لمحے خاموشی سے سب کچھ پڑھتی رہی، پھر فائل بند کر کے سکندر شاہ کی طرف دیکھا۔

"تھینک یو...

آپ شاید نہیں جانتے، لیکن آپ کے اس ایک قدم سے نہ جانے کتنے معصوم بچے محفوظ ہو جائیں گے۔

آپ کا یہ احسان میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔"

خانزادہ نے خلوص سے کہا۔

سکندر شاہ ہلکا سا مسکرائے، مگر اُس مسکراہٹ میں برسوں کی تھکن چھپی ہوئی تھی۔

"میں اس سے زیادہ تمہاری مدد نہیں کر پاؤں گا۔

اب وہ لوگ میرے پیچھے آئیں گے۔

تم اپنا کام جاری رکھنا... چاہے کچھ بھی ہو جائے۔"

اُنہوں نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"آپ اپنی فیملی کو لے کر یہ ملک چھوڑ دیں۔

میں وعدہ کرتی ہوں، آپ کو اور آپ کی فیملی کو کچھ نہیں ہو گا۔"

خانزادہ نے فکر مندی سے کہا۔

سکندر شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے اپنی زندگی میں بہت غلطیاں کی ہیں۔

اب مجھے کسی چیز کا ڈر نہیں۔

جب سچ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے، تو پھر پوری طرح دوں گا۔

نہ میں یہاں سے جاؤں گا... اور نہ ہی میری فیملی۔

تم نے ہی کہا تھا نا...

اب میری بیٹی واقعی مجھ پر فخر کرے گی۔

اور یہ ہمت... مجھے تم سے ملی ہے۔

شکریہ...

مجھے اس دلدل سے نکالنے کے لیے۔"

اُنہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

خانزادہ بھی اُن کی آنکھوں میں اُتر آئے اطمینان کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"مجھے خوشی ہے۔

اب میں چلتی ہوں۔

لیکن آپ کی سیکیورٹی کے انتظامات میں خود کروں گی۔

خدا حافظ۔"

یہ کہہ کر وہ فائل اپنے ساتھ لیے وہاں سے نکل گئی۔

اب اُس کا رخ فارم ہاؤس کی طرف تھا، جہاں وہ تمام بچے موجود تھے۔

کچھ بچوں کے والدین مل چکے تھے، جو صبح سے اُنہیں لینے کے لیے آ رہے تھے۔

جیسے ہی وہ لان میں داخل ہوئی، شاہ میر نے اُسے دیکھ لیا۔

"آ گئی، پارٹنر!

اِس نے ضد کر رکھی تھی کہ تم سے ملے بغیر اپنے گھر نہیں جائے گی۔"

شاہ میر نے مسکراتے ہوئے ایک ننھی سی بچی کی طرف اشارہ کیا، جس کے والدین قریب ہی کھڑے تھے۔

یہ وہی بچی تھی، جس سے خانزادہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے اُس کے گھر والوں سے ضرور ملوائے گی۔

خانزادہ فوراً اُس کے قریب گئی اور گھٹنوں کے بل اُس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"اچھا... تو آپ میرا انتظار کر رہی تھیں؟"

اُس نے محبت سے پوچھا۔

بچی نے مسکراتے ہی اُسے گلے لگالیا۔

"تھینک یو...

آپ نے مجھے میرے امی ابو سے ملوادیا۔

آپ اُن لوگوں جیسے نہیں ہو...

آپ بہت اچھے ہو۔"

معصوم لہجے میں کہے گئے یہ الفاظ سن کر خانزادہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

اُس نے بچی کو مضبوطی سے اپنے سینے سے لگالیا۔

چند لمحوں بعد اُس نے نرمی سے اُس کا چہرہ اپنے سامنے کیا۔

"اچھا... اب تو اپنا نام بتادو۔

اُس دن بھی نہیں بتایا تھا۔"

بچی مسکرادی۔

"النعم...

میرا نام انعم ہے۔"

"بہت پیارا نام ہے۔

انعم کا مطلب ہوتا ہے 'انعام'...

اور تم بھی اپنے امی ابو کے لیے اللہ کا ایک خوبصورت انعام ہو۔

ہمیشہ خوش رہنا...

اور کبھی بھی ڈرنا نہیں۔

اپنی حفاظت کرنا ضرور سیکھنا، ٹھیک ہے؟"

خانزادہ نے پیار سے سمجھایا۔

انعم نے فوراً سر ہلا دیا۔

"جی۔"

اُس کے والدین بھی آگے بڑھ آئے۔

"آپ کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے...

ہماری بیٹی ہمیں واپس مل گئی۔

ہم زندگی بھر آپ کے شکر گزار رہیں گے۔"

اُس کی ماں نے نم آنکھوں سے کہا۔

خانزادہ نے نرمی سے مسکرا کر جواب دیا۔

"یہ ہمارا فرض تھا۔

لیکن اب آپ کا بھی فرض بنتا ہے کہ اپنے بچوں کو کبھی اکیلا نہ چھوڑیں۔

یہ دنیا پہلے جیسی محفوظ نہیں رہی۔

اور یاد رکھیے...

ماں باپ سے بڑھ کر اپنے بچوں کی حفاظت کوئی نہیں کر سکتا۔"

دونوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہم ایک بہت بڑا سبق سیکھ چکے ہیں۔

اب یہ غلطی کبھی نہیں دہرائیں گے۔"

بچی کی ماں نے پُر اعتماد لہجے میں کہا۔

چند لمحوں بعد وہ اپنی بیٹی کا ہاتھ تھامے وہاں سے روانہ ہو گئے۔

انعم جاتے جاتے کئی بار پلٹ کر خانزادہ کو دیکھتی اور ہر بار مسکرا دیتی، جبکہ خانزادہ بھی اُسے ہاتھ ہلا کر رخصت کرتی رہی۔

شاہ میر یہ منظر دیکھ کر بے اختیار مسکرا اُٹھا۔

"تو پارٹنر...

تم تو کافی مقبول ہو گئی ہو۔"

اُس نے حسبِ عادت مزاحیہ انداز میں کہا۔

خانزادہ نے اُسے گھور کر دیکھا۔

"ہو گیا؟

اب ذرا کام کی بات کر لیں۔"

شاہ میر ہنس پڑا۔

"جی میڈم...

بتاؤ، کیا خبر لائی ہو؟"

خانزادہ نے سکندر شاہ سے ہونے والی پوری ملاقات، فائل، اور اُس میں موجود تمام معلومات تفصیل سے اُسے بتا دیں۔

سب سننے کے بعد شاہ میر نے گہرا سانس لیا۔

"اب ہمارے لیے کام کافی آسان ہو گیا ہے۔

بس ایک ایک کر کے اِن چوہوں کو اُن کے بلوں سے باہر نکالنا ہے۔"

خانزادہ نے فوراً سنجیدگی سے کہا،

"اتنا بھی آسان نہیں ہو گا۔

ہمیں پہلے سے زیادہ محتاط رہنا ہو گا۔

ایک بھی غلطی ہمیں بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔"

پھر اُس نے فارم ہاؤس کی طرف نظر دوڑائی۔

"اچھا، اب میں چلتی ہوں۔

یہاں موجود باقی بچوں میں سے کچھ کے والدین سے بھی رابطہ ہو گیا ہے۔

وہ بھی جلد یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔

یہاں سب میں سنبھال لوں گا۔"

شاہ میر نے اطمینان سے کہا۔

خانزادہ نے اثبات میں سر ہلایا، ایک آخری نظر اُن بچوں پر ڈالی، اور پھر خاموشی سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

//////////////////////

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ پورا گھر خاموشی کی چادر اوڑھے گہری نیند میں ڈوبا ہوا تھا۔ راہداری میں پھیلی مدھم روشنی کمرے کے نیم وا دروازے سے اندر جھانک رہی تھی۔ رامین تھکے قدموں کے ساتھ

کمرے تک آئی۔ پورا دن بھاگ دوڑ میں گزرا تھا، مگر ذہنی تھکن جسمانی تھکن سے کہیں زیادہ بھاری تھی۔

اس نے آہستگی سے دروازہ کھولا تو اُس کے قدم بے اختیار وہیں رک گئے۔

ارسم ابھی تک جاگ رہا تھا۔

وہ صوفے پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا، مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کی توجہ اس پر نہیں، بلکہ دروازے پر ہی جمی ہوئی ہو۔ جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔ رامین کو دیکھتے ہی اُس نے بنا کچھ کہے اپنی نظریں فوراً لیپ ٹاپ کی اسکرین پر جما لیں، گویا اُس کی آمد نے کوئی فرق ہی نہ ڈالا ہو۔

"آپ سوئے نہیں، ارسم؟"

رامین نے دھیرے سے پوچھا۔ حیرت اس کی آواز میں صاف محسوس ہو رہی تھی، کیونکہ ارسم تو ہمیشہ دس بجے تک سو جایا کرتا تھا۔

"نہیں، کام کر رہا تھا، اس لیے۔"

ارسم نے نظریں اسکرین سے ہٹائے بغیر مختصر جواب دیا۔ اُس کی آواز معمول کے مطابق پرسکون تھی، مگر اس پرسکونی کے پیچھے جمی برف رامین بخوبی محسوس کر سکتی تھی۔

پھر اچانک اُس نے سر اٹھایا۔

"اور تم کہاں تھی اس وقت؟"

رامین ایک لمحے کو خاموش ہوئی، پھر اُس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اُتر آئی۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ میرے لیے اپنے کام سے زیادہ ضروری اور کچھ نہیں ہے... بس، اسی کام کے لیے جانا پڑا۔"

اُس نے ارسم کی چند دن پہلے کہی ہوئی بات اُسی کی طرف لوٹا دی۔

ارسم کے چہرے پر کوئی تاثر نہ آیا۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا، لیپ ٹاپ بند کیا اور جا کر بیڈ کے ایک کنارے پر بیٹھ گیا۔

زوہان بیڈ کے درمیان معصومیت سے سو رہا تھا، جیسے اُس ننھی سی جان کو اپنے ماں باپ کے درمیان پھیلی اس خاموش جنگ کا ذرا بھی احساس نہ ہو۔

رامین نے ایک نظر ارسم پر ڈالی، مگر جب اُسے حسبِ معمول خاموش پایا تو آہستگی سے بیڈ کے دوسرے کنارے پر آ کر بیٹھ گئی۔

دونوں کے درمیان صرف چند قدموں کا فاصلہ تھا، مگر دلوں کے درمیان یہ فاصلے مہینوں پر محیط محسوس ہو رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کیے بیٹھے تھے، جیسے کسی نے لفظوں پر پابندی لگا دی ہو۔

کافی دیر بعد ارسم کی آواز اس خاموشی کو چیرتی ہوئی سنائی دی۔

"تم انیلہ صاحبہ کا سچ کب سب کے سامنے لا رہی ہو؟"

"میں پہلے اُن کی زبان سے اعتراف کرواؤں گی... وہ خود اپنا جرم قبول کریں گی۔"

رامین نے اسی خاموش انداز میں جواب دیا۔

"اور یہ کام کتنے عرصے میں ہو گا؟"

ارسم نے دوبارہ پوچھا۔

رامین نے گہرا سانس لیا۔دل چاہا وہ اُس سے کہہ دے کہ وہ کہیں نہیں جانا چاہتی، مگر ارسم کی گزشتہ باتیں ابھی تک اُس کے دل میں زخم بن کر موجود تھیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں... جلدی ہو جائے گا،اور پھر میں یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی۔"

الفاظ ادا کرتے ہوئے اُس کا اپنا دل جیسے ٹوٹ رہا تھا۔اُسے یقین تھا کہ ارسم یہی سننا چاہتا ہے۔آخر اُس نے تو اُسے زوہان سے بھی دور رہنے کا کہہ دیا تھا۔

رامین کی بات سن کر ارسم کی پلکیں ایک لمحے کو بے اختیار جھپکیں۔اُس کے دل میں عجیب سا درد اٹھا، مگر اُس نے اپنے جذبات کو چہرے تک آنے نہیں دیا۔

"بہتر ہے... گڈ نائٹ، رامین۔"

اُس نے بنا اُس کی طرف دیکھے کہا اور اپنی طرف کروٹ لے کر لیٹ گیا۔

رامین بھی خاموشی سے دوسری جانب لیٹ گئی۔

کمرے میں پھر خاموشی چھا گئی۔

درمیان میں معصوم زوہان سکون سے سو رہا تھا، جبکہ اُس کے دونوں طرف لیٹے دو لوگ جاگ رہے تھے...ایک دوسرے سے صرف چند انچ کے فاصلے پر، مگر دلوں کے درمیان ایک پوری دنیا حائل تھی۔

اس رات نیند دونوں کی آنکھوں سے روٹھی رہی۔ایک اپنی ضد میں جاگتا رہا، تو دوسرا اپنے ٹوٹتے دل کو سنبھالتا رہا۔

//////////////////////

آج صوفیہ اور رومان کی مہندی کی تقریب تھی۔رومان کی ضد پر یہ تقریب کسی فارم ہاؤس یا لان کے بجائے ایک خوبصورت میرج ہال میں رکھی گئی تھی، اسی لیے صبح سے ہی ابراہیم ہاؤس میں غیر معمولی گہما گہمی تھی۔

گھر کا ہر کونا شادی کی رونقوں سے جگمگا رہا تھا۔ملازمین اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے، کہیں پھولوں کی سجاوٹ مکمل کی جا رہی تھی تو کہیں تحائف ترتیب دیے جا رہے تھے۔رشتے داروں کی آوازیں، بچوں کی شرارتیں اور خواتین کی ہنسی پورے گھر میں زندگی بکھیر رہی تھیں۔

ارسم اور ثمر صبح ہی سے ایک پل کے لیے بھی نہیں بیٹھے تھے۔ کبھی وہ ہال والوں سے فون پر بات کرتے، کبھی سجاوٹ چیک کرتے اور کبھی مہمانوں کے انتظامات دیکھتے۔دونوں کی مسلسل بھاگ دوڑ دیکھ کر صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس تقریب کو ہر لحاظ سے یادگار بنانا چاہتے تھے۔

دور دراز شہروں سے آئے مہمان بھی اب گھر پہنچ چکے تھے۔ کوئی پرانے قصے دہرا رہا تھا، کوئی نئ ملاقاتوں میں مصروف تھا، تو کہیں بچے اپنے ہی کھیل میں مگن تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے پورا گھر خوشیوں کی سانسیں لے رہا ہو۔

مگر انہی خوشیوں کے درمیان ایک چہرہ ایسا بھی تھا جس پر یہ رونقیں بوجھ بن چکی تھیں۔

انیلہ صاحبہ حسبِ معمول چند رسمی ملاقاتوں کے بعد خاموشی سے اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ وہ ویسے بھی ابراہیم صاحب کے رشتے داروں سے ہمیشہ خائف رہتی تھیں، کیونکہ اُن میں سے اکثر لوگ آج بھی موقع ملتے ہی اُنہیں "دوسری عورت" ہونے کا طعنہ دینے سے باز نہیں آتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی طبیعت ناساز ہونے کا بہانہ بنایا اور خود کو سب کی نظروں سے دور کر لیا۔

دوسری طرف رامین خاموشی سے پورے گھر کے انتظامات پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ کہیں کسی مہمان کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو، کوئی بزرگ اکیلا نہ رہ جائے، یا بچوں کو کسی مدد کی ضرورت نہ پڑ جائے... وہ بنا کسی شور کے ہر ذمہ داری نبھا رہی تھی۔ مگر اُس کے چہرے کی سنجیدگی بتا رہی تھی کہ دل کے اندر برپا طوفان اب بھی تھما نہیں تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے شام نے اپنی سنہری چادر پورے آسمان پر پھیلا دی۔

اب سب اپنے اپنے کمروں میں تیار ہونے جا رہے تھے۔ رنگ برنگے لباس، مہندی کی خوشبو اور چوڑیوں کی کھنک نے گھر کے ماحول کو مزید دلکش بنا دیا تھا۔

تیاری مکمل ہوتے ہی سب ایک ایک کر کے گھر سے روانہ ہونے لگے۔

آج کی منزل میرتیج ہال تھا... جہاں رومان اور صوفیہ کی مہندی کی تقریب اُن سب کا انتظار کر رہی تھی۔

//////////////////////

میرتیج ہال کو یلو، گرین اور پنک رنگوں کے حسین امتزاج سے سجایا گیا تھا۔ ہر طرف تازہ پھولوں کی خوشبو بکھری ہوئی تھی، جبکہ چھت سے لٹکتی جھلملاتی روشنیاں پورے ہال کو کسی خوابناک منظر کا روپ دے رہی تھیں۔ اسٹیج پر دلہا اور دلہن کے لیے خوبصورت پھولوں سے سجا ایک روایتی جھولا رکھا گیا تھا، جس کے گرد رنگ برنگے پھولوں کی لڑیاں اور باریک قمقمے اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔

آج ہر شخص اپنی اپنی تیاری میں بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔

ارسم نے گرین رنگ کا خوبصورت کُرتا، وائٹ پاجامہ اور گلے میں یلو رنگ کا دوپٹہ ڈال رکھا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اُس کی شخصیت میں ایک الگ ہی وقار اور کشش تھی۔ دوسری طرف ثمر نے یلو رنگ کا کُرتا، وائٹ پاجامہ اور گلے میں گرین دوپٹہ لے رکھا تھا، اور حسبِ معمول اُس کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ موجود تھی۔

آج کے دولہا، یعنی رومان، وائٹ سوٹ کے ساتھ گرین رنگ کا پرنس کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ بالوں کو نفاست سے جیل کے ذریعے سیٹ کیا گیا تھا، اور چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اُن کی خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔ آج واقعی وہ کسی شہزادے سے کم نہیں لگ رہے تھے۔

ادھر صوفیہ نے یلور نگ کی خوبصورت کرتی کے ساتھ پنک غرارہ زیبِ تن کیا ہوا تھا۔ بالوں میں بنی کھجور چوٹیاں اُس کی معصومیت میں چار چاند لگا رہی تھیں، جبکہ ہلکے میک اپ میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر آنے والی نئی زندگی کی خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

اور پھر رامین...

رامین نے گرین رنگ کا نفیس لباس پہنا تھا۔ اُس کے لمبے سیاہ بال کھلے ہوئے تھے، جو کندھوں سے ہوتے ہوئے کمر تک بکھرے ہوئے تھے۔ ہلکے سے میک اپ نے اُس کی قدرتی خوبصورتی کو اور بھی نکھار دیا تھا۔ وہ واقعی کسی پری کا گمان دے رہی تھی، مگر اُس کی آنکھوں کی گہرائی میں چھپی اداسی صرف وہی محسوس کر سکتا تھا جو اُسے دل سے جانتا ہو۔

زوہان بھی آج سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اُس نے ننھا سا گرین کُرتا پہن رکھا تھا اور گلے میں یلور نگ کا چھوٹا سا دوپٹہ ڈالا گیا تھا۔ اپنی معصوم مسکراہٹ اور گول مٹول چہرے کے ساتھ وہ اتنا پیارا لگ رہا تھا کہ رامین نہ جانے کتنی بار اُس کی نظر اُتار چکی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے تمام مہمان ہال میں پہنچ چکے تھے۔

ایک طرف ابراہیم صاحب اور حارث صاحب مہمانوں سے ملتے ہوئے آپس میں خوش گپیاں لگا رہے تھے، جبکہ دوسری جانب ریحا صاحبہ بھی انیلہ صاحبہ کے ساتھ موجود تھیں۔ ہر طرف قہقہوں، مبارک بادوں اور خوشیوں کا شور تھا۔

کچھ ہی لمحوں بعد ہال کی روشنیاں مدھم ہوئیں اور سب کی نظریں داخلی دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔ دلہا اور دلہن کی شاندار انٹری ہو چکی تھی۔

پس منظر میں مدھم آواز میں گیت بجنے لگا۔

"مہندی رچے گی تیرے ہاتھ، ڈھولک بجے گی ساری رات..."

ہال کا ماحول مزید خوشگوار ہو گیا۔ سب کی نظریں مسکراتے ہوئے رومان اور شرماتی ہوئی صوفیہ پر تھیں، جو آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اسٹیج پر آئے اور پھولوں سے سجے جھولے پر جا کر بیٹھ گئے۔

رامین بھی زوہان کو گود میں اٹھائے اسٹیج کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

چند لمحوں بعد مہندی کی رسم کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

سب سے پہلے ابراہیم صاحب اور حارث صاحب نے دونوں کو مہندی لگائی اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازا۔ اُن کے بعد انیلہ صاحبہ اور ریحا صاحبہ نے رسم ادا کی۔

رسم مکمل ہوتے ہی بڑے اسٹیج سے نیچے اتر گئے اور اب اسٹیج مکمل طور پر نوجوانوں کے حوالے تھا۔

اس وقت وہاں صرف ارسم، ثمر، رامین، صوفیہ کی چند قریبی دوستیں اور رومان موجود تھے۔

ارسم سب سے پہلے آگے بڑھا۔اُس نے محبت سے رومان کے ہاتھ پر مہندی لگائی، پھر اُسے اپنے ہاتھ سے مٹھائی کھلائی۔اس کے بعد اُس نے صوفیہ کے ہاتھ پر بھی مہندی لگائی اور شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دُعا دی۔

ابھی یہ رسم مکمل ہی ہوئی تھی کہ ثمر کی آنکھوں میں شرارت چمک اٹھی۔

وہ خاموشی سے مہندی کا پیالہ اٹھائے رومان کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔

"کیا کر رہا ہے بھائی؟"

رومان نے اُس کے تیور دیکھ کر مشکوک انداز میں پوچھا، مگر وہ کچھ سمجھ پاتا، اس سے پہلے ہی...

چھپاک!

ثمر نے پورا مہندی کا پیسٹ رومان کے اوپر انڈیل دیا۔

ایک لمحے میں اُس کا خوبصورت پرنس کوٹ، ہاتھ، چہرہ... سب مہندی سے بھر چکے تھے۔

رومان حیرت سے منہ کھولے اپنی حالت دیکھ رہا تھا، جبکہ اگلے ہی لمحے سب سے پہلا زوردار قہقہہ صوفیہ نے لگایا۔

وہ اتنی زور سے ہنس رہی تھی کہ اپنی ہنسی روک ہی نہیں پا رہی تھی۔

"شرم نہیں آتی تمہیں، لڑکی؟ اپنے ہونے والے شوہر کی حالت پر ہنس رہی ہو!"

رومان نے احتجاج کرتے ہوئے کہا، مگر اُس کی اپنی حالت ایسی تھی کہ وہاں موجود ہر شخص اپنی ہنسی روکنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"ہاں تو کیا ہوا؟ تم کوئی پہلے دولہے نہیں ہو جس کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔"

صوفیہ نے ہنسی دباتے ہوئے جواب دیا، اور اس کی بات سن کر ایک بار پھر قہقہوں کی آواز پورے ہال میں گونج اٹھی۔

رومان نے بے بسی سے سر ہلایا۔

" صحیح ہے... اپنے پیروں پر کلہاڑی تو میں نے خود ہی ماری ہے، اب کسی کو الزام بھی نہیں دے سکتا۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو تم؟ کہ مجھ سے شادی کرنا تمہاری غلطی ہے؟"

صوفیہ نے فوراً آنکھیں تیری کرتے ہوئے غصے سے پوچھا۔

"ویسے مجھے تم اتنی سمجھدار کبھی لگی نہیں ہو... لیکن آج میری بات فوراً سمجھ گئی۔"

رومان نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ اُسے چھیڑا۔

"رومان!"

صوفیہ غصے سے کچھ کہنے ہی والی تھی کہ...

"اچھا بس... کیوں بچوں کی طرح لڑ رہے ہو تم دونوں؟ رومان، اب بس بھی کر دو۔"

رامین نے مسکراتے ہوئے دونوں کو ٹوکا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر بے اختیار مسکرا دیے۔

اسٹیج پر موجود ہر شخص اُن کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہا تھا، اور یہی چھوٹی چھوٹی شرارتیں اُس شام کو سب کے لیے یادگار بنا رہی تھیں۔

یوں ہنسی، مذاق، قہقہوں اور دعاؤں کے درمیان مہندی کی خوبصورت تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

کچھ دیر بعد سب مہمان خوشگوار یادیں سمیٹے اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔

//////////////////////

وہ چاروں اس وقت ہوٹل کے کمرے میں موجود تھے۔ میر تیج ہال سے سیدھا وہ یہاں آئے تھے۔

کمرے میں ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی، مگر اس روشنی کے باوجود فضا پر ایک عجیب سا بوجھ طاری تھا۔

چند لمحے پہلے تک شادی کی رونقوں، قہقہوں اور موسیقی سے بھرا ماحول اب مکمل خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر چہرے پر فکر کی لکیریں تھیں، جیسے آنے والے وقت کا ہر قدم کسی بڑے طوفان کی خبر دے رہا ہو۔

صوفیہ بیڈ پر بیٹھی تھی اور زوہان اس کے ساتھ پرسکون نیند سو رہا تھا، دنیا کے ہر دکھ اور ہر سازش سے بے خبر۔ رومان سامنے رکھے صوفے پر بیٹھا تھا، دونوں ہاتھ آپس میں جوڑے، گہری سوچ میں گم۔ جبکہ ارسم کھڑکی کے پاس خاموش کھڑا تھا۔ اس کی نظریں شیشے سے باہر پھیلی رات پر تھیں، لیکن ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ دوسری طرف رامین کمرے کے درمیان کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر مضبوطی تو

تھی، مگر آنکھوں کی تھکن صاف بتا رہی تھی کہ گزشتہ چند دنوں نے اس سے اس کی ساری راحت چھین لی تھی۔

"انیلہ صاحبہ اپنے منہ سے کبھی اعتراف نہیں کریں گی، سینئیر، مجھے لگتا ہے ہمیں عابد کے اعتراف کو اِستعمال کر کے اُنہیں جیل میں ڈال دینا چاہیے۔" صوفیہ نے رامین کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"نہیں، عابد پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، وہ جیل سے نِکل کر شاید اپنی ماں کی طرف ہو جائے، میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتی۔" رامین نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"ہم ڈائریکٹ اُن سے پوچھ سکتے ہیں، جب اُنہوں نے اِتنا سب کیا ہے تو اُن کی آنکھوں میں خوف تو آئے گا ہی۔" رومان نے کہا۔

رامین نے آہستہ سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ چند قدم چل کر کھڑکی کی طرف گئی، پھر رک گئی۔

"نہیں، وہ عورت خوف زدہ نہیں ہوتی، وہ بہت مرتبہ ڈھٹائی سے مجھے دھمکا چکی ہے، وہ ایک اور کہانی گڑھ دے گی، ہمیں کچھ کرنا ہے کہ خود اعتراف کرے وہ، اور اُسے علم بھی نہ ہو۔" رامین نے کھڑے ہو کر کہا تھا۔

ابھی اس کی بات ختم ہی ہوئی تھی کہ خاموش کھڑا ارسم بغیر اس کی طرف دیکھے بولا،

" صحیح کہا، اور یہ بات تم سے بہتر کون جان سکتا ہے، جھوٹ بولنا اور بات کو مروڑ دینا، یہ تو تمہاری خاصیت ہے۔"

اس کے طنزیہ لہجے نے کمرے کی پہلے سے بوجھل فضا کو مزید سرد کر دیا۔ رامین کے چہرے پر ایک لمحے کو تکلیف ابھری، مگر اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"میں نے آپ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ارسم۔" رامین نے اس کی بات پر ضبط سے کہا تھا۔

ارسم آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے بالکل سامنے آ کر رک گیا۔ دونوں کے درمیان صرف چند قدموں کا فاصلہ تھا، مگر دلوں کے درمیان شاید صدیوں کی دوری آ چکی تھی۔

"اچھا، لیکن سچ... کیا وہ بھی نہیں چھپایا تم نے، بتاؤ؟" ارسم بالکل اُس کے سامنے آ کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

رومان اور صوفیہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بے بسی سے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ بحث اب صرف الفاظ کی نہیں رہی، یہ دو ٹوٹے ہوئے دلوں کی جنگ بن چکی تھی۔

رامین نے چند لمحے خاموش رہ کر اپنی بھیگی پلکیں جھکائیں، پھر پوری ہمت جمع کر کے دوبارہ اس کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے، میں ہی غلط ہوں، مان رہی ہوں۔ کیا سزا دینا چاہتے ہیں، مجھے دیں سزا، پر اب میں یہ سب مزید برداشت نہیں کر سکتی، آپ کو مُجھ پر جو غصّہ نکالنا ہے، ایک ہی بار میں نکال لیں، اور خود کو بھی اس تکلیف سے آزاد کر دیں۔"

اس کی آواز میں کوئی احتجاج نہیں تھا، صرف تھکن تھی... بے حد تھکن۔ جیسے مسلسل مضبوط بنے رہنے کی کوشش اب جواب دے چکی ہو۔اس کی نم آنکھیں مسلسل ارسم کی نیلی آنکھوں میں جواب تلاش کر رہی تھیں۔

کمرے میں چند لمحوں کے لیے ایسی خاموشی چھا گئی کہ صرف اے سی کی مدھم آواز سنائی دے رہی تھی۔

رومان نے محسوس کیا کہ اگر اب بھی کسی نے مداخلت نہ کی تو شاید یہ خاموشی دونوں کے رشتے کو ہمیشہ کے لیے توڑ دے گی۔ وہ فوراً اٹھ کر دونوں کے درمیان آ گیا۔

"بھابھی، بھائی، پلیز... یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے، ہمیں کچھ سوچنا ہوگا جس سے ہمارا کام ہو جائے۔"

اس کی بات پر ارسم اور رامین دونوں نے ایک ساتھ اپنا رخ دوسری طرف موڑ لیا۔ جیسے دونوں ہی ایک دوسرے کو مزید دیکھنے کی ہمت نہ رکھتے ہوں۔

چند لمحوں بعد صوفیہ نے خاموشی توڑی۔

"ویسے میری معلومات کے مطابق، انیلہ بیگم اور آئمہ کے آج کل آپس میں اختلاف ہیں، ہم اس بات کا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، ویسے بھی دشمن کو توڑنے کے لیے اُس کے اتحادیوں کو الگ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے۔" صوفیہ نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔

رامین کی آنکھوں میں پہلی بار ہلکی سی چمک ابھری۔

"کیا تم وہی سوچ رہی ہو جو میں سوچ رہی ہوں؟" رامین نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یہ آپ دونوں سوچ کیا رہے ہیں، ہمیں بھی کچھ بتائیں۔" رومان نے رامین سے کہا۔

"ڈیوائڈ اینڈ رول کے بارے میں سنا ہے نا تم نے، اب ہم بھی یہی کریں گے۔" رامین نے اُسے جواب دیا۔

رومان نے دونوں کی طرف دیکھا، پھر اپنے انداز میں ماحول ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

"اچھا، جو بھی کرنا ہے، کل نہیں کرنا، کل میری شادی ہے بھئی، اس کے بعد جو کرنا ہو کر لینا۔"

اس کی بات سنتے ہی کمرے کی سنجیدہ فضا میں پہلی بار ہلکی سی مسکراہٹ بکھری۔ صوفیہ مسکرا دی، رامین کے لبوں پر بھی مدھم سی مسکراہٹ آئی، حتیٰ کہ ارسم کے چہرے کے سخت تاثرات میں بھی ایک لمحے کے لیے نرمی محسوس ہوئی، اگرچہ اس نے نظریں ابھی بھی دوسری طرف کر رکھی تھیں۔

"ٹھیک ہے بھئی، نہیں کریں گے کچھ۔" رامین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

بات ختم ہوئی تو وہ سب کمرے سے باہر نکل آئے۔ پہلے صوفیہ کو اس کے گھر چھوڑا گیا۔

اس کے بعد گاڑی میں مکمل خاموشی چھائی رہی۔

باہر سڑک کی روشنیاں ایک کے بعد ایک پیچھے رہتی جا رہی تھیں، مگر گاڑی کے اندر بیٹھے تینوں لوگوں کی سوچیں اپنی اپنی منزلوں میں الجھی ہوئی تھیں۔ کوئی آنے والے کل کے بارے میں سوچ رہا تھا، کوئی

گزرے ہوئے کل کے زخموں میں گم تھا،اور کوئی ان دونوں کے درمیان بکھرتے رشتے کو بچانے کی بے بس کوششوں میں۔

//////////

آج رومان اور صوفیہ کی شادی تھی۔

صبح سے ہی ابراہیم ہاؤس کسی عید کے گھر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی، کہیں مہمانوں کی آمد و رفت جاری تھی، تو کہیں ملازم سجاوٹ اور کھانے کے انتظامات میں مصروف تھے۔ گھر کے ہر کونے سے ہنسی، باتوں اور تیاریوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ابراہیم صاحب کے زیادہ تر رشتے دار دوسرے شہروں سے آئے تھے، اسی لیے پورا گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔

دوسری طرف ہمیشہ کی طرح انیلہ صاحبہ اپنے کمرے تک ہی محدود تھیں۔ نہ اُنہیں مہمانوں سے ملنے میں دلچسپی تھی اور نہ ہی شادی کی کسی رسم سے۔ وہ حسبِ عادت اپنی بیماری کا بہانہ بنا کر الگ بیٹھی ہوئی تھیں۔

اور رامین...

وہ صبح سے ایک پل کے لیے بھی نہیں بیٹھی تھی۔ کبھی کچن میں جا کر ناشتے کا انتظام کرواتی، کبھی کسی مہمان کی ضرورت پوری کرتی، تو کبھی کسی بزرگ کو اُن کے کمرے تک چھوڑنے چلی جاتی۔ ہر کوئی اُسے ہی آواز دے رہا تھا، مگر اُس کے چہرے پر تھکن کے باوجود مسکراہٹ قائم تھی۔

ابھی وہ کچن میں ثمینہ کے ساتھ ناشتے کا انتظام کروا کر باہر نکلی ہی تھی کہ...

"**بہو، اِدھر آنا ذرا، میرا یہ موبائل چل نہیں رہا ہے، دیکھو ذرا۔**"

ابراہیم صاحب کی خالہ، جو عمر رسیدہ تھیں، صوفے پر بیٹھی اُسے آواز دیتے ہوئے بولیں۔

رامین فوراً اُن کی طرف بڑھی اور اُن کے برابر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"**جی دادو، کیا ہوا ہے؟**"

انہوں نے فوراً اپنا موبائل اُس کے ہاتھ میں رکھ دیا اور ایک ہی سانس میں اتنے مسئلے گنوا دیے، جیسے رامین فون ٹھیک کرنے والی ماہر ہو۔

"**بیٹا دیکھو نا، کھل ہی نہیں رہا۔**"

رامین نے فون ہاتھ میں لے کر دیکھا تو اُس کی بیٹری مکمل ختم ہو چکی تھی۔

"**دادو، چارج لگاتے ہیں فون کو، میں ابھی لگاتی ہوں، پھر چلے گا۔**"

رامین نے ہمیشہ کی طرح مسکراتے ہوئے کہا اور فوراً فون چارجر سے لگا دیا۔

بزرگ خاتون محبت سے اُسے دیکھتی رہ گئیں، پھر بے اختیار اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں،

"**نسرین دیکھتی تُجھ کو تو صدقے واری جاتی اپنی بہو پر، بہت ہی کوئی اچھے کام کیے ہیں اس نے کہ تُجھ جیسی بہو ملی ہے، ورنہ یہ انیلہ تو خُدا کا غضب ہے، پتہ نہیں میرے ابراہیم کو کیسے پھانس لیا۔**"

انہوں نے ارسم کی والدہ کا نام لیتے ہوئے محبت سے رامین کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ چند ہی دنوں میں رامین نے اپنے اخلاق اور خدمت سے اُن کے دل میں خاص جگہ بنالی تھی۔

"**دادو، آپ اچھی ہیں، اس لیے میں آپ کو اچھی لگ رہی ہوں۔**"

رامین نے نرمی سے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

بزرگ خاتون مسکرادیں۔

"**نہیں میری جان، ارسم بہت خوش قسمت ہے، کہ تُجھ جیسی پیاری بیوی ملی ہے اسے، ورنہ انیلہ کو دیکھ، ابراہیم نے دوسری شادی کے نام پر پھندا ڈال لیا اپنے گلے میں، لیکن میرے ارسم کی پسند ہمیشہ سے لاجواب تھی، پہلے عنایا جیسی پیاری بچی اور اب تم... ورنہ یہ انیلہ تو متھے مارنا چاہتی تھی اپنی وہ بھانجی میرے ارسم کے۔**"

یہ سب کہتے ہوئے اُن کی آواز میں شفقت بھی تھی اور ماضی کا افسوس بھی۔

اُنہیں کیا معلوم تھا...

کہ اُن کی ہر بات چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ایک شخص خاموشی سے سن رہا تھا۔

ارسم ابھی ابھی میرج ہال سے ساری تیاریوں کا جائزہ لے کر واپس آیا تھا۔ جیسے ہی وہ ہال میں داخل ہوا، دادو کی آواز اُس کے کانوں میں پڑی اور وہ بے اختیار وہیں رک گیا۔

خاموش...

بے حس و حرکت...

وہ رامین اور دادو کی گفتگو سنتا رہا۔

"**نہیں دادو، میں عنایا جتنی اچھی نہیں ہوں، اُس سے زیادہ اچھا انسان میں نے دیکھا ہی نہیں۔اور اب آپ بھی میری تعریف کرنا بند کریں اور چل کر ناشتہ کریں، پھر آرام کریے گا، رات کو شادی ہے، اس لیے پہلے ناشتہ اور پھر آرام، ٹھیک ہے۔**"

رامین نے ہمیشہ کی طرح عنایا کا نام پورے احترام اور محبت سے لیا، پھر مسکراتے ہوئے اُن کے چہرے کی طرف دیکھا اور آہستہ سے اُنہیں سہارا دے کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف لے گئی۔

ارسم خاموشی سے اُن دونوں کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

نہ اُس نے کوئی آواز دی...

نہ ہی اُن کے پاس گیا۔

بس ایک گہرا سانس لیا، اپنی نظریں جھکائیں اور بغیر کچھ کہے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

////////

وہ سب لوگ ہال میں موجود تھے، جبکہ رامین، صوفیہ کے ساتھ پارلر گئی ہوئی تھی۔ صوفیہ اُسے تقریباً زبردستی اپنے ساتھ لے کر گئی تھی۔ زوہان کو وہ فرحین صاحبہ کے پاس چھوڑ کر آئی تھی، کیوں کہ

زوہان کے معاملے میں وہ کسی اور پر آسانی سے بھروسا نہیں کرتی تھی۔ جاتے ہوئے بھی وہ کئی بار پلٹ پلٹ کر اُسے دیکھتی رہی تھی، تب جا کر اُس کے دل کو تھوڑا سا اطمینان ہوا تھا۔

پارلر کی روشن فضا میں ہر طرف دلہنوں کی تیاری کا شور تھا۔ کہیں ہیئر اسپرے کی خوشبو بکھری ہوئی تھی، کہیں چوڑیوں کی کھنک سنائی دے رہی تھی، اور آئینوں کے سامنے بیٹھی لڑکیاں اپنی اپنی تیاریوں میں مصروف تھیں۔

آج صوفیہ نے مہرون رنگ کا نہایت خوبصورت لہنگا چولی پہنا تھا۔ ڈارک میک اپ، نفیس جیولری اور خوبصورت ہیئر اسٹائل میں وہ واقعی کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر دلہن بننے کی خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

جبکہ رامین نے بلیو کلر کا خوبصورت ڈریس پہنا تھا۔ صوفیہ نے آج اُسے بھی زبردستی میک اپ کروایا تھا۔ اُس کے لمبے بال نہایت سلیقے سے اسٹریٹ کیے گئے تھے، ہلکا سا میک اپ اُس کے معصوم نقوش کو مزید نکھار رہا تھا۔ وہ عام دنوں میں کبھی اتنی تیاری نہیں کرتی تھی، مگر آج اُس کی سادگی میں شامل یہ نفاست اُسے ایک الگ ہی حسن عطا کر رہی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کسی نے نیلے آسمان کا ایک ٹکڑا زمین پر اتار دیا ہو۔

"سینئیر، آج تو لگتا ہے آپ کو کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔" صوفیہ نے ماشاءاللہ پڑھتے ہوئے کہا تھا۔

"زیادہ اوورری ایکٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اب چلو، ثمر ہمیں پک کرنے آیا ہوگا۔" رامین نے ہلکی سی جھینپ چھپاتے ہوئے کہا، اور دونوں پارلر سے باہر نکل آئیں۔

مگر باہر آکر اُنہیں ثمر نہیں، بلکہ ارسم نظر آیا۔

وہ اپنی گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ آج اُس نے بلیو کلر کا تھری پیس سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اُس کے بال جیل سے بڑی نفاست سے سیٹ تھے، اور اُس کی شخصیت میں ایک خاموش رعب اور وقار نمایاں تھا۔ ایک ہاتھ میں موبائل تھا، جس میں وہ پوری توجہ سے مصروف تھا۔

اُن کے قدموں کی آہٹ پر اُس نے فون بند کیا اور سیدھا ہو کر سامنے دیکھا...

اور پھر اُس کی نظریں رامین پر جا ٹھہریں۔

ایک لمحے کے لیے جیسے وقت تھم سا گیا۔

وہ بے اختیار اُسے دیکھتا رہ گیا۔

اُس کی نظریں آہستہ آہستہ رامین کے چہرے کا طواف کرنے لگیں۔ آج وہ واقعی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہلکی سی شرم، آنکھوں میں سادگی اور وجود میں وہی مانوس سکون تھا، جسے ارسم چاہ کر بھی نظرانداز نہیں کر پا رہا تھا۔

چند لمحوں کے لیے وہ شاید یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ اُس سے ناراض ہے۔

رامین نے بھی بے اختیار اُس کی طرف دیکھا۔اُن دونوں کی نظریں چند پل کے لیے ایک دوسرے سے ملیں۔اُس لمحے میں نہ کوئی لفظ تھا،نہ کوئی آواز... صرف خاموش نظریں تھیں، جن میں کئی اَن کہی باتیں قید تھیں۔

تبھی صوفیہ کی شوخ آواز نے اُس خاموش لمحے کو توڑ دیا۔

"لگ رہی ہے نا ہیروئن؟"صوفیہ نے ارسم کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا،اور رامین نے فوراً اُسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"ہاں،لگ رہی ہے۔"ارسم نے بھی کھوئے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

اُس کے لہجے کی بے ساختگی نے رامین کو چند لمحوں کے لیے حیران کر دیا۔اُس نے دوبارہ ارسم کی آنکھوں میں جھانکا۔ابھی کچھ لمحے پہلے تک وہاں نہ غصہ دکھائی دے رہا تھا،نہ ناراضی... صرف خاموش سی تعریف تھی، جسے شاید وہ خود بھی محسوس نہیں کر پایا تھا۔

"مان جائیں پھر، مجھے... زبردستی تیار کروایا ہے میں نے۔"صوفیہ نے فوراً سارا کریڈٹ لیتے ہوئے کہا تھا۔

ارسم کی نظریں ایک لمحے کے لیے پھر رامین پر گئیں، مگر اگلے ہی پل اُس نے خود کو سنبھال لیا، جیسے اچانک اُسے اپنی ناراضی یاد آ گئی ہو۔

"اگر تیار نہیں ہونا چاہتی تھی، تو تمہیں زبردستی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" ارسم نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔

رامین خاموشی سے اُس کے پل پل بدلتے ہوئے رویے کو دیکھتی رہی۔ کبھی اُس کی آنکھوں میں بے اختیار اُبھر آنے والی محبت، اور اگلے ہی لمحے خود پر مسلط کر لی گئی سرد مہری... ارسم کے دل میں جاری کشمکش اُس سے چھپی نہیں تھی۔

"چلو، اب دیر ہو رہی ہے، نکاح شروع ہونا ہے، مولوی صاحب انتظار کر رہے ہیں۔" ارسم نے مختصر انداز میں کہا، پھر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ تینوں شادی ہال کی طرف روانہ ہو گئے، جہاں اُن کی زندگی کا ایک اور یادگار باب اُن کا منتظر تھا۔

//////////

ہال میں پہنچتے ہی نکاح کی تقریب کا باقاعدہ آغاز ہو گیا تھا۔ اسٹیج کے سامنے سفید غلافوں سے سجی کرسیاں، تازہ پھولوں کی مہک، سنہری روشنیوں کی چمک اور ہر طرف گونجتی مبارک بادیں پورے ماحول کو خوشیوں سے بھر رہی تھیں۔

رامین زوہان کو بھی فرحین صاحبہ سے واپس لے آئی تھی۔ آج اُس نے اپنے بابا کے ساتھ ایک جیسی ڈریسنگ کی تھی۔ ننھے سے گرین کُرتے اور چھوٹے سے دوپٹے میں وہ ہمیشہ کی طرح سب سے پیارا الگ

رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے رامین کا چہرہ دیکھ رہا تھا، جیسے آج وہ اُسے نئی نئی لگ رہی ہو۔ کبھی اُس کے دوپٹے کو پکڑ لیتا اور کبھی اُس کے چہرے کو حیرت سے تکنے لگتا، جس پر رامین بے اختیار مسکرا دیتی۔

مولوی صاحب نے نکاح پڑھوایا، اور چند لمحوں بعد دونوں کی رضامندی کے ساتھ نکاح مکمل ہو گیا۔ پورے ہال میں "مبارک ہو... مبارک ہو..." کی صدائیں گونجنے لگیں۔ سب نے ہاتھ اُٹھا کر نئی زندگی کے لیے دعا مانگی، اور پھر ایک دوسرے سے گلے مل کر مبارک باد دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر چہرے پر خوشی اور ہر آنکھ میں اپنائیت جھلک رہی تھی۔

"مبارک ہو، اب سے تم مسز رومان ابراہیم بن گئی ہو۔" رومان نے صوفیہ کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔

"خیر مُبارک، اور آپ کو بھی مبارک ہو مسٹر رومان ابراہیم، اب آپ نے مُجھ سے شادی کی ہے، نازُک لڑکے والا ٹائٹل اب بدلنا پڑے گا، اب مجھے جھیلنے والا نازُک تو نہیں ہو سکتا اس لیے۔" صوفیہ نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا تھا، اور رومان اُس کا منہ دیکھ رہا تھا کہ یہ کبھی نہیں سدھرے گی۔

"مُبارک ہو دیور جی، اور تمہیں بھی مُبارک ہو جونیئر۔" رامین نے صوفیہ کے پاس ہی صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ دونوں سے ملی، اور رومان نے فوراً زوہان کو اپنی گود میں اُٹھالیا۔ زوہان بھی اُس کی بانہوں میں آتے ہی ہنسنے لگا، اور رومان اُس کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ اِدھر کیمرہ مین مسلسل اُن لمحوں کو اپنے کیمرے میں محفوظ کر رہا تھا۔ کبھی دلہا دلہن کی تصویریں، کبھی فیملی کے ساتھ، تو کبھی زوہان کی معصوم شرارتیں... ہر تصویر ایک خوبصورت یاد بن رہی تھی۔

پھر پوری فیملی کی تصاویر لی گئیں۔ سب ایک دوسرے کے قریب کھڑے تھے، کوئی مسکرا رہا تھا، کوئی مذاق کر رہا تھا، اور کوئی کیمرے کی طرف دیکھنے کے بجائے اپنے ہی کسی عزیز کو دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

اسی دوران صوفیہ کی چند کزنز دودھ پلائی کی رسم کے لیے اسٹیج پر آ گئیں۔ اُن کے چہروں پر شرارت بھری مسکراہٹیں تھیں، جیسے پہلے ہی کوئی منصوبہ بنا کر آئی ہوں۔

"ہاں بھئی سالی ساحباؤں، کیا خدمت کر سکتا ہے آپ کا یہ جیجا آپکی۔" رومان اپنے زون میں آتے ہوئے بولا تھا، اور ارسم اور ثمر بھی اسٹیج پر اُس کے پیچھے آ چکے تھے۔

"ارے بھائی، پہلے آپ دودھ تو لیں، باقی باتیں ہم بعد میں کریں گے۔" اُن میں سے ایک بولی تھی، اور اُس نے دودھ کا گلاس آگے کر دیا تھا۔

رومان کے اُٹھانے سے پہلے ہی ثمر نے بجلی کی سی پھرتی دکھائی۔ اُس نے فوراً گلاس اُٹھایا اور کسی کو سنبھلنے کا موقع دیے بغیر منہ سے لگا لیا۔

"یہ غلط ہے، ہمیں اب دودھ پلائی دیں آپ۔" اُنہوں نے شور مچا دیا تھا۔

"ارے لیکن میں نے تو دودھ پیا ہی نہیں، تم لوگ ایک کام کرو، دوسرا گلاس لیے آؤ، میں دودھ پی کر دودھ پلائی دے دوں گا۔" رومان نے بڑے اطمینان سے کہا۔

اُس کی بات سن کر وہ بے چاریاں ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ اب اس وقت دوسرا دودھ کہاں سے لاتی؟ اُنہیں صاف دکھائی دے رہا تھا کہ یہ تینوں پہلے سے پوری پلاننگ کر کے آئے ہیں۔

ادھر صوفیہ، رومان اور ثمر کی اس چالاکی پر دل ہی دل میں اش اش کر رہی تھی، اور ساتھ ہی اپنا غصہ بھی بڑی مشکل سے پی رہی تھی، کیوں کہ اُس کے ساتھ رامین بیٹھی تھی، ورنہ وہ یہیں کھڑے کھڑے اُنہیں دو چار باتیں ضرور سنا دیتی۔

"رومان، تنگ مت کرو انھیں، پیسے دو انھیں۔" رامین کو اُن بے چاریوں پر ترس آ گیا، تو اُس نے رومان کو حکم دیتے ہوئے کہا۔

رومان نے منہ تو خوب بنایا، مگر بھابھی کی بات ٹالنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ آخر کار اُس نے جیب سے پیسے نکال کر اُن کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

بس پھر کیا تھا... چند لمحے پہلے تک جو سب کے سامنے احتجاج کر رہی تھیں، اب خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

ہال میں ابھی بھی قہقہوں کی گونج باقی تھی کہ اچانک کسی نے بلند آواز میں کہا...

"رخصتی کا وقت ہو گیا ہے!"

اور یہ ایک جملہ سنتے ہی خوشیوں سے بھرا ماحول آہستہ آہستہ جذباتی رنگ میں ڈھلنے لگا۔

//////////

وہ ابھی اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔رات کے بارہ بج چکے تھے۔اُسے ثمر اور اُس کے دوست چھوڑ کر گئے تھے،اور کمرہ بھی اُنہی سب نے مل کر سجایا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی تازہ سرخ اور سفید گلابوں کی مہک نے اُس کا استقبال کیا۔پورا کمرہ پھولوں سے اس طرح سجایا گیا تھا کہ ہر طرف خوشبو ہی خوشبو بکھری ہوئی تھی۔بیڈ پر گلاب کی پتیاں بکھری تھیں،دیواروں پر ہلکی روشنیوں کی لڑیوں نے ایک پُر سکون اور رومانوی ماحول بنا رکھا تھا۔کمرے کی خاموشی میں صرف دلوں کی دھڑکنیں سنائی دینے والی تھیں۔

بیڈ کے درمیان صوفیہ سرخ گھونگھٹ اوڑھے بیٹھی تھی۔اُس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں،مگر چہرے پر وہی شوخی چھپی ہوئی تھی جو شاید کسی بھی گھونگھٹ میں زیادہ دیر قید نہیں رہ سکتی تھی۔

رومان دھیرے دھیرے چلتا ہوا اُس کے قریب آیا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔ابھی وہ ہلکے سے اُس کا گھونگھٹ اُٹھانے کا سوچ ہی رہا تھا کہ...

صوفیہ نے خود ہی گھونگھٹ اُٹھا لیا۔

"مسٹر رومان ابراہیم، اپنی یہ لفنٹر بازیاں نہ اب بند کر دو، کہاں تھے اتنی دیر سے، کب سے بیٹھی ہوں میں یہاں۔" صوفیہ نے نان اسٹاپ اُسے سناتے ہوئے کہا تھا، جبکہ رومان حیران سا اُس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

چند لمحے پہلے تک جس دلہن کے شرمانے کے خواب اُس نے دیکھے تھے، وہ تو حسبِ عادت پہلی ہی ملاقات میں اُس کی کلاس لینے بیٹھ گئی تھی۔

"یہ صحیح ہے، چار گھنٹے شادی کو ہوئے نہیں، اور بیوی والا روب چالو ہو گیا۔" رومان نے فوراً احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو بیوی ہوں، اور بیوی چاہے ایک منٹ کی کیوں نہ ہو، روب جمانا اس کا پیدائشی حق ہے۔" صوفیہ نے بھی لاجک لگاتے ہوئے کہا۔

رومان نے ایک لمحہ اُسے دیکھا، پھر خاموشی اختیار کر لی۔ اُسے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس لڑکی سے بحث میں جیتنا تقریباً ناممکن ہے۔

اب وہ خاموشی سے بیٹھا صرف اُسے دیکھ رہا تھا۔

نکاح کے بعد پہلی بار وہ اتنی دیر تک بے روک ٹوک اُس کے سامنے بیٹھی تھی۔ ہلکی روشنی میں اُس کا چہرہ پہلے سے بھی زیادہ دلکش لگ رہا تھا، اور رومان چند لمحوں کے لیے واقعی سب کچھ بھول گیا تھا۔

"تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟" صوفیہ نے مسلسل اُسے ٹکٹکی باندھے دیکھتے پایا تو فوراً بولی۔

"تمہیں دیکھ کر نہ ایک شعر یاد آرہا ہے، اگر کہو تو ارشاد کروں۔" رومان نے بڑی محبت سے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

تو وہ بھی مسکراتے ہوئے "ارشاد" بولی۔

"تم اِتنی حسین ہو، اِتنی حسین ہو کہ..." وہ بولتے بولتے رُک گیا۔

"کہ۔۔۔۔۔" صوفیہ نے رُکتے دیکھ کر پوچھا تھا، جو پوری توجہ سے اُس کی بات سن رہی تھی۔

"کہ سارے جن بھی تمہیں دیکھ کر بھاگ جائیں۔"

یہ کہتے ہی رومان فوراً بیڈ سے اُٹھ کر ایک طرف بھاگا، کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگلے ہی لمحے کیا ہونے والا ہے۔

اور واقعی...

صوفیہ اپنا لہنگا سنبھالتی ہوئی اُس کے پیچھے بھاگی۔

"رومان کے بچے، شرم آتی ہے تمہیں اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ کوئی ایسا مذاق کرتا ہے۔" صوفیہ اُس کے پیچھے جاتے ہوئے بولی تھی۔

پورے کمرے میں اب عجیب سا منظر تھا۔

رومان گول گول چکر لگا رہا تھا، اور اُس کے پیچھے صوفیہ اپنا بھاری لہنگا سنبھالے اُسے پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دونوں کی ہنسی اور شوخ آوازیں کمرے کی خاموشی کو خوشیوں سے بھر رہی تھیں۔

آخر کار رومان نے دونوں ہاتھ اُٹھاتے ہوئے ہار مان لی۔

"اچھا بس، تھک جاؤ گی یار۔" رومان فوراً تھک کر بیڈ پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

صوفیہ بھی ہانپتی ہوئی اُس کے برابر آ کر بیٹھ گئی، مگر اگلے ہی لمحے اُس نے پوری طاقت سے ایک زوردار مکا رومان کی پیٹھ پر دے مارا۔

جس پر رومان کی دبی ہوئی چیخ نکل گئی۔

(اب پولیس والی کا ہاتھ ہے، سخت تو ہو گا ہی۔)

اب رومان کو واقعی ایک لمحے کے لیے چڑیل دکھائی دی تھی۔

اپنی کمر سہلاتے ہوئے اُس نے مظلوم سا چہرہ بنایا۔

"دیکھو اگر تم ایسے ظلم کرو گی مُجھ پر تو منہ دکھائی نہیں دوں گا میں۔" رومان نے اُسے دھمکاتے ہوئے کہا تھا۔

بس پھر کیا تھا...

دو سیکنڈ پہلے تک پولیس آفیسر بنی بیٹھی صوفیہ پلک جھپکتے ہی شرمانے والی نئی نویلی دلہن بن گئی۔ اُس نے نظریں جھکا لیں، ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور آہستہ سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"ہسبنڈ منہ دکھائی دو اب۔"

رومان اُس کے بدلتے ہوئے رنگ ڈھنگ دیکھ کر دل ہی دل میں اش اش کر اُٹھا۔

وہ مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے ایک خوبصورت سا ڈبہ نکال لایا۔ ڈبہ کھولا تو اُس میں نہایت نفیس ڈائمنڈ کا بریسلٹ رکھا تھا، جو روشنی پڑتے ہی جگمگا اُٹھا۔

رومان نے نہایت محبت سے وہ بریسلٹ صوفیہ کی کلائی میں پہنایا، پھر اُس کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر آہستگی سے اُس پر اپنے لب رکھ دیے۔

"تھینک یو صوفیہ، میری زندگی کو مکمل کرنے کے لیے۔"

رومان نے اُسے پیار سے تکتے ہوئے کہا۔

صوفیہ کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ اُس نے بھی محبت بھری نظروں سے رومان کو دیکھا۔

"رومان، تھینک یو میرا ہاتھ تھامنے کے لیے، مجھے ہمیشہ سے ایک ایسا ہمسفر چاہیے تھا جو میری طرح ہو، مجھے سمجھے، جیسی میں ہوں ویسے ہی مجھے قبول کرے، اور پھر مجھے تم مل گئے۔" صوفیہ نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

رومان نے جواب میں صرف اُس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

کبھی خاموشیاں بولتی رہیں، کبھی ہنسی دونوں کے درمیان بکھرتی رہی، کبھی پرانی باتیں یاد آئیں اور کبھی آنے والے کل کے خواب۔

اور پھر...

وہ ساری رات ایک دوسرے سے اسی طرح باتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ نئی زندگی کی پہلی رات اُن کی خوبصورت یادوں کا حصہ بن گئی۔

////////

صبح کی نرم، سنہری دھوپ کھڑکی کے باریک پردوں سے چھن کر کمرے میں بکھر رہی تھی۔ ابراہیم ہاؤس میں آج ولیمے کی تیاریاں اپنے عروج پر تھیں۔ گھر کے ہر کونے میں چہل پہل تھی، کہیں ملازم سجاوٹ کا آخری جائزہ لے رہے تھے، کہیں خواتین لباس اور زیورات سنبھال رہی تھیں، تو کہیں رشتے دار ایک دوسرے سے ہنسی مذاق میں مصروف تھے۔ ناشتے کی میز پر بھی آج غیر معمولی رونق تھی۔

رومان اور صوفیہ کے چہروں پر نئی زندگی کی چمک صاف دکھائی دے رہی تھی، جبکہ صوفیہ کے امی، ابو بھی موجود تھے۔ ہلکی پُلکی باتوں، قہقہوں اور مبارک بادوں کے درمیان ناشتہ اپنے اختتام کو پہنچا، اور پھر سب اپنے اپنے کمروں کی طرف روانہ ہو گئے تاکہ ولیمے کے لیے تیار ہو سکیں۔

رومان، صوفیہ کو تیار ہونے کے لیے پارلر چھوڑنے چلا گیا، جبکہ ارسم صبح سویرے ہی ہال کے انتظامات دیکھنے نکل گیا تھا۔

رامین بھی زوہان کو ساتھ لیے ناشتے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے سب سے پہلے زوہان کو تیار کیا۔ آج اُس نے ننھے شہزادے کو گرے رنگ کا خوبصورت لباس پہنایا تھا، جس کے ساتھ ایک ننھی سی ٹوپی اُس کے معصوم چہرے کو اور

بھی دلکش بنا رہی تھی۔ گول مٹول رخسار، بڑی بڑی آنکھیں اور ہر چند لمحوں بعد لبوں پر بکھر جانے والی مسکراہٹ... وہ ہمیشہ کی طرح بے حد پیارا لگ رہا تھا۔ رامین حسبِ عادت اُس کی نظر بھی اتار چکی تھی۔

اس کے بعد وہ خود تیار ہونے لگی۔

آج اُس نے گرے اور سلور کمبینیشن کا نہایت نفیس لباس پہنا تھا۔ کھلے ہوئے سلکی، سیدھے کالے بال اُس کی کمر تک بکھرے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ زیادہ تر اپنے بال کیچر میں باندھ کر رکھتی تھی، مگر آج صوفیہ کی ضد پر انہیں کھلا چھوڑا تھا۔ کانوں میں سلور کے ہلکے سے جھمکے، ہاتھوں میں نفیس جیولری اور کلائی پر وہی بریسلٹ تھا، جو ارسم نے اُسے اُس کی سالگرہ پر دیا تھا۔

رامین کی نگاہ بے اختیار اُس بریسلٹ پر ٹھہر گئی۔

اُس نے اپنی انگلیوں سے اسے آہستہ سے چھوا، جیسے اس دھات میں نہیں بلکہ کسی خوبصورت یاد میں ہاتھ رکھ دیا ہو۔ ایک لمحے کے لیے اُس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری، مگر اگلے ہی پل ارسم کی گزشتہ دنوں کی تلخ باتیں یاد آتے ہی وہ مسکراہٹ خاموشی سے بجھ گئی۔

میک اپ کے نام پر اُس نے صرف ہلکی سی لپ اسٹک لگائی تھی، مگر اس سادگی میں بھی وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے کی معصومیت کسی بناوٹ کی محتاج نہیں تھی۔

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا۔

ارسم اندر داخل ہوا۔

شاید وہ سیدھا ہال سے واپس آیا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر رامین پر پڑی، اُس کے قدم چند لمحوں کے لیے وہیں تھم گئے۔

وقت جیسے ایک لمحے کو رک سا گیا۔

دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ملیں۔

ارسم کی نیلی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے حیرت، خاموش تعریف اور دبی ہوئی محبت ایک ساتھ جھلکی، مگر اگلے ہی لمحے اُس نے خود کو سنبھالا، نظریں پھیر لیں اور بغیر کچھ کہے سیدھا بیڈ پر موجود زوہان کی طرف بڑھ گیا۔

رامین خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔

وہ جانتی تھی... اُس نے اُسے دیکھا تھا، مگر ہمیشہ کی طرح اپنی ناراضگی کے پیچھے سب کچھ چھپا لیا تھا۔

"آج تو میرا شہزادہ بہت پیار الگ رہا ہے، میری جان۔" ارسم نے زوہان کو گود میں اُٹھا کر اُسے پیار کرتے ہوئے کہا، تو وہ بھی اپنے بابا کو سامنے دیکھ کر خوشی سے مسکرانے لگا اور ننھے ہاتھ اُس کے چہرے پر مارنے لگا۔

ارسم کے چہرے پر بھی بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ چند لمحے اپنے بیٹے میں کھو سا گیا، جیسے دنیا کی ہر پریشانی اُس معصوم سی مسکراہٹ کے آگے بے معنی ہو۔

پھر اُس نے زوہان کو ایک بار پھر پیار کیا اور خاموشی سے فریش ہونے کے لیے چلا گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز پورے کمرے میں عجیب سی خاموشی بکھیر گئی۔

رامین آہستہ سے بیڈ پر آ کر بیٹھی اور زوہان کو اپنی گود میں لے لیا۔

وہ چند لمحے اُسے خاموشی سے دیکھتی رہی، پھر اُس کے ماتھے پر پیار رکھا۔

"تم بتاؤ، تمہارے بابا کو کیسے مناؤں؟ تمہیں بھی یہی لگتا ہے، زوہان، میں نے غلط کیا؟" رامین نے اُسے گود میں لے کر پوچھتے ہوئے کہا، جس پر وہ رامین کے چہرے پر اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ لگا رہا تھا اور اُسے دیکھ کر مسکرا بھی رہا تھا۔

اُس معصوم مسکراہٹ نے رامین کی نم ہوتی آنکھوں میں ایک اور نمی گھول دی۔

"تم مجھے غلط مت سمجھنا، زوہان، تم میری جان ہو۔ میں نے جو بھی کیا، اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے کیا، اور مجھے اس بات کا بالکل افسوس نہیں، لیکن تمہارے بابا کی ناراضگی مُجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔" رامین نے اُسے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

اُس کی آواز آخری لفظوں پر بے اختیار بھرّا گئی تھی۔

زوہان اپنی ننھی ننھی انگلیوں سے اُس کے گال چھو رہا تھا، جیسے اپنی معصوم زبان میں اُسے تسلی دینے کی کوشش کر رہا ہو۔

رامین نے ایک گہرا سانس لیا، اپنی آنکھوں کی نمی چھپائی، اور خود کو سنبھالتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

ابھی اُنہیں ولیمے کے لیے ہال جانا تھا۔

اس نے خاموشی سے زوہان کا سامان سمیٹنا شروع کر دیا، جبکہ دل کے کسی کونے میں یہ خواہش اب بھی زندہ تھی کہ شاید... آج ارسم کی ناراضگی کچھ کم ہو جائے۔

///////

آج صوفیہ نے لائٹ پنک رنگ کی خوب صورت میکسی پہنی تھی۔اُس کے ساتھ پہنی گئی نفیس وائٹ جیولری اُس کی دلکشی میں مزید اضافہ کر رہی تھی، جبکہ کھلے، ریشمی بال اُس کے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ ہلکے میک اپ اور چہرے پر نئی نویلی دلہن والی چمک نے اُسے بے حد حسین بنا دیا تھا۔

دوسری جانب رومان نے بلیو کلر کا تھری پیس سوٹ پہنا تھا، جو ہمیشہ کی طرح اُس کی شخصیت پر خوب جچ رہا تھا۔ چہرے پر مطمئن سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں نئی زندگی کی خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

دونوں اسٹیج پر مہمانوں سے ملنے میں مصروف تھے کہ تبھی ثمر اُن کی طرف بڑھا۔اُس کے ساتھ ایک خوب صورت لڑکی بھی موجود تھی۔

صوفیہ نے جیسے ہی اُس لڑکی کو دیکھا، حیرت سے اُس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"بھابھی، ان سے ملو، یہ ہیں شازیہ... میری منگیتر۔" ثمر نے صوفیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

صوفیہ پہلے شازیہ کو دیکھتی، پھر ثمر کو...

اور اگلے ہی لمحے اُس کے ذہن میں مال والا پورا واقعہ فلم کی طرح چلنے لگا۔

یہ تو وہی لڑکی تھی...!

وہی، جسے دیکھ کر ثمر نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ وہ رومان کی دیوانی ہے۔

اب جا کر اُسے سمجھ آیا کہ اُس دن ثمر نے اُس کے ساتھ کتنا زبردست پرینک کیا تھا۔

ادھر ثمر کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی، جبکہ صوفیہ کا چہرہ غصے اور شرمندگی کے ملے جلے تاثرات سے سرخ ہو رہا تھا۔

"ثمر کے بچے، تم نے اُس دن کیا کہا تھا مجھے؟" صوفیہ ہوش میں آتے ہی فوراً بولی تھی۔

رومان اور شازیہ حیرت سے کبھی صوفیہ کو دیکھتے، کبھی ثمر کو، جن کے چہروں کے تاثرات ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے۔

"کیا ہوا ہے؟ کوئی ہمیں بھی بتائے گا؟" رومان نے حیرانی سے پوچھا۔

تو ثمر نے ہنستے ہوئے مال والا سارا قصہ سنا دیا۔

چند لمحوں بعد وہاں قہقہوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

رومان اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا، شازیہ بھی ہنستے ہنستے دوہری ہو رہی تھی، جبکہ آس پاس کھڑے چند رشتے دار بھی اُن کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"ہاں ہنس لو... تم تو اپنی شامت کے لیے تیار رہنا، ثمر کے بچے۔" صوفیہ نے ثمر کو آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

اس بار ثمر نے فوراً اپنی مسکراہٹ سمیٹ لی اور معصوم سا چہرہ بنالیا، جیسے اُسے کچھ یاد ہی نہ ہو، مگر اُس کی آنکھوں میں اب بھی شرارت صاف دکھائی دے رہی تھی۔

اسی دوران کھانے کا اعلان ہو گیا۔

مہمان آہستہ آہستہ ڈائننگ ہال کی طرف بڑھنے لگے۔

تب تک رامین اور ارسم بھی اسٹیج پر اُن کے پاس آ گئے تھے۔

چند لمحوں کے لیے سب ایک ساتھ کھڑے ہوئے، پھر ہنستے مسکراتے ڈائننگ ایریا کی طرف چلے گئے۔

سب نے ایک ہی میز پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے کے دوران بھی کبھی رومان کی شرارتیں، کبھی ثمر کے مزاحیہ جملے، تو کبھی صوفیہ کے جوابی وار محفل کو خوشگوار بنائے رکھتے۔ شازیہ بھی اب اُن سب کے ساتھ گھل مل چکی تھی، جبکہ رامین اور ارسم خاموش ضرور تھے، مگر خاندان کی اس رونق کا حصہ بنے ہوئے تھے۔

ہنسی، مذاق، تصویروں اور خوب صورت یادوں کے ساتھ ولیمے کی تقریب بھی اپنے اختتام کو پہنچی، اور ہر آنے والے کے دل میں رومان اور صوفیہ کی نئی زندگی کے لیے ڈھیروں دعائیں تھیں۔

//////////

ریسٹورنٹ کی پُرسکون فضا میں ہلکی ہلکی موسیقی گونج رہی تھی۔ چند لوگ خاموشی سے اپنی میزوں پر بیٹھے کھانے میں مصروف تھے، جبکہ ویٹر اپنی اپنی ذمہ داریوں میں مصروفِ اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔

رامین ایک کونے میں موجود ٹیبل پر بیٹھی تھی۔اُس کے سامنے کافی کا مگ رکھا تھا، مگر وہ کافی کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔اُس کی نظریں بار بار ریسٹورنٹ کے داخلی دروازے پر جا کر ٹھہر جاتی تھیں۔آج اُس نے جان بوجھ کر آئمہ کو یہاں بلایا تھا۔

دوسری جانب، بالکل اُس کی ٹیبل کے ساتھ والی ٹیبل پر ارسم، رومان اور صوفیہ بھی موجود تھے، مگر آج اُن تینوں کی پہچاننا تقریباً ناممکن تھا۔آنکھوں پر سیاہ گلاسز، کپڑے بھی اُن کے معمول کے انداز سے بالکل مختلف،اور ہر ایک نے خود کو اس طرح ظاہر کیا تھا جیسے وہ محض عام گاہک ہوں۔تینوں خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھے تھے، مگر اُن کی پوری توجہ رامین کی ٹیبل پر تھی۔

ارسم کی پیٹھ رامین کی طرف تھی، جبکہ صوفیہ اور رومان کا رُخ اُس جانب تھا تاکہ ہر لمحہ نظر رکھ سکیں۔

چند ہی لمحوں بعد ریسٹورنٹ کا دروازہ کھلا۔

آئمہ اندر داخل ہوئی۔

اعتماد سے چلتی ہوئی وہ سیدھا رامین کی ٹیبل تک آئی اور اُس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

اُسے دیکھتے ہی دوسری ٹیبل پر بیٹھے تینوں بھی مزید چوکس ہو گئے۔

"تم نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"آئمہ نے رامین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تمہاری مدد کرنا چاہتی تھی،اب تمہاری خالہ تو کر نہیں رہی، تو میں نے سوچا میں کر دوں۔"

رامین نے چہرے پر مسکراہٹ سجائے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اور کیسے کرو گی تم میری مدد، تم جانتی ہو مجھے کیا چاہیے؟"آئمہ نے رامین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھے سے، لیکن تمہیں قیمت ادا کرنی پڑے گی، سوچ لو کر پاؤ گی۔"رامین نے کہا۔

"تم سودا کرنے آئی ہو مُجھ سے؟"آئمہ نے پوچھا۔

"ہاں، کچھ ایسا ہی سمجھ لو، میں تمہاری خواہش پوری کر دوں گی اور ابراہیم ہاؤس کو چھوڑ دوں، لیکن بدلے میں تمہیں بھی میری مدد کرنی ہو گی۔"رامین نے اُسے کہا۔

"ابراہیم ہاؤس کو چھوڑنے سے کیا ہو گا، ارسم سے طلاق لے لو، جو چاہو گی وہ کروں گی میں۔"

آئمہ نے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ سجائے کہا تھا۔

یہ الفاظ سنتے ہی اُس کے پیچھے بیٹھے ارسم کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے۔اُس کی انگلیاں بے اختیار مٹھی کی صورت بند ہو گئیں۔چہرے کے تاثرات ضبط سے تن گئے تھے، مگر وہ خاموش رہا۔

اب وہ صرف رامین کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

رومان اور صوفیہ ایک نظر ارسم کو دیکھتے اور دوسری رامین کی طرف۔

"ٹھیک ہے، لیکن پہلے مجھے ثبوت چاہیے، تمہاری پیاری خالہ جان کے خلاف۔"رامین نے کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا تھا۔

اُس کی بات سن کر آئمہ چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئی۔شاید اُسے ہر گز توقع نہیں تھی کہ رامین اُس کے سامنے ایسی شرط رکھ دے گی۔

دوسری ٹیبل پر رومان آہستہ سے ارسم کے قریب جھکا۔

"بھائی، بھابھی نے تو سودا کر دیا آپ کا۔" رومان نے ارسم کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

صوفیہ نے فوراً اُس کی پسلی میں کہنی ماری، کیونکہ وہ ارسم کے چہرے پر اُبھرتا غصہ صاف دیکھ رہی تھی۔

ارسم نے ضبط سے گہرا سانس لیا اور نظریں جھکائے ہی بولا۔

"ہاں، اب یہی دیکھنا باقی رہ گیا تھا، پہلے والی نے دوسری کو تحفہ میں دے دیا، اور یہ والی آگے پارسل کر رہی ہے۔"

اُس کی آواز میں چھپا دکھ رومان کو فوراً محسوس ہو گیا۔

اب اُسے اپنی بات پر افسوس ہونے لگا اور وہ خاموش ہو گیا۔

اِدھر آئمہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے دوبارہ سوال کیا۔

"کون سے ثبوت کی بات کر رہی ہو؟"

"تم اپنی خالہ کے ہر کام سے اچھے سے واقف ہو، اور یقیناً تمہیں ان کے بارے میں سب پتہ ہے، تو زیادہ بنو مت۔ انیلہ بیگم نے کتنے خون کیے ہیں تم جانتی ہو، اب تم سوچو، خود کو بچاؤ گی یا خالہ کو۔" رامین نے کہا۔

اِس بار واقعی آئمہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔

چند لمحوں کے لیے اُس کی نظریں اِدھر اُدھر بھٹکیں، جیسے وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"اور تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ میں تمہاری مدد کروں گی؟"آئمہ نے رامین کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں تمہاری فطرت جانتی ہوں اس لیے،اور اگر مجھے ثبوت لا کر دو گی تو میں تمہاری بات مانو گی۔"رامین نے کہا۔

یہ کہہ کر وہ کرسی سے اُٹھی اور جانے لگی۔

ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی کہ پیچھے سے آئمہ کی آواز نے اُسے روک لیا۔

رامین آہستہ سے پلٹی۔

آئمہ نے اپنے فون پر چند سیکنڈ کچھ کیا، پھر نظریں اُٹھا کر بولی۔

"میں نے سوچا نہیں تھا کبھی کہ یہ میرے اِتنے کام آئے گا، تمہیں ایک ویڈیو بھیجی ہے،دیکھ لو، تمہاری مدد کرے گی،اور اپنی بات پر قائم رہنا۔"

اتنا کہہ کر وہ بغیر پیچھے دیکھے وہاں سے چلی گئی۔

رامین نے فوراً اپنا فون نکالا۔

نوٹیفکیشن میں آئمہ کی بھیجی ہوئی ویڈیو موجود تھی۔

اُدھر آئمہ کے جاتے ہی ارسم،رومان اور صوفیہ بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر رامین کی ٹیبل پر آ گئے۔

چاروں خاموشی سے ایک ہی ٹیبل پر بیٹھ گئے۔

رامین نے ویڈیو پلے کی۔

اسکرین پر انیلہ صاحبہ واضح نظر آ رہی تھیں۔

وہ بڑی احتیاط سے دودھ کے گلاس میں زہر ملا رہی تھیں، اور چند لمحوں بعد وہی دودھ عنایا کے کمرے کی طرف بھیجا جا رہا تھا۔

ویڈیو کے ساتھ اُن کی آواز بھی صاف ریکارڈ تھی۔

"آج یہ آخری ڈوز ہو گا، اس عنایا کا کام آج ختم ہو جائے گا۔"

انیلہ صاحبہ کی مکروہ آواز پورے فون میں گونج اٹھی۔

ویڈیو ختم ہوتے ہی میز پر مکمل خاموشی چھا گئی۔

چاروں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کئی لمحوں سے جس سچ کے لیے وہ جدوجہد کر رہے تھے، آج وہ اُن کے ہاتھوں میں تھا۔

ثبوت بھی...

اور گواہ بھی۔

"اب تو ہمارے پاس گواہ اور ثبوت دونوں ہیں، اب آپ اُنہیں ہمارے گھر سے نکال دیں، جیل میں ڈالیں اُنھیں۔" رومان نے رامین کی طرف دیکھ کر کہا۔

اُس کی آواز میں برسوں کا غصہ اور بے بسی دونوں شامل تھے۔

"ایسا ہی ہو گا، رومان، میں اُن کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ نکلواتی ہوں، لیکن تب تک کے لیے جذباتی مت ہو۔" رامین نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

ارسم اب تک خاموش بیٹھا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے بھی ویڈیو کے مناظر اپنے ذہن سے نہیں نکال پا رہا تھا۔

آخر کار اُس نے دھیرے سے کہا،

"ہمیں گھر چلنا چاہیے، میں پہلے زوہان کو لوں گا پھر آؤں گا۔"

کیونکہ زوہان آج بھی فرحین صاحبہ کے پاس تھا۔

رامین نے خاموشی سے سر ہلایا۔

چند لمحوں بعد چاروں ریسٹورنٹ سے باہر نکل آئے۔

اب اُن کے ہاتھ میں صرف ایک ویڈیو نہیں تھی...

بلکہ برسوں سے دبی ہوئی دو معصوم جانوں کو انصاف دلانے کی آخری امید تھی۔

اور رامین بھی ارسم کے ساتھ زوہان کو لینے کے لیے روانہ ہو گئی۔

///////

اس وقت شہاب صاحب کے بالکل سامنے وہ صوفے پر موجود تھا، جبکہ شہاب صاحب اُسے گہری سنجیدگی سے دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں ایک پُراسرار سی خاموشی طاری تھی، جسے صرف دیوار پر لگی گھڑی کی مدھم ٹک ٹک توڑ رہی تھی۔ ارسم آج دوسری بار اس گھر میں آیا تھا... اُس گھر میں، جو کبھی عنایا کی ہنسی، اُس کی یادوں اور اُس کی خوشبو سے آباد رہتا تھا۔ آج بھی ہر کونا جیسے اُس کی موجودگی کا احساس دلا رہا تھا۔

وہ پہلے بھی ایک بار عنایا کے ساتھ یہاں آیا تھا، مگر اُس وقت شہاب صاحب عنایا سے ناراض تھے، اس لیے ارسم سے اُن کی زیادہ بات نہ ہو سکی تھی، البتہ فرحین صاحبہ نے ہمیشہ کی طرح شفقت سے اُس کا استقبال کیا تھا۔

اور آج...

آج وہ رامین کے ساتھ یہاں موجود تھا۔

رامین اس وقت فرحین صاحبہ کے ساتھ کچن میں تھی، کیونکہ اُنہوں نے ضد کر رکھی تھی کہ کھانا کھائے بغیر کسی کو جانے نہیں دیں گی۔ زوہان بھی رامین کے پاس تھا، اور اُس کی ننھی ننھی ہنسی کبھی کبھار کچن سے باہر تک سنائی دے جاتی تھی۔

ادھر ارسم بظاہر پُرسکون بیٹھا تھا، مگر حقیقت میں وہ خاصا نروس تھا۔ اُس کے ہاتھ بے اختیار ایک دوسرے میں الجھ رہے تھے اور دل مسلسل کسی انجانے احساس سے تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"اور برخوردار، آگے کیا کرنے کا اِرادہ ہے تمہارا؟ بہت جلد ہماری مُجرم کو سزا مل جائے گی، کیا سوچا ہے تم نے؟"

شہاب صاحب نے کافی دیر خاموش رہنے کے بعد سنجیدگی سے پوچھا۔ سوال کرنے کے بعد اُن کی نظریں آہستہ سے رامین کی طرف اُٹھ گئیں، جو سامنے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جیسے وہ اپنی تمام پریشانیاں دوسروں سے چھپا لینا چاہتی ہو۔

"آپ کیا سوچتے ہیں، میں نے کیا سوچا ہو گا؟"

ارسم نے بھی رامین کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

شہاب صاحب اُس کے جواب پر چند لمحے خاموش رہے، پھر پوری سنجیدگی سے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے،

"میں اپنی ایک بیٹی کو قربان کر چُکا ہوں، اب دوسری کو کسی بھی صورت میں خطرے میں نہیں ڈالوں گا، اگر اُسے کوئی بھی تکلیف ہوئی تو تم پہلے ہی سمجھ دار اِنسان ہو۔"

اُن کی آواز دھیمی ضرور تھی، مگر ہر لفظ میں ایک ایسے باپ کا درد چھپا تھا، جو اپنی ایک بیٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو چکا تھا اور اب دوسری کے لیے ہر خطرہ اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔

ارسم خاموشی سے اُن کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ صرف ایک تنبیہ نہیں، بلکہ ایک ٹوٹے ہوئے باپ کی التجا بھی ہے۔

تبھی رامین اُن دونوں کے پاس آ گئی۔

"انکل، کھانا لگ گیا ہے، آ جائیں آپ لوگ۔"

رامین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

ارسم اور شہاب صاحب نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر رامین کی طرف دیکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔

چند لمحوں بعد سب ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے۔ فرحین صاحبہ بڑی محبت سے سب کو کھانا سرو کر رہی تھیں۔ اُن کے چہرے پر ماں جیسی شفقت صاف جھلک رہی تھی، اور وہ ہر ایک کی پلیٹ پر ایسے نظر رکھے ہوئے تھیں جیسے برسوں بعد اُن کا اپنا گھر دوبارہ آباد ہوا ہو۔

"آنٹی بس، یہ بہت زیادہ ہے۔"

رامین نے بے بسی سے کہا، کیونکہ فرحین صاحبہ ایک بار پھر اُس کی پلیٹ میں سالن ڈال رہی تھیں۔

"کیا بس... کھاتی کتنا ہو تم؟ حالت دیکھی ہے اپنی، ایسا لگتا ہے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے۔"

اُنہوں نے رامین کو محبت بھری ڈانٹ لگائی۔

رامین فوراً منہ بنا کر خاموش ہو گئی، جیسے ایک ننھی سی بچی اپنی ماں کی ڈانٹ سن کر بیٹھ جاتی ہے۔

ارسم پہلی بار رامین کا یہ روپ دیکھ رہا تھا۔

وہی رامین... جو ہر مشکل کے سامنے مضبوط چٹان بن جاتی تھی، اس وقت فرحین صاحبہ کے سامنے بالکل ایک معصوم بیٹی بنی بیٹھی تھی۔ اُس کے چہرے کے معصوم تاثرات دیکھ کر ارسم کے دل میں بے اختیار ایک نرمی سی اُتری، مگر اُس نے حسبِ عادت اپنے جذبات کو چہرے پر آنے نہ دیا۔

"اور ارسم بیٹا، آپ نے تو کچھ بھی نہیں لیا، آپ کو کھانا پسند نہیں آیا؟ آپ بتاؤ آپ کیا کھاؤ گے، ابھی بناتی ہوں آپ کے لیے۔"

اب فرحین صاحبہ فکر مندی سے ارسم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"نہیں آنٹی، کھانا بہت اچھا بنا ہے، میں اور لے ہی رہا تھا۔"

ارسم نے اُن کی فکر دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

زوہان اس وقت فرحین صاحبہ کی گود میں تھا۔ وہ بڑی محبت سے اُسے اپنے ہاتھوں سے کھیر کھلا رہی تھیں، اور زوہان بھی مزے لے لے کر ہر نوالہ کھا رہا تھا۔ کبھی وہ کھیر والا چمچ پکڑنے کی کوشش کرتا تو کبھی اپنی ننھی سی ہنسی سے سب کے چہروں پر مسکراہٹ بکھیر دیتا۔

رامین کئی دنوں بعد اتنے سکون سے کھانا کھا رہی تھی، کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس کا شہزادہ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔

شہاب صاحب خاموشی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔اُن کے لبوں پر بے اختیار ایک ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔ایک لمحے کے لیے اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے اس گھر میں پھر سے زندگی لوٹ آئی ہو... جیسے بکھرتے ہوئے رشتوں میں کہیں نہ کہیں محبت ابھی بھی سانس لے رہی ہو۔

کھانا ختم ہونے کے بعد ارسم نے ادب سے واپسی کی اجازت مانگی۔شہاب صاحب اور فرحین صاحبہ سے ملنے کے بعد وہ باہر گاڑی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا،تاکہ رامین آرام سے اُن دونوں سے مل سکے۔

"جلدی واپس آؤں گی۔"

رامین نے اُن سے ملتے ہوئے کہا۔

فرحین صاحبہ اور شہاب صاحب نے محبت سے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"یقیناً یہ تمہارا گھر ہے،اور اس گھر کے دروازے ہمیشہ تمہارے لیے کھلے رہیں گے،وہی کرنا جو تمہارا دِل کہے بیٹا،ہم ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔"

شہاب صاحب نے اُس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

رامین کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے نمی اُتری،مگر اُس نے فوراً مسکرا کر خود کو سنبھال لیا۔اُس نے زوہان کو مضبوطی سے اپنے سینے سے لگایا،دونوں سے دوبارہ ملی اور آہستہ آہستہ باہر آگئی۔

باہر ارسم پہلے ہی گاڑی میں بیٹھا اُن دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔

رامین خاموشی سے گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔

گاڑی آہستہ آہستہ سڑک پر رواں ہو گئی۔

راستے بھر ایک عجیب سی خاموشی اُن دونوں کے درمیان حائل رہی۔ نہ رامین نے کچھ کہا، نہ ارسم نے کوئی بات کی۔ صرف گاڑی کے انجن کی مدھم آواز اور باہر گزرتی روشنیوں کے سائے اُن کے درمیان پھیلی ہوئی بے آواز دوری کا احساس دلاتے رہے۔

//////////////////////

کیسا لگا، چچا جان؟ یہ جگہ آرام دہ تو ہے نا آپ کے لیے؟

خانزادہ نے ظہیر خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ اُس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ تھی، مگر آنکھوں میں برسوں کی جدوجہد کے بعد ملنے والا اطمینان صاف جھلک رہا تھا۔

آج آخر کار ظہیر خان گرفتار ہو چکا تھا۔

سکندر شاہ کی طرف سے فراہم کیے گئے ثبوت، اُن کے خلاف خانزادہ کی مہینوں کی خفیہ تحقیقات، اور ایک ایک کر کے اکٹھے کیے گئے شواہد... سب مل کر ایسا مضبوط مقدمہ بن چکے تھے کہ ظہیر خان اور اُس کے ساتھیوں کے لیے بچ نکلنے کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا۔ وہی ثبوت، جنہیں وہ کبھی معمولی سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا تھا، آج اُس کی گردن کے گرد پھانسی کے پھندے کی صورت اختیار کر چکے تھے۔

جیل کی ٹھنڈی، سنسان کوٹھڑی میں بیٹھا ظہیر خان پہلی بار خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔

"ایک بار یہاں سے نِکل جاؤں، یاد رکھنا تمہیں اپنے ہاتھوں سے ماروں گا۔"

ظہیر خان غصے سے پاگل ہوتے ہوئے بولا۔اُس کی آنکھیں خون اُگل رہی تھیں، مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور چہرے کی رگیں غصے سے تن چکی تھیں، مگر اب اُس کا سارا غصہ لوہے کی سلاخوں سے ٹکرا کر واپس لوٹ رہا تھا۔

خانزادہ نے اُسے اُس حال میں دیکھا تو نہ جانے کیوں اُس کے دل کو ایک عجیب سا سکون ملا۔

یہ سکون کسی دشمن کو تکلیف میں دیکھنے کا نہیں تھا... بلکہ اُن بے شمار معصوم بچوں، بے گناہ لوگوں اور اپنی ماں کے لیے انصاف کے پہلے قدم کا تھا۔

"شوق سے... پہلے یہاں سے تو نکلیں۔"

خانزادہ نے اُسے ہلکے سے چھیڑتے ہوئے کہا۔

اُس کے لہجے کا اطمینان ظہیر خان کے لیے کسی زہر سے کم نہ تھا۔

تبھی ایک آفیسر تیزی سے چلتا ہوا وہاں آیا۔

"میم، آپ نے جو وارنٹ کے لیے کہا تھا، وہ آگیا ہے۔اب آپ گرفتار کر سکتی ہیں اُنہیں۔"

آفیسر نے کاغذات اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔

خانزادہ نے ایک نظر وارنٹ پر ڈالی، پھر اُس کے لبوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوکے... چچا جان، آپ سے بعد میں ملاقات ہوتی ہے، ابھی کسی اور کو بھی یہاں کا راستہ دکھانا ہے۔"

اُس نے مسکراتے ہوئے سرگوشی نما آواز میں کہا، پھر پلٹ کر پُر اعتماد قدموں سے وہاں سے باہر نکل گئی۔

ظہیر خان بس بے بسی سے اُسے جاتا ہوا دیکھتا رہ گیا۔

جیل کی اُس خاموش کوٹھڑی میں اب صرف اُس کا غصہ، اُس کی بے بسی اور دیواروں سے ٹکراتی اُس کی بھاری سانسیں باقی رہ گئی تھیں۔

آج اُس کی زندگی کی سب سے بڑی شکست ہوئی تھی۔

وہ شخص، جو برسوں سے قانون کو اپنی مٹھی میں رکھنے کا غرور کرتا تھا... جو خود کو ہر چال کا ماہر اور ہر کھیل کا فاتح سمجھتا تھا... آج اُسی قانون کی گرفت میں قید تھا۔

جسے کوئی کبھی پکڑ نہیں سکا تھا...

آج وہی شخص سلاخوں کے پیچھے کھڑا اپنی قسمت کو بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔

//////////////////////

انیلہ صاحبہ ہال کمرے میں موجود صوفے پر بیٹھی ہوئی تھیں، اور سامنے لگی ایل ای ڈی پر پوری توجہ سے ڈراما دیکھ رہی تھیں۔ گھر میں غیر معمولی سکون تھا، ہر کوئی اپنے اپنے کمرے میں موجود تھا، اور شاید کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اگلے چند لمحوں میں اس گھر کی برسوں سے چھپی حقیقت سب کے سامنے آنے والی ہے۔

اچانک باہر پولیس کی گاڑیوں کے سائرن کی آواز گونجی۔

خاموش فضا میں گونجتی وہ آواز پورے گھر میں سنسنی پھیلا گئی۔

انیلہ صاحبہ چونک کر فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہوئیں۔اُن کے چہرے پر ایک لمحے کو گھبراہٹ اُبھری، مگر اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں۔

چند ہی لمحوں بعد مرکزی دروازہ کھلا اور پولیس فورس اندر داخل ہوئی۔

اُن کے درمیان رامین اپنی مخصوص پولیس یونیفارم میں نہایت باوقار انداز سے کھڑی تھی۔اُس کے چہرے پر وہی سنجیدگی تھی، جو ایک فرض شناس آفیسر کی پہچان ہوتی ہے، مگر اُس کی آنکھوں میں برسوں پرانے انصاف کی چمک صاف دکھائی دے رہی تھی۔

سائرن کی آواز سن کر گھر کے باقی افراد بھی اپنے اپنے کمروں سے باہر آ گئے تھے۔

صوفیہ بھی وہاں ساتھ کھڑی تھی اور رامین کو اُس کے اصل روپ میں دیکھ کر اُس کے لبوں پر بے اختیار ایک پُراعتماد مسکراہٹ آ گئی۔

"یہ سب کیا ہے، بیٹا؟ اور آپ یہ پولیس یونیفارم میں؟"

ابراہیم صاحب، جو ابھی اپنے کمرے سے نکل کر آئے تھے، حیرت سے رامین کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔اُن کے چہرے پر بے شمار سوالات تھے، جن کے جواب ابھی اُنہیں ملنے والے تھے۔

"آپ کو سب پتہ چل جائے گا، انکل... کیوں انیلہ بیگم، اب آپ سب بتائیں گی یا میں بتاؤں؟"

رامین نے اپنی نظریں انیلہ صاحبہ پر جماتے ہوئے کہا۔

یہ سنتے ہی انیلہ صاحبہ کا چہرہ یکدم سفید پڑ گیا۔اُن کی آنکھوں میں خوف کی ایک جھلک ابھر کر فوراً غائب ہو گئی، مگر وہ گھبراہٹ اُن کے چہرے سے چھپ نہ سکی۔

"ابراہیم! میں نے کچھ نہیں کیا، یہ لڑکی کیا بول رہی ہے؟ میں پہلے ہی کہتی تھی کہ یہ لڑکی ہمارے گھر میں آکر ضرور کوئی کام کرے گی۔"

انیلہ صاحبہ فوراً اپنے بچاؤ کے لیے ابراہیم صاحب کے پیچھے ہوتے ہوئے بولیں۔

مگر اس بار اُن کی باتوں میں پہلے جیسا اعتماد نہیں تھا۔

گھر میں موجود ہر شخص اُن کی مکاری کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

ارسم اور رومان کی نظریں غصے سے اُن پر جمی ہوئی تھیں۔ برسوں کا ضبط جیسے اب ٹوٹنے کے قریب تھا۔

"رامین، یہ سب کیا ہے؟ آپ بتائیں گی؟"

ابراہیم صاحب نے ایک بار پھر پریشانی سے پوچھا۔

"اِتنا بھاؤ کیوں کھا رہی ہیں، انیلہ بیگم؟ سیدھا کہہ دیں کہ نہیں بتانا چاہتی، میں بتا دیتی ہوں۔"

رامین نے اریسٹ وارنٹ ابراہیم صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

انیلہ صاحبہ غصے اور بے بسی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ رامین کو گھورنے لگیں۔

"ہم آپ کی بیوی کو گرفتار کرنے کے لیے آئے ہیں۔ دو قتل کیے ہیں انہوں نے، ایک آپ کی پہلی بیوی کا، اور دوسرا آپ کی بڑی بہو کا... اور میری دوست کا۔"

رامین کی سنجیدہ آواز پورے ہال میں گونج گئی۔

یہ الفاظ سنتے ہی جیسے وقت تھم گیا۔

کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

ہر چہرے پر صدمہ، بے یقینی اور دکھ صاف جھلک رہا تھا۔

ارسم اور رومان کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔ عنایا کی یاد ایک بار پھر سب کے دلوں کو چیر گئی، جبکہ ابراہیم صاحب جیسے اپنی جگہ پر ساکت رہ گئے تھے۔

"اور کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس بات کا؟"

انیلہ صاحبہ نے فوراً اپنے دفاع میں کہا، اگرچہ اُن کی آواز پہلے جیسی مضبوط نہیں رہی تھی۔

ابراہیم صاحب ابھی تک اس انکشاف سے باہر نہیں نکل پا رہے تھے۔ اُنہیں یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ جس عورت پر انہوں نے برسوں اعتبار کیا، وہی اتنے بڑے جرائم کی مرتکب ہو سکتی ہے۔

"بالکل... بس ایک اسی ثبوت کو اکٹھا کرنے میں ہی تو تھوڑا وقت لگ گیا، ورنہ جس دن اس گھر میں آئی تھی، اُسی دن آپ کو جیل میں پھینکنے کا اِرادہ تھا میرا۔"

رامین نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر اُن کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال دی۔

ہتھکڑی کے بند ہوتے ہی انیلہ صاحبہ کے چہرے پر پہلی بار مکمل بے بسی اُتر آئی۔

"ابراہیم، کچھ بولتے کیوں نہیں ہیں آپ؟"

اُنہوں نے بے اختیار ابراہیم صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مگر اس بار جواب ارسم نے دیا۔

"آپ کی حقیقت سب کے سامنے پہلے ہی آچکی تھی، شکر منائیں کہ آپ کو پولیس کے حوالے کر رہے ہیں، ورنہ دل تو یہی چاہتا ہے کہ آپ کی جان اپنے ہاتھوں سے لوں۔"

ارسم نے اُنہیں ابراہیم صاحب سے دور کرتے ہوئے کہا۔

اُس کی آواز میں برسوں کا درد، غصہ اور عنایا کو کھونے کی اذیت صاف محسوس ہو رہی تھی۔

رومان بھی خاموشی سے آکر ابراہیم صاحب کے ساتھ کھڑا ہو گیا، تاکہ اگر وہ گر پڑیں تو اُنہیں سنبھال سکے۔

"سینئیر، چلیں... ساسوماں کو اُن کے اصلی گھر پہنچا کر آتے ہیں۔"

تبھی صوفیہ بھی اپنی یونیفارم میں تیار ہو کر آگئی اور آتے ہی رامین کی طرف دیکھ کر بولی۔

اُس کی بات پر کسی کے چہرے پر مسکراہٹ نہ آئی، کیونکہ آج کا دن مذاق کا نہیں، انصاف کا دن تھا۔

رامین نے خاموشی سے سر ہلایا۔

پھر پولیس اہلکاروں نے انیلہ صاحبہ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

وہ مسلسل شور مچا رہی تھیں، خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر آج اُن کی کوئی دلیل، کوئی آنسو اور کوئی چیخ کسی کے دل کو نرم نہ کر سکی۔

آخر کار پولیس اُنہیں لے کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔

ہال میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی...

مگر یہ خاموشی پہلے جیسی نہیں تھی۔

یہ برسوں سے دفن ایک سچ کے سامنے آنے کے بعد کی خاموشی تھی۔

//////////////////////

ابراہیم صاحب وہیں صوفے پر بیٹھے تھے۔ چند لمحے پہلے ہی رومان نے اُنہیں انیلہ صاحبہ کے بارے میں ساری حقیقت بتائی تھی۔ کمرے میں ایک بوجھل خاموشی چھائی ہوئی تھی، جیسے دیواریں بھی اس انکشاف کا بوجھ محسوس کر رہی ہوں۔ ارسم اور رومان دونوں اُن کے قریب موجود تھے، مگر کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس خاموشی کو توڑ سکے۔

ابراہیم صاحب کی نظریں خلا میں جمی تھیں۔ اُن کے چہرے پر پچھتاوا، صدمہ اور بے بسی ایک ساتھ نمایاں تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے چند لمحوں میں اُن کی پوری زندگی اُن کی آنکھوں کے سامنے بکھر گئی ہو۔

"مُجھ سے کتنی بڑی غلطی ہوئی ہے، مجھے کیسے یہ سب کچھ نظر نہیں آیا، میری آنکھوں میں دھول جھونکتی رہی اتنے عرصہ اور میں اس سب سے بے خبر رہا۔" ابراہیم صاحب ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔

اُن کی آواز میں ایسا درد تھا کہ سننے والے کا دل بھی بوجھل ہو جائے۔ آج پہلی بار اُنہیں اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی پوری شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

ارسم نے ایک گہرا سانس لیا۔ اُس کے چہرے پر برسوں کا دبا ہوا دکھ صاف جھلک رہا تھا۔ اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، مگر اُس نظر میں نہ نفرت تھی اور نہ ہی مکمل معافی... بس ایک تلخ حقیقت تھی۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ آپ کی کوئی غلطی نہیں تھی بابا، پر ہم سب ہی اس بات سے بے خبر تھے، تو اکیلے قصوروار آپ نہیں ہیں، آپ کی غلطی ہم سے زیادہ بس اِتنی ہے کہ آپ نے ہماری ماما کے ہوتے ہوئے بھی اس عورت سے شادی کی۔" ارسم نے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

یہ الفاظ سن کر ابراہیم صاحب کی پلکیں جھک گئیں۔ شرمندگی کا بوجھ اس قدر تھا کہ آج وہ اپنے ہی بیٹوں کی آنکھوں میں دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہے تھے۔

رومان نے دونوں کو خاموش دیکھا تو آہستہ سے آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر یہ باتیں مزید بڑھیں تو یہ زخم اور بھی گہرے ہو جائیں گے۔

"بابا ہر اِنسان کو مکافاتِ عمل سے گزرنا ہوتا ہے اور شاید یہی ہمارا امتحان ہے، ہم کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن اب سب ٹھیک ہے، جو ہم میں سے نہیں تھا اب وہ اپنی صحیح جگہ پہنچ چکا ہے، اب ہم لوگ اس بارے میں کوئی بات نہ کریں گے۔" رومان نے ارسم اور ابراہیم صاحب کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

ابراہیم صاحب کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔اُنہوں نے چند لمحے خاموش رہ کر اپنے آنسو ضبط کیے، پھر دھیمی آواز میں بولے۔

"اگر وہ بچی نہیں ہوتی تو شاید ہم کبھی حقیقت نہیں جان پاتے، ہمارے گھر کے لیے رامین سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔"ابراہیم صاحب نے رامین کے حوصلے کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

یہ الفاظ سنتے ہی ارسم کے دل میں عجیب سی کسک اٹھی۔اُس کے چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔ بغیر کچھ کہے وہ خاموشی سے وہاں سے اُٹھا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

رومان نے جاتے ہوئے اپنے بھائی کی پشت کو دیکھا اور ایک بے بس سی سانس بھر لی۔

"اسے کیا ہوا ہے؟"ابراہیم صاحب نے حیرانی سے رومان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

رومان چند لمحے خاموش رہا، پھر اُس نے آہستہ آہستہ ارسم اور رامین کے درمیان ہونے والی تمام باتیں، غلط فہمیاں اور دوریاں اُنہیں بتا دیں۔

ہر بات سنتے ہوئے ابراہیم صاحب کے چہرے پر افسوس مزید گہرا ہوتا چلا گیا۔

"اِتنا سب ہو رہا تھا اس گھر میں اور تم لوگوں نے مجھے کچھ بتایا نہیں، تو کیا ارسم چھوڑنا چاہتا ہے رامین کو۔"ابراہیم صاحب نے رومان کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

"پتہ نہیں بابا، بھائی کا کچھ پتہ نہیں چلتا کیا چاہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔"رومان نے بے بسی سے اپنا سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے کہا تھا۔

ایک بار پھر خاموشی نے کمرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

اب تینوں اپنے اپنے خیالات اور پچھتاووں میں گم تھے۔ باہر رات پہلے سے کہیں زیادہ سنسان محسوس ہو رہی تھی، اور اس گھر کی دیواریں برسوں سے چھپے رازوں کے انجام کی گواہ بن چکی تھیں۔

آخر کار ابراہیم صاحب آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھے۔ اُن کے قدم پہلے سے کہیں زیادہ بوجھل تھے۔

رومان بھی اُن کے ساتھ چل پڑا، جبکہ ارسم پہلے ہی اپنے کمرے کی طرف جا چکا تھا۔

آج کا دن اس گھر کے ہر فرد کے لیے آزمائش، سچائی اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کا دن ثابت ہوا تھا، اور شاید آنے والی رات بھی کسی کی آنکھوں میں نیند نہیں اترنے والی تھی۔

//////////////////////////

رامین اور صوفیہ دونوں ہی جیل میں انیلہ صاحبہ کے سامنے موجود تھیں۔ سیلن زدہ دیواریں، لوہے کی موٹی سلاخیں اور چاروں طرف پھیلی خاموشی اس جگہ کو مزید خوفناک بنا رہی تھی۔ انیلہ صاحبہ سلاخوں کے پیچھے کھڑی تھیں، مگر آج اُن کے چہرے پر پہلے جیسا غرور کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دوسری طرف رامین اپنی مخصوص پولیس یونیفارم میں پوری وقار کے ساتھ کھڑی تھی، جبکہ صوفیہ کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔ آج برسوں کے ظلم کا حساب لینے کا وقت آ چکا تھا۔

"تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا۔" انیلہ صاحبہ غصے سے بولی تھیں۔ اُن کی آواز میں غصہ تو تھا، مگر اُس غصے کے پیچھے چھپی بے بسی بھی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"کیا اچھا نہیں کیا ساسوماں، ہم نے تو کچھ کیا ہی نہیں ابھی۔" صوفیہ بڑے مزے سے اُنہیں دیکھتے ہوئے بولی۔

"انیلہ صاحبہ، آپ نے دو خون کیے ہیں، اور اپنے ساتھ ہی رویے کو اچھا نہیں کہہ رہیں، آپکو عمر قید نہیں، پھانسی کی سزا ملے گی اور یہ میری پوری کوشش ہو گی کہ آپکو جلد ہی پھانسی کے پھندے پر دیکھوں۔" رامین نے نفرت سے اُن کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ اُس کی آواز پُر سکون تھی، مگر ہر لفظ میں برسوں کا درد، غصہ اور انصاف کی تڑپ صاف جھلک رہی تھی۔

"اس زِندگی میں ہر انسان کو اپنی راہ پانے کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے، اور میں نے وہی کیا۔" انیلہ صاحبہ نے کہا۔ اُن کے لہجے میں آج بھی اپنے جرم پر ندامت نہیں، بلکہ ایک عجیب سی ہٹ دھرمی موجود تھی۔

"دو لوگوں کا قتل کر کے اپنی منزل پائی آپ نے، معصوموں کو مار کر انکی لاشوں کو سیڑھی بنا کر اوپر پہنچنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے ہیں انیلہ بیگم، نہ اس دُنیا میں اور نہ ہی اگلے جہاں، آپکو اللہ کا خوف نہیں آتا، رات کو نیند کیسے آتی ہے آپکو، آپکا ضمیر مر چُکا ہو گا نا دو قتل کرنے کے بعد۔" رامین بولنا شروع ہوئی تو بولتی ہی چلی گئی۔

اس کی آنکھوں میں عنایا کی موت، اپنی دوست کی جدائی اور ہر اُس معصوم کا درد جھلک رہا تھا، جس کی زندگی کسی کے لالچ اور نفرت کی بھینٹ چڑھ گئی تھی۔ صوفیہ پہلی بار اُسے اس قدر جذباتی دیکھ رہی

تھی، جبکہ انیلہ صاحبہ کی نظریں بے اختیار زمین پر جھک گئی تھیں۔ شاید برسوں بعد اُن کے ضمیر نے ایک لمحے کے لیے ہی سہی، مگر سر اٹھانے کی کوشش کی تھی۔

"آپ کو ایک اچھی خبر سناتی ہوں میں، آپ جانتی ہیں کہ آپ کے خِلاف ثبوت کن لوگوں نے دیے ہیں۔" رامین چند لمحے کے لیے رکی، پھر دوبارہ بولی۔

انیلہ صاحبہ نے بے یقینی سے اُس کی طرف دیکھا۔

"آپکی اپنی اولاد آپکے بیٹے نے اعتراف کیا اور آپکی بھانجی جس کے لیے آپ نے میری دوست کو مار دیا اس نے ثبوت دیا آپکے خِلاف، کیا حاصل ہوا آپکو جس بیٹے کی زندگی سنوارنے کے لیے آپ نے اتنا سب کیا اور جس بھانجی کے لیے آپ نے دوسرا قتل تک لیا انہی دونوں نے آپکو بیچ دیا، ایک نے اپنی آزادی کے لیے اور دوسری اپنی خواہش کے لیے۔" رامین نے کہا تھا۔

یہ الفاظ انیلہ صاحبہ پر کسی بجلی کی طرح گرے۔ اُن کے چہرے کا رنگ یکدم اُڑ گیا، ہاتھ کانپنے لگے اور آنکھوں میں خوف واضح ہونے لگا۔ شاید اُنہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جن لوگوں کے لیے اُنہوں نے اپنی پوری زندگی جرائم میں گزار دی، ایک دن وہی اُن کے خلاف کھڑے ہوں گے۔

"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا، تم جھوٹ بول رہی ہو، میرا خون مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔" وہ اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے مسلسل بول رہی تھیں۔ اُن کی آواز کانپ رہی تھی، جیسے وہ خود بھی اپنی بات پر یقین نہ کر پا رہی ہوں۔

رامین کے اشارے پر صوفیہ نے اپنا فون نکالا اور اُنہیں وہ ویڈیوز دکھائیں۔ایک میں عابد کا کنفیشن تھا، جبکہ دوسری وہ ویڈیو تھی جو آئمہ نے رامین کو بھیجی تھی۔

ویڈیو ختم ہوتے ہی انیلہ صاحبہ کے ہاتھوں سے سلاخیں چھوٹ گئیں۔اُن کے قدم لڑکھڑا گئے اور وہ پیچھے دیوار کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئیں۔اُن کے چہرے سے آخری امید بھی ختم ہو چکی تھی۔اب اُن کے پاس نہ کوئی بہانہ بچا تھا، نہ کوئی جھوٹ اور نہ ہی کوئی اپنا۔

"آپ انتظار کریں اب، کیوں کہ اب آپ کو کوئی نہیں بچائے گا۔" صوفیہ نے اُن سے اپنا فون واپس لیتے ہوئے کہا تھا۔

رامین نے ایک آخری نظر انیلہ صاحبہ پر ڈالی۔اُس نظر میں نہ رحم تھا، نہ نفرت... بس انصاف کے پورا ہونے کا اطمینان تھا۔

پھر وہ دونوں مڑیں اور مضبوط قدموں کے ساتھ وہاں سے باہر نکل گئیں، جبکہ انیلہ صاحبہ سلاخوں کے پیچھے کھڑی اپنی بکھرتی ہوئی دنیا کو بے بسی سے دیکھتی رہ گئیں۔

جیل کے لمبے، سنسان راہداری میں اُن کے قدموں کی آواز گونج رہی تھی۔دونوں خاموش تھیں، مگر اُس خاموشی میں ایک طویل جدوجہد کے اختتام کا سکون شامل تھا۔

اب اُن کا رُخ گھر کی جانب تھا۔

//////////////////////

"آپ کو اس بات کا یقین کیسے تھا کہ آئمہ کے پاس ثبوت ہو گا، وہ بھی تو انیلہ صاحبہ کے ساتھ ملی ہوئی تھی۔" صوفیہ نے رامین کی طرف دیکھ کر تجسس بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

وہ دونوں اس وقت گاڑی میں موجود تھیں اور گھر کی طرف جا رہی تھیں۔ دوپہر کا وقت تھا، اس لیے سڑکوں پر معمول سے کم رش تھا۔ گاڑی کی کھڑکی سے آتی دھوپ کبھی رامین کے چہرے پر پڑتی اور کبھی ہٹ جاتی۔ رامین پوری توجہ سے گاڑی چلا رہی تھی، جبکہ صوفیہ کی نظریں بار بار اُس کے چہرے پر جا ٹھہرتی تھیں۔ اُس کے ذہن میں کئی سوال گردش کر رہے تھے، جن کے جواب صرف رامین ہی دے سکتی تھی۔

"لوگوں کا رویہ اُن کی حقیقت بتاتا ہے صوفیہ، اور آئمہ اپنے علاوہ کسی کی سگی نہیں، یہ بات میں پہلے دن سے سمجھ گئی تھی، لیکن انیلہ صاحبہ اور آئمہ کے درمیان اس وقت بہت مضبوط رِشتہ تھا، اس لیے لیکن آہستہ آہستہ ان کے درمیان خلش بڑھتی رہی، میں بس صحیح وقت کا انتظار کر رہی تھی۔" رامین کی نظریں سڑک پر تھیں اور اُس نے صوفیہ کو جواب دیا تھا۔

اُس کی آواز ہمیشہ کی طرح پُر سکون تھی، مگر ان الفاظ کے پیچھے کئی مہینوں کی منصوبہ بندی، صبر اور مشاہدہ چھپا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بعض جنگیں طاقت سے نہیں، بلکہ وقت کا انتظار کرنے سے جیتی جاتی ہیں۔

"لیکن اب آئمہ کا کیا کریں گے، وہ بھی تو عنایا آپی کے قتل میں برابر کی شریک تھی۔" صوفیہ نے پھر اُس سے سوال کیا تھا۔

رامین نے اچانک گاڑی کی رفتار آہستہ کی اور سڑک کے کنارے لا کر بریک لگا دی۔ انجن ابھی بھی چل رہا تھا، مگر گاڑی رک چکی تھی۔ اُس نے تھکے ہوئے انداز میں اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا اور چند لمحوں کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ صرف جسمانی نہیں، بلکہ ذہنی طور پر بھی ایک بہت لمبا اور کٹھن سفر طے کر کے یہاں تک پہنچی ہو۔

"وہ بھی اپنی سزا بھگتے گی، تھوڑا صبر سے کام لو، میں عنایا کے کسی بھی گناہگار کو آزاد نہیں رہنے دوں گی۔" رامین نے اپنی آنکھیں بند رکھے ہوئے ہی کہا تھا۔

صوفیہ خاموشی سے اُسے دیکھتی رہی۔ پہلی بار اُسے محسوس ہوا کہ مضبوط دکھائی دینے والے لوگ بھی اندر سے کتنے تھکے ہوئے ہوتے ہیں۔ رامین کے چہرے پر موجود تھکن، آنکھوں کے گرد ہلکے سائے اور سانسوں کی بے ترتیبی اُس کی مسلسل جدوجہد کی گواہی دے رہے تھے۔

چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر صوفیہ نے ہمت کر کے وہ سوال پوچھ لیا، جو کئی دنوں سے اُس کے دل میں قید تھا۔

"سینئیر، کیا آپ سچ میں ارسم بھائی اور زوہان کو چھوڑ دیں گی، کیا آپ واقعی جانا چاہتی ہیں؟"

یہ الفاظ سنتے ہی رامین کی بند آنکھیں ایک جھٹکے سے کھل گئیں۔ وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں کے لیے اُس کے چہرے پر ایسی کیفیت ابھری، جیسے کسی نے اُس کے دل کے سب سے نازک زخم پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

"تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو، تمہیں اس وقت ہمارے کام پر دھیان دینا چاہیے، نہ کہ مُجھ پر صوفیہ۔" رامین نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

صوفیہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے رامین کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ رامین اُس کے سوال سے بچنے کی کوشش کر رہی ہے، کیونکہ بعض سوالوں کے جواب زبان نہیں، آنکھیں دیتی ہیں۔

"آپ زوہان سے دور رہ لیں گی، اور ارسم بھائی سے۔" صوفیہ نے ایک بار پھر اُس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

اس بار چند لمحوں کے لیے گاڑی کے اندر مکمل خاموشی چھا گئی۔ صرف انجن کی مدھم آواز اور باہر گزرتی گاڑیوں کی ہلکی سی گونج سنائی دے رہی تھی۔

رامین نے ایک لمحے کے لیے اپنی پلکیں جھکائیں، جیسے دل میں اٹھنے والے طوفان کو ضبط کر رہی ہو، پھر بغیر اُس کی طرف دیکھے بولی۔

"اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا صوفیہ، میں جس لیے اُنکی زِندگی میں شامل ہوئی تھی، وہ مقصد پورا ہو گیا ہے اور مجھے تو ویسے بھی جانا ہی تھا۔"

الفاظ تو مضبوط تھے، مگر آواز کی ہلکی سی کپکپاہٹ اُس کے دل کا حال چھپا نہ سکی۔ شاید خود اُس کا دل بھی اُس کی زبان سے کہی گئی اس بات پر یقین نہیں کر پا رہا تھا۔

صوفیہ نے بے اختیار ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ وہ جانتی تھی کہ رامین جتنا دوسروں سے جھوٹ بول سکتی ہے، اپنے دل سے نہیں بول سکتی۔

اسی خاموشی کے ساتھ گاڑی ابراہیم ہاؤس کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، مگر اس بار کسی نے کچھ نہیں کہا۔ کچھ خاموشیاں الفاظ سے کہیں زیادہ بولتی ہیں۔

//////////////////////////

وہ اس وقت آفس آ گیا تھا۔ آج ایک بہت اہم میٹنگ تھی، ورنہ گھر میں جو کچھ ہوا تھا، اُس کے بعد وہ گھر پر ابراہیم صاحب کے ساتھ ہی رہنا چاہتا تھا۔ میٹنگ ختم ہونے کے بعد وہ اپنے کیبن میں آ گیا تھا۔ وہاں موجود صوفے پر بیٹھتے ہی جیسے اُس کی ساری طاقت ختم ہو گئی ہو۔ پچھلے کچھ دنوں سے جو جنگ اُس کے دل و دماغ میں چھڑی ہوئی تھی، وہ اُس سے تھک چُکا تھا۔ رامین کا سچ چھپانا، انیلہ صاحبہ کی حقیقت، اور عنایا اور اپنی ماں کی موت کی حقیقت، ساری باتیں ہی اُس کے لیے بہت تکلیف دہ تھیں۔ وہ عنایا کی تصویر کو دیکھ رہا تھا، جو ہمیشہ کی طرح میز پر اُس کے سامنے موجود تھی۔

"یہ تم نے کیا کیا ہے میرے ساتھ عنایا؟ تم نے تو کہا تھا کہ مجھے کسی کے ساتھ نہیں بانٹ سکتی، تو رامین کے ساتھ کیوں بانٹا؟ میرے جذبات، میرے احساسات... تم دونوں دوستوں کو بالکل فرق نہیں پڑتا نہ؟ تمہارا غم کبھی کم نہیں ہوا میرے دل میں، اور ایک دردِ دل دے دیا یار تم نے۔"

وہ اب کھڑا ہو چُکا تھا، اور اُس کی نیلی آنکھوں میں بے چینی صاف نظر آ رہی تھی۔

تبھی کیبن کا دروازہ کھول کر رومان اندر داخل ہوا تھا۔ ارسم اُسے دیکھ کر فوراً اپنا رُخ بدل گیا اور اپنے بکھرے حلیے کو درست کرنے لگا۔ وہ رومان کے سامنے اُس حالت میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

"بھائی، کیا چھپا رہے ہیں مجھ سے؟ آپ کو لگتا ہے آپ مجھ سے نظریں چرا لیں گے تو میں آپ کی حالت نہیں جان پاؤں گا۔"

رومان نے اُس کا رُخ اپنی جانب کرتے ہوئے کہا تھا۔

ارسم کی نیلی سمندر جیسی آنکھیں ضبط سے سرخ ہو چُکی تھیں۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تمہیں بابا کے پاس ہونا چاہیے تھا۔"

ارسم نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ رومان اُس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"بابا سو گئے تھے، اس لیے میں یہاں آ گیا، اور اس وقت آپ کو مجھ سے بات کرنے کی ضرورت ہے، اکیلے رہنے کی نہیں۔"

رومان نے اُس کی حالت دیکھ کر کہا تھا۔

"کیا بات کروں میں رومان؟ کیا سننا چاہتے ہو؟"

ارسم نے اُس کی ضد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھائی، آپ کے دل کی بات... جو آپ کو اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔ آپ پریشان ہیں، اور یہ میں دیکھ سکتا ہوں۔ جب سے آپ کو رامین بھابھی کے بارے میں پتہ چلا ہے، تب سے آپ بے چین ہیں۔"

رومان اتنا کہہ کر رُکا اور اُس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ ارسم کا چہرہ دوسری طرف تھا۔

"آپ سچ میں چاہتے ہیں بھائی کہ بھابھی چلی جائیں؟ کیا زوہان رہ لے گا اُن کے بغیر؟ اور آپ... کیا آپ رہ لیں گے رامین بھابھی کے بغیر؟"

رومان نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

ارسم نے چونک کر حیرت سے اُس کی طرف دیکھا، جبکہ رومان اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"یہ بات تم اپنی بھابھی سے پوچھو رومان، جو یہاں آئی ہی صرف ایک مقصد سے تھی، اور چھوڑ کر جانے کا فیصلہ بھی اُس کا ہے۔ وہ بھی تب سے جب وہ ہماری زندگی میں آئی تھی۔ اس لیے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"

ارسم نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ اُس کے چہرے پر اس وقت صرف تکلیف تھی، اور وہ اپنے جذبات چھپانے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"آپ نے اُنہیں بولنے کا موقع ہی کہاں دیا بھائی۔ وقت ہمارا دل بھی بدل سکتا ہے اور فیصلہ بھی۔ مجھے پتہ ہے آپ پریشان ہیں، اور سچ کہوں تو آپ ڈرتے ہیں۔"

رومان نے اُس کے بدلتے تاثرات دیکھ کر کہا۔

"اور میں کیوں ڈروں گا ہاں؟"

ارسم نے اُسے دیکھ کر پوچھا۔

"آپ ڈرتے ہیں بھائی کہ اگر آپ بھابھی کو روکیں گے اور وہ پھر بھی نہ رکیں تو۔ اس لیے آپ اُنہیں خود سے دور دھکیل رہے ہیں۔ بلکہ صرف آپ ہی نہیں، وہ بھی یہی کر رہی ہیں۔ آپ دونوں اپنے خیالات میں اتنا آگے نکل گئے ہیں کہ ایک دوسرے کو روکنے کے بجائے دور کر رہے ہیں، ایک دوسرے کو خود سے۔"

رومان نے اُس کے سامنے اُسے آئینہ دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ جیسے پتھر کا بن گیا تھا۔ اپنے کسی بھی عمل کو سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ جب سے اُسے رامین کا پتہ چلا تھا، تب سے ہی وہ اُس سے ناراض تھا، اور ہر وقت بس اُس سے دور ہی بھاگتا رہا تھا۔

کہیں نہ کہیں اُس کے دل میں یہ ڈر ہمیشہ سے تھا کہ وہ اُسے چھوڑ دے گی۔

"تم جانتے ہو میں عنایا سے بہت پیار کرتا ہوں، اور اُس کی جگہ اپنے دل میں کسی کو نہیں دے سکتا۔"

ارسم نے رومان کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

رومان اُس کی اس دلیل پر مسکرا دیا۔

"بھائی، میں نے تو یہ کہا ہی نہیں کہ آپ عنایا بھابھی کی جگہ کسی کو دے رہے ہیں۔"

رومان نے مسکراتے ہوئے اُسے دیکھا، اور ارسم حیرت سے اُس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"بھائی، عنایا بھابھی آپ کی پہلی محبت ہیں، اور پہلی محبت کبھی بھی مرتی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ نکاح میں بہت طاقت ہوتی ہے، اور محبت تو اللہ دل میں نکاح کے ساتھ ہی ڈال دیتا ہے۔

آپ عنایا بھابھی سے محبت کرتے تھے، کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، لیکن اب آپ کی زندگی کی ایک اور حقیقت ہے... رامین بھابھی۔

اور آپ مانیں یا نہ مانیں، محبت تو ہے آپ کو اُن سے۔ ورنہ اتنا غصہ کرنے کے باوجود آپ اُن کی اتنی پرواہ نہیں کرتے۔

دیکھا تھا میں نے اور صوفیہ نے اُس دن آپ کو بیوی کے انتظار میں جاگتے ہوئے، اور اگر واقعی محبت نہیں ہے تو اپنی بات پر قائم کیوں نہیں ہیں آپ؟ زوہان کو لیا کیوں نہیں آپ نے اُن سے؟ جواب دیں بھائی۔"

رومان نے ساری حقیقت اُس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

ارسم ہونک بنا اُس کی باتیں سن رہا تھا، جو آج لگتا تھا اُسے سب کچھ سمجھا کر ہی مانے گا۔

"رومان، بس کر دو۔ اپنے یہ لفظوں کے تیر ابھی لے جاؤ یہاں سے۔ کوئی اور سمجھے نہ سمجھے، تم کچھ زیادہ ہی سمجھ رہے ہو مجھے۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو کچھ دیر۔"

ارسم نے اُسے روکتے ہوئے کہا، کیونکہ اب وہ مزید اُس کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ پہلے ہی اُس کا دل و دماغ ایک جنگ میں تھا، اور اب رومان کی باتیں اُسے مزید پریشان کر رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے، جیسے آپ کی مرضی، لیکن میری باتوں پر غور ضرور کرنا بھائی۔"

رومان نے اُسے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

ارسم کے دماغ میں اب بس اُس کی ہی باتیں گونج رہی تھیں۔

//////////////////////

سب گھر والے ہال کمرے میں موجود تھے۔ زوہان کو صوفیہ اور رومان ابھی نیچے لے کر گئے تھے، اور ارسم بھی ہال میں ہی ابراہیم صاحب کے ساتھ موجود تھا۔

وہ اپنے کمرے میں موجود سامان پیک کر رہی تھی، کیونکہ آج وہ یہ گھر چھوڑ کر جا رہی تھی، ہمیشہ کے لیے۔ وہ وعدہ جو اُس نے ارسم سے کیا تھا، آج اُسے پورا کرنا تھا۔

اپنا سامان الماری سے نکالتے وقت اُسے عنایا کی وہی ڈائری ملی تھی۔ اب وہ ڈائری ہاتھ میں لیے عنایا کی اُسی تصویر کے سامنے کھڑی تھی، جو دیوار پر اپنی مخصوص جگہ پر موجود تھی۔

"میں نے اپنا وعدہ پورا کیا عنایا، تمہارے ہر گنہگار کو اُس کی سزا ملے گی۔ مجھے معاف کر دینا، مجھے اتنا وقت لگ گیا سب جاننے میں۔"

رامین نے ڈائری کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اُس کی نظریں عنایا کی تصویر پر ٹکی ہوئی تھیں، اور وہ اُسی کو دیکھ کر بول رہی تھی۔

"تم نے صحیح کہا تھا، ارسم بہت اچھے ہیں عنایا، اُن سے کسی کو بھی محبت ہو سکتی ہے۔ لیکن تم جانتی ہو میری پہلی محبت کون ہے؟ تم نے دعا مانگی تھی نہ کہ مجھے محبت ہو جائے... مجھے ہو گئی ہے محبت۔"

رامین نے نم آنکھوں سے کہا تھا۔

"مجھے تمہارے بیٹے سے محبت ہو گئی ہے، تمہارے اس گھر سے محبت ہو گئی ہے، اور میں یہ اعتراف کرتے ہوئے شرمندہ نہیں ہوں کہ تم سے، مجھے تمہاری محبت سے محبت ہو گئی ہے۔"

رامین نے اپنی کالی آنکھوں سے عنایا کی مسکراتی تصویر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن میں تمہاری جگہ کبھی نہیں لے سکتی عنایا۔ میرے لیے سب سے پہلے ہمیشہ تم رہو گی، اور تمہارے سامنے کچھ نہیں۔ تم ہی کہتی تھی نہ، سب سے زیادہ پیار میں پھر بھی تم سے کرتی ہوں۔"

"مجھے غلط مت سمجھنا، لیکن اب یہاں نہیں رہ پاؤں گی، ورنہ یہی لگے گا کہ تمہیں دھوکہ دے رہی ہوں۔"

رامین نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا، اور پھر اپنا سامان سمیٹنے لگی۔

تبھی اُسے نیچے سے کسی کے چلانے کی آواز آئی تھی،اور وہ فوراً سب کچھ چھوڑ کر نیچے کی طرف بھاگی۔

//////////////////////////

آئمہ نیچے ہال میں کھڑی مسلسل چیختے ہوئے رامین کو پکار رہی تھی۔اُس کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی، جس میں غصّہ، بے بسی اور پاگل پن ایک ساتھ شامل تھے۔

رامین تیزی سے سیڑھیاں اُترتی ہوئی نیچے آئی۔اُس کی نظر جیسے ہی آئمہ پر پڑی،اُس کے قدم ایک لمحے کو وہیں رک گئے۔

آج آئمہ کی حالت معمول سے بالکل مختلف تھی۔اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئی تھیں، چہرے پر عجیب سی وحشت ناچ رہی تھی، جبکہ اُس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار، خوفناک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کئی راتوں سے سوئی ہی نہ ہو، یا پھر اپنے ہوش و حواس کھو چکی ہو۔

ہال میں موجود سب لوگ خاموشی سے اُسے دیکھ رہے تھے۔کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ پہلے بولے۔ماحول پر ایک انجانا سا خوف چھا گیا تھا۔

رامین نے خاموش نظروں سے آئمہ کا باریک بینی سے جائزہ لیا۔اُس کی پولیس ٹریننگ فوراً بتا رہی تھی کہ آئمہ کی حرکات معمول کی نہیں ہیں۔اُس کے چلنے کا انداز، لڑکھڑاتی سانسیں اور بے ربط نظریں صاف ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ یا تو شدید ذہنی دباؤ میں تھی یا پھر نشے کی حالت میں۔

"تو آ گئی تم... رامین صاحبہ۔"

آئمہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اُس کے بالکل سامنے آ کر رُکی۔ اُس نے اپنی نظریں رامین کی کالی آنکھوں میں گاڑ دیں اور ہونٹوں پر وہی پراسرار مسکراہٹ لیے بولی،

"اپنا وعدہ یاد ہے تمہیں؟"

رامین نے ایک لمحہ اُس کی آنکھوں میں دیکھا، پھر نہایت پُر سکون لہجے میں بولی،

"کون سا وعدہ؟"

اُس کے انداز میں ایسی حیرت تھی جیسے واقعی اُسے آئمہ کی کوئی بات سمجھ نہ آئی ہو۔

یہ سن کر صوفیہ اور رومان نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ دونوں بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر رہے تھے۔

صوفیہ کی گود میں موجود زوہان بار بار رامین کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ کبھی وہ اپنی ننھی انگلیاں اُس کی طرف پھیلاتا، کبھی بے چینی سے مچلتا، جیسے اپنی ماں کے پاس جانا چاہتا ہو۔ رامین نے بھی ایک لمحے کے لیے اُسے دیکھا، اور اُس کے چہرے پر بے اختیار ہلکی سی نرمی اُتر آئی۔

دوسری طرف ارسم خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا، مگر اُس کی نظریں ایک لمحے کے لیے بھی رامین سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

"تم میرے ساتھ کوئی کھیل نہیں کھیل سکتیں!"

آئمہ اچانک زور سے چیخی،اور اُس کی آواز سے ہال کی خاموشی ٹوٹ گئی۔

"تم نے وعدہ کیا تھا مجھ سے...اب یہ گھر چھوڑ دو گی...اور ارسم سے طلاق لے لو گی!"

اُس کے چہرے پر پاگل پن صاف جھلک رہا تھا۔

رامین نے گہرا سانس لیا، پھر ہونٹ سکیڑ کر نہایت سکون سے بولی،

"میں... تمہیں واقعی لگتا ہے کہ میں اپنا گھر تمہارے کہنے پر چھوڑ دوں گی؟"

وہ ایک قدم آگے بڑھی۔

"اور میں اپنے شوہر سے طلاق لوں؟ وہ بھی صرف تمہاری خوشی کے لیے؟"

اُس نے ہلکا سا منہ بنایا اور سر نفی میں ہلایا۔

"سوری... لیکن یہ سب مجھے بالکل سوٹ نہیں کرتا۔"

اُس کے جواب کے ساتھ ہی ارسم کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ شاید "اپنا گھر" اور "اپنے شوہر" کے الفاظ اُس کے دل کے کسی کونے کو چھو گئے تھے، اگرچہ اُس نے فوراً اپنے تاثرات چھپا لیے۔ رومان نے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے تاکہ ہنسی نہ نکل جائے، جبکہ صوفیہ نے بھی اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ دونوں آئمہ کے بگڑتے ہوئے تاثرات دیکھ کر مشکل سے اپنی ہنسی روک رہے تھے۔

صرف ابراہیم صاحب خاموش کھڑے تھے۔اُن کے چہرے پر نہ مسکراہٹ تھی، نہ غصّہ... صرف ایک عجیب سی سنجیدگی اور بے یقینی تھی۔وہ آئمہ کو غور سے دیکھ رہے تھے، جیسے پہلی بار اُس کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"تم مجھے جانتی نہیں ہو، رامین۔" آئمہ نے نفرت سے دانت پیستے ہوئے کہا۔اُس کی سرخ آنکھیں غصّے سے دہک رہی تھیں۔"مجھے دھوکا دینے کی سزا ضرور ملے گی تمہیں۔ایسی سزا کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔"

ہال میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

"آئمہ، یہاں سے چلی جاؤ...اور دوبارہ ہمارے گھر میں قدم بھی مت رکھنا۔"

آخر کار ابراہیم صاحب نے اپنی خاموشی توڑی۔اُن کی آواز پہلے جیسی مضبوط تو نہیں تھی، مگر اُس میں گھر کے بڑے ہونے کا رعب اب بھی موجود تھا۔اُن کی آنکھوں میں مایوسی صاف جھلک رہی تھی۔وہ اُس لڑکی کو دیکھ رہے تھے جسے کبھی اپنی بیٹیوں کی طرح گھر میں آتے جاتے دیکھا تھا، مگر آج وہی لڑکی اُن کے گھر کے سکون کو تباہ کرنے پر تُلی ہوئی تھی۔

آئمہ تلخی سے ہنس پڑی۔

"انکل...ویسے آپ کو پتہ ہے میری خالہ اس گھر میں کیسے آئیں؟"

وہ آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھی، جیسے جان بوجھ کر ہر لفظ اُن کے دل میں اتارنا چاہتی ہو۔

"کیوں کہ آپ کو اپنی خوبصورت، وفادار بیوی نظر نہیں آئی... لیکن میری خالہ کی چند میٹھی باتیں ضرور نظر آ گئیں، جو وہ صرف آپ کے لیے بولتی تھیں۔"

ابراہیم صاحب کا چہرہ ایک دم بجھ گیا۔ شرمندگی اُن کی آنکھوں میں صاف اتر آئی۔ وہ نظریں جھکانے پر مجبور ہو گئے۔

آئمہ نے فاتحانہ انداز میں مسکرا کر اپنا رخ ارسم کی طرف کر لیا۔

"اور دوسرا... آپ کا یہ بیٹا۔ پہلے اپنی ایک بیوی کے لیے پاگل تھا، اور اب اپنی اس دوسری بیوی کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ پہلی سے تو محبت تھی... اس سے تو صرف مجبوری میں شادی کی تھی نا؟"

وہ چند قدم اور آگے بڑھی اور اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے تقریباً چیخ کر بولی،

"مجھ میں کیا کمی تھی؟ ہاں... بتاؤ! آخر مجھ میں کیا کمی تھی؟"

اُس کی آواز میں حسد، شکست، نفرت اور دیوانگی سب کچھ ایک ساتھ جھلک رہا تھا۔

ارسم اب تک ضبط کیے کھڑا تھا، مگر اب اُس کا صبر جواب دے چکا تھا۔ اُس نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اُس کی نیلی آنکھیں غصّے سے سرخ ہو چکی تھیں اور جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔

"تم کبھی اس قابل تھی ہی نہیں کہ کوئی تم سے محبت کرے، آئمہ۔"

اُس کی آواز غیر معمولی طور پر پُرسکون تھی، مگر اُس سکون کے پیچھے چھپا غصّہ ہر لفظ سے محسوس ہو رہا تھا۔

"جو لڑکی کبھی کسی کی سگی نہ ہو سکی... اپنے خون کی بھی نہیں... اُس سے محبت کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔"

وہ چند لمحے رکا، پھر بے حد نفرت سے بولا،

"میں ہمیشہ سے تم سے نفرت کرتا تھا... کرتا ہوں... اور کرتا رہوں گا۔"

یہ الفاظ آئمہ کے دل پر کسی تیز دھار خنجر کی طرح لگے۔ اُس کے چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ چند لمحے پہلے کی فاتحانہ مسکراہٹ نفرت اور جنون میں تبدیل ہو چکی تھی۔

رامین خاموشی سے ارسم کو دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار اُس نے اُس کی آنکھوں میں اپنے لیے اتنا واضح مؤقف دیکھا تھا۔

اچانک آئمہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔

"تم سب ملے ہوئے تھے... تم سب نے مجھے استعمال کیا!"

وہ ایک ایک چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"پہلے میری خالہ کے خلاف... اور اب اگلا نمبر میرا ہے نا؟ لیکن نہیں... میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔"

اُس کی نظریں اچانک صوفیہ پر جا کر رک گئیں۔

صوفیہ ابھی بھی زوہان کو سینے سے لگائے کھڑی تھی، جو اپنی معصوم نظروں سے کبھی رامین کو اور کبھی ارسم کو دیکھ رہا تھا۔

کسی کو اندازہ بھی نہ تھا کہ اگلے چند لمحوں میں کیا ہونے والا ہے۔

اچانک آئمہ پوری طاقت سے صوفیہ کی طرف لپکی۔

"آئمہ...!"

سب کی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں، مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

ایک ہی جھٹکے میں اُس نے زوہان کو صوفیہ کی گود سے کھینچ لیا۔

"آہ...!"

صوفیہ کے ہاتھ ہوا میں رہ گئے۔ وہ چند لمحوں تک صدمے سے ساکت کھڑی رہ گئی، جیسے اُس کا ذہن اس منظر کو قبول ہی نہ کر پا رہا ہو۔

اچانک زوہان خوف سے زور زور سے رونے لگا۔ اُس کی معصوم چیخ نے پورے ہال کی فضا بدل دی۔

رامین کے چہرے کا رنگ ایک ہی لمحے میں اُڑ گیا۔ ایسا لگا جیسے کسی نے اُس کے جسم سے سارا خون کھینچ لیا ہو۔ اُس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا اور کانوں میں صرف زوہان کے رونے کی آواز گونجنے لگی۔

ارسم کی مٹھیاں بے اختیار بھنچ گئیں۔ اُس کی سانسیں تیز ہو گئیں اور آنکھوں میں پہلی بار ایک باپ کا بے بس خوف صاف نظر آنے لگا۔

پورے ہال میں جیسے قیامت آگئی تھی۔

"آئمہ... زوہان کو مجھے واپس کر دو۔"

رامین ایک قدم آگے بڑھی۔اُس کی آواز میں التجا بھی تھی، خوف بھی اور ایک ماں کی بے بسی بھی۔

اُس کی نظریں صرف اپنے بیٹے پر جمی تھیں، جیسے دنیا میں اُس لمحے اُس کے لیے اور کچھ باقی ہی نہ ہو۔

ہال میں موجود ہر شخص کی سانسیں رکی ہوئی تھیں، کیونکہ اب کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ آئمہ اگلا قدم کیا اٹھانے والی ہے۔

//////////////

"آئمہ... اگر میرے بیٹے کو ذرا سی بھی تکلیف ہوئی نا، تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

ارسم نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔اُس کی آواز غصّے سے بھاری ہو چکی تھی، مگر اُس کے قدم بہت ناپ تول کر اٹھ رہے تھے۔وہ جانتا تھا کہ ایک معمولی سی غلطی بھی زوہان کی جان کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔

"نہیں...!"

آئمہ نے فوراً چیخ کر اُسے روکا۔

"بالکل یہی حرکت مت کرنا، ارسم ابراہیم... ورنہ تمہارا یہ بیٹا میرے ہاتھوں سے نیچے گر جائے گا۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے زوہان کو ذرا سا آگے کیا۔

زوہان خوف سے اور زور زور سے رونے لگا۔اُس کے ننھے ننھے ہاتھ ہوا میں بے بسی سے لہرا رہے تھے، جیسے وہ اپنی ماں کو پکار رہا ہو۔

یہ منظر دیکھ کر رامین کے قدم وہیں جم گئے۔

اُس کا سانس سینے میں اٹک گیا۔دل اس شدت سے دھڑک رہا تھا کہ جیسے ابھی باہر آ جائے گا۔اُس کی نظریں ایک پل کے لیے بھی زوہان سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

آئمہ سیڑھیوں کے درمیان کھڑی تھی۔اُس کے پیچھے صرف خالی فضا تھی،اور اگر اُس کا ہاتھ ذرا سا بھی ڈھیلا پڑ جاتا تو...

اس خیال نے ہی رامین کے وجود میں کپکپی دوڑا دی۔

"چاہتی کیا ہو تم؟"

رامین نے بمشکل اپنی آواز کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

اُس کی آواز میں ایک ماں کی بے بسی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

"جو بھی چاہیے...بس زوہان کو کچھ مت کرنا۔"

وہ بے اختیار ایک قدم آگے بڑھی، مگر فوراً رک گئی۔

اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوڑ کر آئمہ کو دھکا دے دے،اپنے بیٹے کو اُس سے چھین لے... مگر وہ جانتی تھی کہ ایک لمحے کی جلد بازی زوہان کی زندگی چھین سکتی ہے۔

آئمہ پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔

اُس کی ہنسی پورے ہال میں عجیب سی دہشت پھیلا رہی تھی۔

"اب تم لوگوں نے میرا انجام تو سوچ ہی لیا ہے۔ مجھے سزا دلوانے والے ہو نا تم سب؟"

وہ ایک ایک چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"تو پھر خوش تم لوگ بھی نہیں رہو گے۔"

اُس کی نظریں ارسم پر جم گئیں۔

"آج دیکھتے ہیں... ارسم ابراہیم... تمہیں زیادہ عزیز کون ہے؟"

وہ شیطانی انداز میں مسکرائی۔

"تمہارا بیٹا... یا تمہاری یہ بیوی؟"

ہال میں موجود سب لوگوں کے چہرے تن گئے۔

کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ سانس بھی زور سے لے۔

"کہنا کیا چاہتی ہو تم؟"

ارسم نے ضبط کرتے ہوئے کہا، مگر اب اُس کی آواز میں غصّے کے ساتھ بے چینی بھی شامل ہو چکی تھی۔

"صاف صاف بتاؤ۔"

آئمہ کی آنکھوں میں ایک خطرناک چمک اُبھری۔

"ابھی...اسی وقت...اپنی اس بیوی کو طلاق دو۔"

اُس نے رامین کی طرف اشارہ کیا۔

"اور پھر اپنا بیٹا لے لو۔"

چند لمحے رکی، پھر ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی،

"اس کے بعد میں خوشی خوشی جیل جانے کے لیے تیار ہوں۔"

اُس کے الفاظ پورے ہال پر کسی بم کی طرح گرے۔

رامین کو ایسا محسوس ہوا جیسے اُس کے قدموں تلے زمین نکل گئی ہو۔

اُس نے بے اختیار ارسم کی طرف دیکھا۔

اُس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے، مگر اُن آنسوؤں سے زیادہ خوف اُس کے چہرے پر نمایاں تھا۔

ارسم ابھی تک خاموشی سے آئمہ کو دیکھ رہا تھا۔

ہال میں ایسی خاموشی چھا گئی کہ زوہان کی سسکیوں کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

چند لمحوں بعد ارسم نے گہرا سانس لیا۔

اُس کے چہرے پر اب کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔

"میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا۔"

اُس کی آواز مضبوط تھی۔

"تمہاری تسکین کے لیے تو بالکل نہیں۔"

وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

"اور جہاں تک میرے بیٹے کا سوال ہے..."

اُس کی نیلی آنکھیں سیدھی آئمہ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔

"اگر اُسے ایک بھی خراش آئی... تو تمہاری سزا پوری دنیا دیکھے گی۔"

رامین نے حیرت اور بھیگی آنکھوں سے ارسم کو دیکھا۔

اُس نے پہلی بار محسوس کیا کہ اُس نے آج کسی خوف یا دباؤ کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔

مگر آئمہ کا پاگل پن اب اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

"اچھا..."

وہ تلخی سے ہنسی۔

"مطلب اب یہ بیوی تمہارے بیٹے سے بھی زیادہ اہم ہو گئی ہے۔"

اُس نے زوہان کی طرف دیکھا۔

"تو ٹھیک ہے..."

اُس کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ ابھری۔

"اب تو یہ جائے گا..."

اُس نے ایک لمحے میں اپنے ہاتھ کھول دیے۔

"بچا سکتے ہو تو بچالو!"

"زوہاااان...!!"

رامین اور ارسم کی دل چیر دینے والی چیخ ایک ساتھ پورے ہال میں گونجی۔

وقت جیسے ایک لمحے کے لیے تھم گیا۔

ننھا سا وجود فضا میں معلق ہوا۔

ہر کسی کی سانس رک گئی۔

رامین پوری طاقت سے آگے لپکی۔

اسی لمحے ارسم بھی بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھا۔

اگلے ہی لمحے دونوں نے مل کر زوہان کو زمین پر گرنے سے چند انچ پہلے اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔

رامین کا توازن بگڑ گیا اور وہ خود بھی گرنے والی تھی، مگر ارسم نے ایک ہاتھ سے اُسے اور دوسرے ہاتھ سے زوہان کو مضبوطی سے سنبھال لیا۔

چند لمحوں تک تینوں ایک دوسرے سے لپٹے وہیں کھڑے رہے۔

زوہان ڈر کے مارے بری طرح رو رہا تھا۔

رامین نے اُسے فوراً اپنے سینے سے لگا لیا، جیسے پوری دنیا سے چھپا لینا چاہتی ہو۔

اُس کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔

وہ بار بار زوہان کے چہرے، سر اور ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میرے بچے..."

اُس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"تم ٹھیک ہو نا...؟"

وہ بار بار اُس کے ماتھے پر بوسہ دے رہی تھی۔

دوسری طرف ارسم کی سانسیں ابھی تک بے ترتیب تھیں۔

چند لمحے پہلے اُس نے اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں کے سامنے موت کی طرف گرتے دیکھا تھا۔

وہ خاموشی سے زوہان کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا، جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو کہ اُس کا بیٹا واقعی محفوظ ہے۔

اُدھر آئمہ بھاگنے کے لیے مڑی ہی تھی کہ صوفیہ نے لپک کر اُس کا بازو پکڑ لیا۔

"کہاں جانے کی تیاری ہے؟"

صوفیہ نے غصّے سے اُس کا ہاتھ مروڑتے ہوئے کہا۔

"تمہارا اصلی گھر... تمہارا انتظار کر رہا ہے، آئمہ صاحبہ۔"

اُس کی آنکھوں میں شدید غصّہ تھا۔

جب سے آئمہ نے اُس کی گود سے زوہان کو چھینا تھا، اُس کا ضبط بھی ختم ہو چکا تھا۔

اسی لمحے باہر پولیس کی گاڑیوں کے سائرن پورے ماحول میں گونج اٹھے۔

کچھ ہی لمحوں میں پولیس اندر داخل ہو گئی۔

"اس شہزادی کی اچھی خاطر داری کرنا..."

صوفیہ نے پولیس اہلکاروں کی طرف دیکھ کر طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہم تھوڑی دیر میں آتے ہیں۔"

پولیس نے آئمہ کو ہتھکڑیاں لگا کر اپنے ساتھ لے لیا۔

اُس کی چیخیں اور دھمکیاں آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئیں۔

اور ہال میں موجود سب لوگوں کی نظریں صرف ایک ہی وجود پر تھیں...

زوہان...

جو ابھی تک اپنی ماں کے سینے سے لپٹا سسکیاں لے رہا تھا۔

//////////

وہ سب اس وقت ہاسپٹل میں موجود تھے۔ سفید دیواروں اور اینٹی سیپٹک کی تیز بو سے بھرا وہ ماحول ہر لمحہ اُن کی بے چینی میں اضافہ کر رہا تھا۔ زوہان کا مسلسل رونا ہی اُن سب کی پریشانی کی سب سے بڑی وجہ تھا۔ ڈاکٹر علی اس وقت اُس کا چیک اَپ کر رہے تھے اور سب بے چینی سے کیبن کے باہر انتظار کر رہے تھے۔

رامین دروازے کے بالکل قریب کھڑی تھی۔اُس کی نظریں بار بار بند دروازے پر جا کر ٹھہر جاتیں اور پھر بے اختیار اُس کے ہاتھ ایک دوسرے میں الجھ جاتے۔دل مسلسل دعائیں مانگ رہا تھا۔دوسری طرف ارسم دیوار سے ٹیک لگائے خاموش کھڑا تھا۔اُس کی نیلی آنکھوں میں واضح اضطراب تھا، مگر وہ اپنی بے چینی کو چہرے پر آنے نہیں دے رہا تھا۔صوفیہ اور رومان قریب پڑی بینچ پر بیٹھے تھے، لیکن اُن کی نظریں بھی بار بار کیبن کے دروازے پر جا ٹھہرتی تھیں۔

ابراہیم صاحب گھر پر ہی تھے۔آئمہ کی حرکت کے بعد اُن کا بلڈ پریشر اچانک بہت نیچے چلا گیا تھا،اس لیے دوائی دے کر سُلا دینے کے بعد ہی رومان اور صوفیہ ہاسپٹل آئے تھے۔

پورے کوریڈور میں عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔اتنی دیر میں نہ رامین نے ارسم سے ایک لفظ کہا تھا اور نہ ہی ارسم نے اُس سے۔مگر دونوں کی نظریں ہر چند لمحوں بعد ایک ہی دروازے پر جا کر ٹھہر جاتی تھیں، جہاں اُن کی سب سے بڑی فکر موجود تھی۔

"اِن دونوں کا کیا بنے گا؟"رومان نے آہستہ سے صوفیہ کی طرف دیکھ کر اُن دونوں کی خاموشی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

صوفیہ نے ایک گہری سانس لی اور پھر رامین اور ارسم کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ایک رکنے کے لیے تیار نہیں...اور دوسرا روکنے کے لیے تیار نہیں۔اگر یہی چلتا رہا تو اِن دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

رومان ہلکا سا مسکرایا۔

"لیکن ایک چیز ہے... جو اِنہیں ہر بار ایک ساتھ لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔"

"کون سی؟" صوفیہ نے تجسس سے پوچھا۔

رومان نے کچھ کہنے کے بجائے اپنی نگاہ کیبن کی طرف اٹھا دی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور ڈاکٹر علی باہر آئے۔

دروازہ کھلتے ہی رامین اور ارسم تقریباً ایک ہی وقت میں تیزی سے اُن کی طرف بڑھے تھے۔ دونوں کے چہروں پر ایک ہی سوال، ایک ہی بے چینی صاف لکھی ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر... زوہان ٹھیک تو ہے نا؟" رامین نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ اُس کی آواز میں لرزش صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ڈاکٹر علی اُن کی حالت دیکھ کر ہلکا سا مسکرائے۔

"مسز ارسم، آپ دونوں نے بروقت اُسے پکڑ لیا تھا، اس لیے اُسے کوئی چوٹ نہیں لگی۔ وہ نیچے گرا ہی نہیں تھا۔ بس اچانک ڈر گیا تھا، اور اِتنے چھوٹے بچے اکثر خوف کی وجہ سے کافی دیر تک روتے رہتے ہیں۔ اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ آپ لوگ اُس سے مل سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر کی بات ختم ہوتے ہی جیسے رامین کے سینے پر رکھا ہوا بھاری پتھر ہٹ گیا۔ اُس نے بے اختیار آنکھیں بند کر کے اللہ کا شکر ادا کیا اور ڈاکٹر کا شکریہ کہہ کر فوراً کیبن کے اندر چلی گئی۔

"تھینک یو، یار۔" ارسم نے سکون کا سانس لیتے ہوئے علی سے کہا۔

علی نے شرارتی انداز میں اُسے دیکھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آخر کار تم نے میری بات مان لی۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا نا، زوہان کے لیے رامین بہترین ہے۔"

ارسم ہلکا سا مسکرایا۔

"جھوٹے... تم نے کہا کب تھا؟ صرف اشارہ کیا تھا۔"

علی ہنس پڑا۔

"بھئی، سمجھدار کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔"

دونوں ہلکا سا مسکرائے۔ پھر علی نے اپنے اگلے راؤنڈ کا کہہ کر اُن سے اجازت لی اور وہاں سے چلا گیا۔

ارسم بھی آہستہ آہستہ کیبن کے اندر آیا۔

رامین نے زوہان کو اپنے سینے سے لگا رکھا تھا، جیسے اُسے دوبارہ کبھی خود سے الگ نہ ہونے دے گی۔

زوہان اب بالکل پُر سکون تھا اور اپنی معصوم آنکھوں سے کبھی رامین کا چہرہ دیکھتا، کبھی ارسم کی طرف گردن موڑ لیتا۔ اُس کے ننھے ہاتھ بار بار رامین کے دوپٹے کو پکڑ رہے تھے۔

رومان اور صوفیہ بھی اُن کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ چند لمحوں کے لیے کمرے میں ایک عجیب سا سکون اتر آیا تھا۔ جیسے کچھ دیر پہلے برپا ہونے والا طوفان اب تھم چکا ہو۔

"اب ہمیں گھر چلنا چاہیے، بابا گھر میں اکیلے ہیں۔" ارسم نے دھیمی آواز میں کہا۔

سب نے خاموشی سے اثبات میں سر ہلایا۔

اور پھر وہ سب زوہان کو ساتھ لیے ہاسپٹل سے باہر نکل آئے۔ باہر رات کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، مگر اُن کے دلوں میں چند لمحے پہلے کی دہشت ابھی تک پوری طرح ختم نہیں ہوئی تھی۔ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

////////

دو دن گزر چکے تھے۔ اب ابراہیم صاحب کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی۔ ارسم اور رومان کے ساتھ ساتھ رامین اور صوفیہ بھی اُن کا بے حد خیال رکھتی تھیں۔ وقت پر دوائیں دینا، کھانے کا خیال رکھنا اور ہر لمحہ اُن کی ضرورت کا دھیان رکھنا... یہ سب دیکھ کر ابراہیم صاحب کے دل میں اُن دونوں بچیوں کے لیے عزت اور محبت مزید بڑھ گئی تھی۔ وہ اکثر دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اُن کے گھر میں ایسی سمجھدار اور بااخلاق بہوئیں آئی تھیں۔

اِن دو دنوں میں رامین اور ارسم نے ایک دوسرے سے کوئی خاص بات نہیں کی تھی۔ دونوں ایک ہی گھر، ایک ہی کمرے اور ایک ہی چھت کے نیچے موجود تھے، مگر اُن کے درمیان خاموشی کی ایک دیوار کھڑی تھی۔ وہ خاموشی سے صرف زوہان کا خیال رکھتے، کبھی ایک دوسرے کی طرف دیکھ لیتے اور پھر نظریں چرا لیتے۔

ارسم اُس دن رامین کا پیک کیا ہوا سامان بھی دیکھ چکا تھا، مگر اُس نے اُس بارے میں ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔ شاید وہ صحیح وقت کا انتظار کر رہا تھا... یا شاید ہمت جمع کر رہا تھا۔

اس وقت رامین بیڈ پر بیٹھی زوہان کو اپنی گود میں لیے اُس سے باتیں کر رہی تھی۔ زوہان اب بالکل نارمل تھا اور اپنی ننھی ننھی مسکراہٹوں سے جیسے سب کا دل بہلا رہا تھا۔

"تم نے ہمیں کتنا ڈرا دیا تھا، پتہ ہے؟ ایسے بھی کوئی روتا ہے؟"

رامین نے اُس کی چھوٹی سی ناک کو پیار سے چھیڑتے ہوئے کہا۔

زوہان جواب میں کھلکھلا کر مسکرا دیا۔

"ہنس رہے ہو؟ تمہارا تو صحیح ہے، ہماری جان نکال کر خود مزے سے ہنس رہے ہو۔"

رامین نے بناوٹی ناراضی سے کہا تو زوہان نے ننھے ہاتھ اُس کے دوپٹے کی طرف بڑھا دیے، جیسے واقعی اُس کی بات سمجھ رہا ہو۔

تبھی کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور ارسم اندر داخل ہوا۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑا رامین کو زوہان کے ساتھ دیکھتا رہا۔ اُس منظر میں ایک عجیب سا سکون تھا، جسے وہ شاید ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں محفوظ کر لینا چاہتا تھا۔

"وہ تمہاری بات کیسے سمجھے گا، رامین؟ وہ ابھی بچہ ہے۔"

ارسم کی آواز پر رامین چونک کر اُس کی طرف مڑی۔

کتنے دنوں بعد اُس نے ارسم کی آواز اپنے لیے سنی تھی۔

اُس کی نظریں بے اختیار ارسم کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ وہی نیلی آنکھیں... مگر آج اُن میں ناراضی کم اور فکر زیادہ تھی۔ چند لمحوں کے لیے وہ اُن آنکھوں میں ہی کھو کر رہ گئی۔

"بچے... بڑوں سے زیادہ سمجھدار ہوتے ہیں، ارسم۔ وہ اکثر بنا کہے بھی سب کچھ سمجھ جاتے ہیں۔"

رامین نے دھیرے سے کہا۔ اُس کی آواز میں نہ جانے کتنی بے بسی چھپی ہوئی تھی۔

ارسم چند قدم اور اُس کے قریب آ گیا۔

"تو پھر ایسے بڑوں کا کیا علاج ہے، بتاؤ؟ یا... چھوڑ کر جانا ہی ہر مسئلے کا علاج ہوتا ہے؟"

اُس کے لہجے میں پہلی بار شکوہ صاف سنائی دیا۔

رامین کی پلکیں جھک گئیں۔

"چھوڑ کر جانا... مجبوری ہوتا ہے، ارسم۔ کوئی خوشی سے اپنے لوگوں کو چھوڑ کر نہیں جاتا۔"

اُس نے نظریں چرا کر آہستہ سے کہا۔

"تو کیا اُن مجبوریوں کو ختم نہیں کیا جا سکتا، رامین؟"

ارسم نے دھیرے سے اُس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"کیا تم... ابھی بھی جانا چاہتی ہو؟"

یہ سوال صرف الفاظ نہیں تھا، جیسے اُس کے دل کی پوری بے چینی اُن چند لفظوں میں سمٹ آئی ہو۔

رامین ساکت رہ گئی۔

وہ صرف ارسم کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ جیسے اُس کے اندر چلنے والی ساری جنگ ایک لمحے کے لیے تھم گئی ہو۔

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی...

شاید بہت کچھ...

مگر اُسی لمحے اُس کے فون کی تیز گھنٹی نے دونوں کے درمیان پھیلی خاموشی کو توڑ دیا۔

رامین جیسے اچانک حقیقت کی دنیا میں واپس آ گئی۔ اُس نے جلدی سے فون اٹھایا، جبکہ ارسم نے خاموشی سے زوہان کو اُس کی گود سے لے لیا تاکہ وہ آرام سے بات کر سکے۔

"کیا؟... یہ کیسے ہو گیا؟ تم لوگوں کے ہوتے ہوئے وہ بھاگ کیسے گئے؟"

چند لمحوں میں ہی اُس کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔

"مجھے کوئی وضاحت نہیں سننی۔ فورس بھیجو اور ہر راستہ سیل کرو۔ میں ابھی پہنچ رہی ہوں۔"

اُس نے غصے سے فون بند کیا۔

"سب ٹھیک ہے، رامین؟"

ارسم نے بے اختیار پوچھا، جبکہ رامین تیزی سے الماری کھول کر اپنی پولیس یونیفارم نکال رہی تھی۔

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے، ارسم۔ ظہیر خان جیل سے فرار ہو گیا ہے۔"

اُس نے جلدی جلدی کپڑے نکالتے ہوئے کہا۔

"آپ بس دعا کریں کہ وہ جلد پکڑا جائے... ورنہ بہت کچھ غلط ہو سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ واش روم کی طرف چلی گئی۔

چند ہی لمحوں بعد وہ اپنی مخصوص پولیس یونیفارم اور حجاب میں باہر آئی۔اُس کے چہرے پر پہلے والی نرمی کی جگہ اب ایک فرض شناس آفیسر کی سنجیدگی آچکی تھی۔

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ ارسم کی آواز نے اُس کے قدم روک لیے۔

"رامین..."

وہ مڑی۔

ارسم اُس کے قریب آیا۔

"جیسے جا رہی ہو... ویسے ہی واپس آنا۔"

چند لمحے خاموش رہ کر اُس نے دھیمی آواز میں کہا۔

"وعدہ کرو مجھ سے۔"

اُس کی آواز میں موجود خوف پہلی بار لفظوں کی صورت میں سامنے آیا تھا۔

رامین چند لمحے خاموش اُسے دیکھتی رہی، پھر آہستہ سے اپنا ہاتھ اُس کے بڑھائے ہوئے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"وعدہ کرتی ہوں..."

اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"واپس آکر... بات بھی کرتی ہوں۔"

پھر اُس نے زوہان کی طرف محبت بھری نظر ڈالی۔

"اپنا... اور زوہان کا خیال رکھیے گا۔"

یہ کہہ کر وہ مڑی اور تیز قدموں سے کمرے سے نکل گئی۔

ارسم کافی دیر تک بند ہوتے دروازے کو دیکھتا رہا۔

اُس نے بے اختیار زوہان کو اپنے سینے سے لگایا اور آہستہ سے آسمان کی طرف دیکھ کر سرگوشی کی۔

"یااللہ... یہ امتحان آخر کب ختم ہوں گے؟"

کمرے میں پھر ایک بار خاموشی اتر آئی، مگر اس بار وہ خاموشی پہلے سے کہیں زیادہ بوجھل تھی۔

//////////

ابھی رامین گاڑی میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کرنے ہی لگی تھی کہ اُس کے موبائل کی گھنٹی بج اُٹھی۔ اُس نے ایک نظر اسکرین پر ڈالی۔ نمبر انجان تھا، مگر نہ جانے کیوں دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔

اُس نے فوراً کال رسیو کی۔

"ہیلو..."

اگلے ہی لمحے دوسری طرف سے سنائی دینے والی آواز پر اُس کی نظریں سخت ہو گئیں۔

"بھتیجی... کیا حال ہے؟ خبر تو تم تک پہنچ ہی گئی ہو گی۔"

ظہیر خان کی طنزیہ ہنسی اُس کے کانوں میں زہر گھول گئی۔

"اچھا، میں تمہیں ایک موقع دیتا ہوں۔ ابھی ایک ایڈریس بھیج رہا ہوں، میرے پاس آ جاؤ... لیکن اپنی اُس پولیس فورس کو چھوڑ کر آنا۔"

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اُس نے مزید سرد لہجے میں کہا۔

"اور ہاں... اکیلے آنا۔ ورنہ ہو سکتا ہے میں اپنا ارادہ بدل لوں۔"

رامین کی انگلیاں اسٹیئرنگ پر مضبوطی سے جم گئیں۔ اُس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے غصے کی چمک اُبھری، مگر اگلے ہی پل اُس نے خود کو سنبھال لیا۔

"ایڈریس بھیجیں، چچا جان... میں آ رہی ہوں۔"

اُس نے پُرسکون مگر مضبوط لہجے میں کہا اور کال ختم کر دی۔

چند ہی لمحوں بعد موبائل پر ایک میسج آیا۔

اس نے ایڈریس کھولا۔

نیچے صرف دو لفظ لکھے تھے۔

"اکیلے آنا۔"

رامین نے گہرا سانس لیا۔اُس کی نظریں چند لمحے موبائل کی اسکرین پر جمی رہیں، پھر اُس نے فون ایک طرف رکھااور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی۔

ابھی اُس نے گیئر بدلا ہی تھا کہ اچانک فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا،اور صوفیہ پوری تیاری کے ساتھ اپنی پولیس یونیفارم میں آکر اُس کے برابر بیٹھ گئی۔

رامین نے حیرت سے اُس کی طرف دیکھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

صوفیہ نے سیٹ بیلٹ باندھی، سکون سے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کی طرف دیکھا۔

"سینئر... میں اپنا کام کر رہی ہوں۔"

پھر اُس نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

"اور آپ کو اکیلے وہاں نہیں جانے دوں گی۔"

رامین نے اُسے سمجھانے کے لیے لب کھولے، مگر صوفیہ کے چہرے پر وہی ضد اور عزم دیکھ کر خاموش ہو گئی۔وہ جانتی تھی،ایک بار صوفیہ نے فیصلہ کر لیا تو پھر اُسے بدلنا تقریباً ناممکن تھا۔

اُس نے بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ دبالی۔

"تم کبھی نہیں سدھرو گی، ہے نا؟"

"بالکل نہیں، خاص طور پر جب بات آپ کی ہو۔"

صوفیہ نے فوراً جواب دیا۔

رامین نے اثبات میں سر ہلایا، مزید کچھ نہ کہا اور گاڑی سڑک پر دوڑا دی۔

شہر کی روشنیاں آہستہ آہستہ پیچھے رہتی جا رہی تھیں، جبکہ سامنے اندھیرا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

دونوں جانتی تھیں...

یہ سفر عام نہیں تھا۔

اور اُنہیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اُس سنسان راستے کے اختتام پر اُن کا انتظار صرف ظہیر خان نہیں...

بلکہ اُن کی زندگی کا سب سے خطرناک امتحان بھی کر رہا تھا۔

//////////

"شاہ میر، کچھ پتہ چلا؟"

شہاب صاحب نے بے چینی سے شاہ میر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اُن کے چہرے پر فکر ہر گزرتے لمحے کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ ظہیر خان کے گزشتہ رات جیل سے فرار ہونے کے بعد سے ہی پورا پولیس ڈیپارٹمنٹ متحرک تھا، اور وہ خود بھی ایک لمحے کے لیے چین سے نہیں بیٹھے تھے۔

"نہیں سر۔"

شاہ میر نے احترام سے جواب دیا۔

"ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا۔ پولیس اسٹیشن کے ارد گرد اور اُن تمام راستوں کی سی سی ٹی وی فوٹیج چیک کر چکا ہوں، جہاں سے وہ باہر جا سکتا تھا۔ شہر کے مختلف مقامات کی ریکارڈنگ بھی دیکھ لی ہے، لیکن ابھی تک اُس کا کوئی نشان نہیں ملا۔"

اُس کی بات ختم ہوئی تو کمرے میں لمحہ بھر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

شہاب صاحب دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھے گہری سوچ میں کھڑے تھے۔ اُن کی پیشانی پر فکر کی لکیریں مزید نمایاں ہو گئی تھیں۔ اُنہیں نہ جانے کیوں دل مسلسل کسی بڑے حادثے کا اشارہ دے رہا تھا۔

اُسی لمحے اُن کے موبائل پر میسج کی آواز گونجی۔

اُنہوں نے فوراً فون نکالا۔

میسج صوفیہ کا تھا۔

اس میں ایک لوکیشن شیئر کی گئی تھی، ساتھ ہی مختصر الفاظ میں لکھا تھا کہ رامین اکیلے ظہیر خان کے بتائے ہوئے مقام کی طرف جا رہی ہے اور وہ بھی اُس کے ساتھ موجود ہے۔

میسج پڑھتے ہی شہاب صاحب کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"شاہ میر!"

اُن کی آواز پہلے سے کہیں زیادہ بلند اور سخت تھی۔

"جلدی تیاری کرو، پوری ٹیم کو ساتھ لو۔ ہمیں ابھی اسی وقت نکلنا ہو گا۔"

وہ ایک لمحہ رکے، پھر مضبوط لہجے میں بولے۔

"رامین کی جان خطرے میں ہے۔"

"یس سر!"

شاہ میر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ وہ تیزی سے باہر نکلا اور پوری فورس کو الرٹ کرنے لگا۔

چند ہی منٹوں میں پولیس اسٹیشن میں ہلچل مچ گئی۔ گاڑیوں کے انجن اسٹارٹ ہونے لگے، وائرلیس پر مسلسل ہدایات دی جا رہی تھیں، اور اہلکار مکمل اسلحے کے ساتھ اپنی اپنی پوزیشن سنبھال رہے تھے۔

شہاب صاحب نے صوفیہ کی بھیجی ہوئی لوکیشن پوری ٹیم کے ساتھ شیئر کی اور خود بھی پہلی گاڑی میں بیٹھ گئے۔

چند لمحوں بعد پولیس کی کئی گاڑیاں سائرن بجاتی ہوئی تیزی سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئیں۔

ہر گزرتا لمحہ شہاب صاحب کی بے چینی میں اضافہ کر رہا تھا۔

اُن کی نظریں بار بار سڑک پر تھیں، مگر دل ہر لمحہ رامین کے لیے دعا کر رہا تھا۔

"یا اللہ..."

اُنہوں نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔

"اس بار ہماری حفاظت فرما... ہماری بچی کو اپنی امان میں رکھنا۔"

اُن کے لبوں پر مسلسل دعا جاری تھی، جبکہ گاڑیاں پوری رفتار سے اُس مقام کی طرف بڑھ رہی تھیں... جہاں نہ جانے اُن کا کس منظر سے سامنا ہونے والا تھا۔

////////

تم یہی رہو، جب میں میسج کروں تب آنا۔" رامین نے سنجیدہ لہجے میں صوفیہ کو ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا۔

صوفیہ نے ایک لمحے کے لیے اُس کی طرف دیکھا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ ہر حال میں اُس کے ساتھ اندر جائے، مگر وہ جانتی تھی کہ اس وقت رامین سے بحث کرنا بے فائدہ تھا۔ یہی بہت بڑی بات تھی کہ رامین اُسے یہاں تک ساتھ لے آئی تھی۔ اُس نے خاموشی سے سر ہلایا اور گاڑی میں ہی بیٹھ گئی، مگر اُس کی نظریں مسلسل اُس دروازے پر جمی تھیں جہاں سے رامین اندر جا رہی تھی۔

رامین نے ایک گہرا سانس لیا اور اُس پرانی عمارت کے اندر قدم رکھ دیا۔

بلڈنگ کی حالت انتہائی خستہ حال تھی۔ دیواروں کا پلستر جگہ جگہ سے جھڑ چکا تھا، چھت سے لٹکتے مکڑیوں کے جالے، ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں سے اندر آتی ہوا کی سنسناہٹ، ہر طرف بکھرا زنگ آلود کباڑ، خالی ڈبے اور گرد کی موٹی تہہ... پوری فضا کسی ویران قبرستان کا منظر پیش کر رہی تھی۔ وہاں ایسی خاموشی تھی کہ رامین کے قدموں کی ہلکی سی آہٹ بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔

وہ پوری احتیاط سے ایک ایک قدم آگے بڑھا رہی تھی۔اُس کی کالی آنکھیں ہر کونے، ہر دروازے اور ہر سائے کا بغور جائزہ لے رہی تھیں۔اُس کا پورا وجود چوکنا تھا، جیسے اُسے معلوم ہو کہ خطرہ ہر طرف موجود ہے۔

"آگئی میری بھتیجی... جب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔"

اچانک پیچھے سے ظہیر خان کی بھاری اور زہریلی آواز گونجی۔

رامین فوراً پلٹی۔

ظہیر خان ایک نیم تاریک کمرے سے باہر نکل رہے تھے۔اُن کے ہاتھ میں پستول تھی اور چہرے پر ہمیشہ کی طرح غرور اور شیطانی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا، اس لیے نہیں آئی..." رامین نے نفرت بھری نگاہوں سے اُنہیں دیکھتے ہوئے کہا، "...آپ کو آپ کے انجام تک پہنچانے آئی ہوں۔"

اُس کی آواز میں خوف کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

ابھی اُس کے الفاظ ختم ہی ہوئے تھے کہ اچانک مختلف کمروں، ستونوں اور دیواروں کے پیچھے سے ایک ایک کر کے مسلح آدمی باہر نکلنے لگے۔چند لمحوں میں جو جگہ سنسان دکھائی دے رہی تھی، وہ ظہیر خان کے آدمیوں سے بھر چکی تھی۔ہر طرف بندوقوں کے دہانے صرف رامین کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

رامین نے نہایت سکون سے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ایک لمحے کے لیے اُس کی نظریں ہر چہرے پر پھریں، پھر اُس کے لبوں پر ایک مدھم مگر پُراعتماد مسکراہٹ ابھر آئی۔

اُس کی یہ مسکراہٹ دیکھ کر ظہیر خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"ہنس کیوں رہی ہو؟" وہ طنزیہ انداز میں بولے۔ "ڈر نہیں لگ رہا تمہیں؟"

رامین نے ہلکا سا سر ایک طرف جھکایا۔

"مجھے ڈر؟" اُس نے اُن کی بات دہرائی، پھر ہلکی سی ہنسی ہنس کر بولی، "کیسی باتیں کر رہے ہیں چچا جان... مجھے تو اس بات پر ہنسی آ رہی ہے کہ آپ کو، یعنی ظہیر خان کو، اپنی اس نازک سی بھتیجی سے اتنا ڈر لگ رہا ہے کہ آپ نے اتنے سارے لوگ بلا لیے۔ کیا ہوا... میرے بابا سے بھی اتنا ہی ڈرتے تھے آپ؟"

اُس کی آواز اگلے ہی لمحے سنجیدہ ہو گئی۔

"اور میری ماں سے بھی...؟ اتنا ڈرتے تھے نا کہ اپنے ہی بھائی کو مروا دیا... اور اُن کی بیوی اور معصوم بچی کے سر سے ہمیشہ کے لیے باپ کا سایہ چھین لیا۔"

ظہیر خان کے چہرے پر لمحہ بھر کو سختی آئی، مگر اگلے ہی لمحے وہ بے نیازی سے ہنس پڑے۔

"خانزادہ اسی قابل تھا۔ اُس نے تمہاری ماں سے شادی کر کے ہمارے خاندان کا نام خراب کیا تھا... اور یاد رکھو، میں کسی سے نہیں ڈرتا۔"

"واہ..." رامین نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ "اپنے خاندان سے باہر شادی کرنے پر اپنے ہی بھائی کو مروا دیتے ہیں، اُس کی بیوی اور بیٹی کی زندگی اجاڑ دیتے ہیں، معصوم بچوں کا سودا کرتے ہیں... اور پھر کہتے ہیں کہ خاندان کی عزت بچا رہے تھے۔ کتنے چہرے ہیں آپ کے، ظہیر خان؟ آخر کتنے؟" وہ ایک قدم آگے بڑھی۔

"کبھی سوچا... اگر دادا دادی کو یہ پتہ چل جاتا کہ اُن کے لاڈلے چھوٹے بیٹے نے ہی اُن کے بڑے بیٹے کا قتل کروایا تھا... تو اُن پر کیا گزرتی؟ شکر ہے وہ آج اپنی قبروں میں ہیں... ورنہ شاید شرمندگی ہی اُنہیں مار دیتی۔ اور اگر اُنہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ اُن کا بیٹا ایک ایسا انسان ہے جو معصوم زندگیوں کا سودا کرتا ہے... تو اُس دن واقعی اُن کے خاندان کی عزت مٹی میں مل جاتی۔"

"خاموش!" ظہیر خان غصے سے دہاڑے۔ "تمہیں یہاں اپنی بکواس سنانے کے لیے نہیں بلایا۔ تم نے میرے سارے کام تباہ کر دیے... اور اب تمہاری وجہ سے مجھے یہ ملک چھوڑنا پڑ رہا ہے۔ بڑا پیار ہے نا تمہارے انکل کو تم سے... اب دیکھتے ہیں، اپنی اس شہزادی بھتیجی کے لیے ایک مجرم کو رہا کرواتے ہیں یا نہیں۔"

"کبھی نہیں۔" رامین نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ ایسا کرنا بھی چاہیں، تو میں اُنہیں کبھی ایسا نہیں کرنے دوں گی۔ آپ جیسے انسان کے لیے اس دنیا میں کوئی رہائی نہیں ہے، ظہیر خان۔"

"اچھا..." ظہیر خان کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ ابھری۔ "تو یہاں سے نکلو گی کیسے، بھتیجی؟ کیا کوئی جادو کی چھڑی گھمائے گا تمہارے لیے؟"

مگر اُن کی حیرت اُس وقت مزید بڑھ گئی جب رامین کے چہرے کی مسکراہٹ ذرا بھی مدھم نہ ہوئی، جیسے اُسے پہلے ہی معلوم ہو کہ اگلے چند لمحوں میں کیا ہونے والا ہے۔

ابھی ظہیر خان کچھ اور کہتے، اُس سے پہلے ہی اچانک پوری عمارت گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔

دھائیں...! دھائیں...! دھائیں...!

چند ہی لمحوں میں ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ ظہیر خان کے آدمی جان بچانے کے لیے مختلف ستونوں، دیواروں اور ٹوٹے ہوئے کباڑ کے پیچھے چھپنے لگے۔ خود ظہیر خان بھی فوراً ایک ستون کی اوٹ میں ہو گئے۔

اور رامین...

وہ بھی حیران ہونے کے بجائے نہایت پھرتی سے قریب موجود مضبوط پلر کے پیچھے پوزیشن لے چکی تھی۔ اُس کے چہرے پر گھبراہٹ نہیں، بلکہ ایک پُراعتماد سکون تھا... جیسے اُسے اسی لمحے کا انتظار تھا۔

/////////

"تمہیں منع کیا تھا اندر آنے سے۔"

رامین نے سامنے موجود ضدی لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔اُس کی آواز میں غصہ کم اور فکر زیادہ تھی۔ مسلسل چلتی فائرنگ کے شور کے درمیان بھی اُس کی نظر صرف صوفیہ پر تھی، جو اُس کی ہدایت کے برخلاف اندر آچکی تھی اور اپنی فائرنگ سے ظہیر خان کے آدمیوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ چکی تھی۔ صوفیہ نے پلر کی اوٹ سے جھانکتے ہوئے ایک اور فائر کیا، پھر مسکراتے ہوئے رامین کی طرف دیکھا۔

"سینئر، میں نے بھی تو کہا تھا... آپ کو اکیلا نہیں چھوڑوں گی۔"

اُس کے لہجے میں ضد بھی تھی، اعتماد بھی، اور اپنی سینئر کے لیے بے حد وفاداری بھی۔

رامین بے اختیار سر ہلا کر ہلکا سا مسکرائی۔

"وہ تو ٹھیک ہے... لیکن اب ہم اُن کا مقابلہ کیسے کریں گے؟" اُس نے ارد گرد کا ایک بار پھر جائزہ لیتے ہوئے کہا۔"وہ کل بیس لوگ ہیں... اور سب کے پاس جدید اسلحہ ہے۔ جبکہ ہم صرف دو ہیں... اور ہمارے پاس صرف دو بندوقیں۔"

اُس کی نظریں ایک لمحے کے لیے ہر کونے پر گھومیں۔ وہ ہر راستہ، ہر ستون اور ہر ممکن خطرے کا اندازہ لگا رہی تھی۔اُس کا دماغ گولیوں کی رفتار سے بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"پریشان نہ ہوں سینئر۔" صوفیہ نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔"ہمیں زیادہ دیر نہیں لڑنا... صرف اتنا وقت نکالنا ہے کہ ہماری ٹیم یہاں پہنچ جائے۔"

رامین نے اُس کی طرف دیکھا... پھر اُس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہیں کیا لگتا ہے... میں یہ نہیں جانتی تھی؟"

صوفیہ چند لمحوں کے لیے اُسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی، پھر اچانک اُس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اوہ... اب سمجھ آیا!" وہ بے اختیار بولی۔ "آپ اتنی بے فکر کیوں تھیں... آپ کو پہلے ہی پتہ تھا کہ میں شہاب سرکولوکیشن بھیج چکی ہوں۔"

"آخر تمہیں میں یہاں کیوں لائی ہوں، شہزادی؟" رامین نے ہلکے سے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "اب ذرا دیکھتے ہیں... اتنے عرصے میں تم نے مجھ سے سیکھا بھی ہے یا صرف میری باتیں ہی سنتی رہی ہو۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنی یونیفارم سے پستول نکالی۔ اگلے ہی لمحے اُس نے جیب سے سفید رنگ کے پاؤڈر کے دو چھوٹے پیکٹ نکالے اور ایک صوفیہ کی طرف اچھال دیا۔

صوفیہ نے فوراً اُسے ہوا میں ہی پکڑ لیا۔

"یہ تمہارے کام آئے گا۔" رامین نے اپنی نظر سامنے جمائے ہوئے کہا۔ "اگر کوئی بہت قریب آ جائے... یا خدانخواستہ گولیاں ختم ہو جائیں... تو اسے اُن کی آنکھوں میں پھینک دینا۔ چند سیکنڈ بھی مل گئے... تو وہی ہماری جیت ہوں گے۔"

صوفیہ نے سر ہلا کر پیکٹ جیب میں رکھ لیا۔

اُدھر ظہیر خان کے آدمی مسلسل فائرنگ کر رہے تھے۔ گولیاں دیواروں، ستونوں اور لوہے کے ڈبوں سے ٹکرا کر چنگاریاں اڑا رہی تھیں۔ گرد اور بارود کی بو سے پوری عمارت بھر چکی تھی، جبکہ ہر طرف گولیوں کی گونج خوفناک ماحول پیدا کر رہی تھی۔

رامین نے پلر کی اوٹ سے جھانک کر نشانہ لیا۔

دھائیں...!

سامنے موجود ایک آدمی زمین پر آ گرا۔

"کور!"

اُس کے کہتے ہی صوفیہ فوراً دوسری طرف سے نکل کر فائر کرنے لگی۔

دھائیں...دھائیں...!

دونوں نہایت مہارت کے ساتھ ایک دوسرے کو کور دیتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ کبھی ایک فائر کرتی تو دوسری اپنی جگہ بدل لیتی۔ کبھی صوفیہ دشمن کی توجہ اپنی طرف کھینچتی تو رامین خاموشی سے دوسرا نشانہ گرا دیتی۔

چند ہی منٹوں میں ظہیر خان کے کئی آدمی زمین پر بے جان پڑے تھے۔

یہ سب دیکھ کر ظہیر خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"خانزادہ...!" وہ پوری قوت سے دھاڑا۔ "باہر نکلو!"

رامین نے پلر کی اوٹ سے ہی آواز بلند کی۔

"چچا جان... آپ کے لیے ایک گولی الگ بچا کر رکھی ہے۔ فکر نہ کریں... آپ کی باری سب سے آخر میں آئے گی۔"

اُس کے طنزیہ لہجے نے ظہیر خان کے غصے میں مزید آگ لگا دی۔

"رامین!" وہ غرایا۔ "آج تم زندہ واپس نہیں جاؤ گی!"

"یہ فیصلہ آپ نہیں..." رامین نے ایک اور فائر کرتے ہوئے کہا، "... قانون کرے گا!"

اسی لمحے باہر سے یکے بعد دیگرے کئی پولیس گاڑیوں کے سائرن کی آوازیں پورے علاقے میں گونج اٹھیں۔

ووں... ووں... ووں...

یہ آواز سنتے ہی رامین اور صوفیہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

دونوں کے چہروں پر ایک پُراعتماد مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لگتا ہے..." رامین نے بندوق دوبارہ لوڈ کرتے ہوئے کہا، "مہمان آ گئے ہیں۔"

اور دوسری طرف پہلی بار ظہیر خان کے چہرے پر گھبراہٹ واضح دکھائی دینے لگی۔

//////////

شہاب صاحب اور شاہ میر اپنی پوری ٹیم کے ساتھ عمارت کے اندر داخل ہوئے تھے۔اُن کے بھاری بوٹوں کی آواز سنسان عمارت میں گونج رہی تھی۔ہر طرف اسلحے کا رخ ظہیر خان اور اُس کے آدمیوں کی طرف تھا۔بارود کی بو ابھی تک فضا میں گھلی ہوئی تھی، جبکہ زمین پر بکھری لاشیں اس خوفناک مقابلے کی گواہی دے رہی تھیں۔

رامین اور صوفیہ بھی آہستہ آہستہ اُن کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئیں۔دونوں کی سانسیں ابھی تک تیز چل رہی تھیں، مگر اُن کے چہروں پر خوف نہیں، عزم صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ظہیر خان کے جو آدمی زندہ بچ گئے تھے، وہ خاموش کھڑے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔اُن کے ہاتھوں میں موجود بندوقیں اب پہلے جیسی طاقت کا احساس نہیں دلا رہی تھیں۔

"ظہیر خان... سرنڈر کر دو، ورنہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

شہاب صاحب کی گرج دار آواز پوری عمارت میں گونجی۔

ظہیر خان نے نفرت سے اُن کی طرف دیکھا، پھر طنزیہ انداز میں ہنسا۔

"میں... تم لوگوں کے سامنے کبھی سرنڈر نہیں کروں گا۔"

"تو پھر اپنے انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

شہاب صاحب نے بھی اُسی سخت لہجے میں جواب دیا۔

"دیکھ کیا رہے ہو؟ حملہ کرو!"

ظہیر خان غصے سے اپنے باقی ماندہ آدمیوں پر چلایا۔

مگر اگلے ہی لمحے ایسا ہوا جس کی اُس نے کبھی توقع نہیں کی تھی۔

ایک ایک کر کے سب نے اپنی بندوقیں زمین پر ڈال دیں۔

ٹھک... ٹھک... ٹھک...

لوہے کی بندوقوں کے فرش سے ٹکرانے کی آواز پورے ہال میں پھیل گئی۔

ظہیر خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

تبھی پچھلے دروازے سے امجد اندر آیا۔اُس کے چہرے پر پہلی بار سکون تھا۔

"بس ظہیر خان... بہت ہو گیا۔"

وہ آہستہ آہستہ اُس کے سامنے آ کر رکا۔

"آپ کی ہوس پوری کرنے کے لیے بہت سے معصوم لوگ اپنی جانیں گنوا چکے... اب مزید کوئی نہیں مرے گا۔"

"تم... غدار!"

ظہیر خان غصے سے دہاڑا۔

"تو تم تھے میری ہر خبر پولیس تک پہنچانے والے! میں تو اپنے ہی آستین میں سانپ پال رہا تھا۔"

"ہاں... میں ہی تھا۔"

امجد نے بے خوفی سے جواب دیا۔

"اور سچ کہوں... تو آپ سے بڑا بے وقوف میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اپنے ہی وفاداروں کو ایک ایک کر کے موت کے منہ میں دھکیلتے رہے... اور آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔ افسوس آتا ہے آپ پر۔"

ظہیر خان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اُس کی رگیں تن گئی تھیں۔

رامین نے چند قدم آگے بڑھائے۔

"چلیں چچا جان... اب ضد چھوڑ دیں۔ آپ کا وقت ختم ہو چکا ہے۔"

ظہیر خان بے اختیار چند قدم پیچھے ہٹا۔

"میں مر جاؤں گا... لیکن تم لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا!"

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے ایک ستون کے پیچھے جا چھپا اور زمین پر پڑی اپنے ایک آدمی کی بندوق اٹھالی۔

"ظہیر خان!" شہاب صاحب نے دوبارہ وارن کیا۔

"اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ ہمیں انکاؤنٹر کرنا پڑے گا!"

"کر لو، شہاب!"

ظہیر خان غرایا۔

"جو کرنا ہے... کر لو!"

اگلے ہی لمحے اُس نے بندوق سیدھی رامین کی طرف تان دی۔

دھائیں...!!

سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ کسی کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔

گولی سیدھی رامین کے سینے کی طرف بڑھ رہی تھی...

مگر عین وقت پر شہاب صاحب نے پوری قوت سے رامین کو پیچھے دھکیل دیا۔

گولی اُن کے بازو کو چیرتی ہوئی گزر گئی۔

"سر!"

رامین کی چیخ پورے ہال میں گونج اٹھی۔

شہاب صاحب لڑکھڑا گئے، اور اُن کے بازو سے خون تیزی سے بہنے لگا۔

رامین فوراً انہیں سنبھالتے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی۔اُس کے ہاتھ خون سے رنگنے لگے تھے۔

مگر ظہیر خان ابھی بھی نہیں رکا۔

اُس نے دوبارہ بندوق رامین کی طرف اٹھالی۔

"سینئر...!!"

صوفیہ پوری قوت سے چیخی۔

رامین نے بجلی کی سی پھرتی سے خود کو ایک طرف گرایا، اور اُسی لمحے دوڑتے ہوئے ظہیر خان تک پہنچ گئی۔

تب تک اُس کی بندوق کی آخری گولی بھی چل چکی تھی۔

اب بندوق خالی تھی۔

رامین نے پل بھر کی دیر کیے بغیر اپنی پستول اُس کی کنپٹی پر رکھ دی۔

پورے ہال میں خاموشی چھا گئی۔

صرف سب کی تیز سانسوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

ظہیر خان نے پہلی بار اُس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"تم... مجھے مار دو گی، بھتیجی؟"

رامین کی آنکھوں میں برسوں کا درد، نفرت اور اداسی ایک ساتھ اتر آئی۔

وہ آہستہ سے اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھی۔

"بالکل..."

اُس کی آواز حیرت انگیز حد تک پُر سکون تھی۔

"... بالکل اُسی طرح... جیسے آپ نے مجھ سے میرے ماں باپ چھین لیے تھے۔"

ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ٹکرائیں۔

پھر...

دھائیں...!!

گولی سیدھی ظہیر خان کے سر میں لگی۔

اُس کا جسم بے جان ہو کر زمین پر گر گیا۔

سرخ خون کے گرم چھینٹے رامین کے چہرے پر آ گرے۔

اُس نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

چند لمحے وہ ویسے ہی بیٹھی رہی...

پھر آہستہ سے اپنے چہرے پر لگا خون صاف کیا اور ایک آخری نظر ظہیر خان کی لاش پر ڈالی۔

"آپ... صرف اسی انجام کے لائق تھے۔"

یہ کہہ کر وہ فوراً پلٹی۔

"سر!"

وہ دوڑتی ہوئی شہاب صاحب کے پاس پہنچی، جن کے بازو سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔

"شاہ میر...!"

اُس کی آواز میں پہلی بار گھبراہٹ نمایاں تھی۔

شاہ میر فوراً اُن کے پاس آیا، ایک نظر زخم پر ڈالی اور سنجیدگی سے بولا،

"انہیں فوراً ہسپتال لے جانا ہو گا۔ایمبولینس آچکی ہے۔"

پھر اُس نے باقی افسران کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ سر کے ساتھ جاؤ۔ یہاں کا سارا کام میں سنبھال لیتا ہوں۔"

رامین اور صوفیہ نے مل کر شہاب صاحب کو سہارا دیا اور جلدی سے ایمبولینس کی طرف لے گئیں، جبکہ شاہ میر اپنی ٹیم کے ساتھ خاموشی سے اُس خونی میدان کو سمیٹنے میں لگ گیا، جہاں آخر کار برسوں پرانا ایک باب ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا تھا۔

//////////

اس وقت وہ ہسپتال کے سرد اور خاموش کوریڈور میں بینچ پر بیٹھی تھی۔ سامنے آئی سی یو کا دروازہ بند تھا، جس کے اوپر جلتی ہوئی سرخ بتی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اُس کی بے چینی میں اضافہ کر رہی تھی۔ فضا میں دواؤں کی مخصوص بو رچی ہوئی تھی، جبکہ مشینوں کی مدھم آوازیں دل پر عجیب سا بوجھ ڈال رہی تھیں۔

رامین کی نظریں مسلسل آئی سی یو کے دروازے پر جمی تھیں، مگر اُس کی آنکھیں جیسے کچھ دیکھ ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ جسمانی طور پر یہاں تھی، مگر ذہنی طور پر برسوں پیچھے اپنے ماضی میں بھٹک رہی تھی۔

فرحین صاحبہ کو اطلاع مل چکی تھی، اور وہ بھی آ کر اُس کے پاس بیٹھی تھیں۔ صوفیہ نے گھر پر بھی سب کچھ بتا دیا تھا، جس کے بعد ارسم اور رومان بھی فوراً ہسپتال پہنچ گئے تھے۔ زوہان ابراہیم صاحب کے پاس گھر پر تھا۔

ارسم نے جیسے ہی رامین کا چہرہ دیکھا، اُس کا دل بے اختیار سہم گیا۔ آنکھیں سرخ تھیں، چہرہ زرد پڑ چکا تھا، اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کئی گھنٹوں میں نہیں، بلکہ کئی برسوں میں بوڑھی ہو گئی ہو۔

وہ خاموشی سے اُس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"رامین... تم ٹھیک ہو؟"

اُس کی آواز میں بے حد نرمی اور فکر تھی۔

رامین آہستہ سے اُس کی طرف مڑی۔

اُس کی کالی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، مگر اُن میں درد برسوں پرانا تھا۔

"میں صرف نو سال کی تھی..." اُس نے دھیرے سے بولنا شروع کیا، "...جب میں نے اپنی ماما کو اپنی آنکھوں کے سامنے زندہ لاش بنتے دیکھا۔"

اُس کی آواز بھرانے لگی۔

"پھر... میں نے اپنے بابا کی لاش دیکھی۔ اُس دن میرے لیے سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔"

وہ چند لمحے خاموش ہوئی، جیسے ہر لفظ کے ساتھ ایک زخم دوبارہ تازہ ہو رہا ہو۔

"پھر ہمیں گھر سے بھی نکال دیا گیا... ارسم، سر سے چھت چھن جائے تو کیسا لگتا ہے؟ آپ جانتے ہیں؟"

اُس نے نم آنکھوں سے ارسم کی طرف دیکھا۔

ارسم کے پاس اُس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

وہ صرف خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا، کیونکہ بعض دردوں کا جواب لفظ نہیں، صرف ساتھ ہوتا ہے۔

"پھر ماما مجھے یہاں لے آئیں..." رامین کی نظریں کہیں دور کھو گئیں۔

"میں عنایا سے ملی... اُس نے مجھے جینا سکھایا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ زندگی صرف سانس لینے کا نام نہیں ہوتی..."

اُس کے لب کانپ گئے۔

"... پھر ماما بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔"

اب اُس کے آنسو بے اختیار بہنے لگے تھے۔

"انکل... آنٹی... اور عنایا..."

وہ ہلکا سا مسکرائی، مگر وہ مسکراہٹ بھی درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"... میری پوری دنیا یہی لوگ تھے۔ عنایا میری دوست نہیں تھی... وہ میری بہن تھی... میرا گھر تھی... میری ہر خوشی تھی۔"

اُس نے اپنی بھیگی پلکیں بند کر لیں۔

"اور جب میں یہاں نہیں تھی... تب اُس کے ساتھ اتنا سب کچھ ہو گیا۔ وہ بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی..."

اُس کی آواز ٹوٹ گئی۔

"...اور آج انکل اس حالت میں ہیں... تو اُس کی وجہ بھی میں ہوں۔"

وہ بے بسی سے ارسم کو دیکھنے لگی۔

"ارسم... کیا میں واقعی اتنی بری ہوں؟"

اُس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

"میں جس سے بھی محبت کرتی ہوں... اُسے صرف تکلیف ہی ملتی ہے۔"

یہ کہتے ہی اُس کا ضبط آخر کار ٹوٹ گیا۔

ارسم نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

اُس نے آہستگی سے رامین کا کانپتا ہوا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

اُس کے ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈے تھے۔

"رامین..."

اُس کی آواز پہلے سے بھی زیادہ نرم تھی۔

"تم بہت اچھی ہو... شاید اسی لیے سب تم سے اتنی محبت کرتے ہیں۔"

وہ اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور تمہاری وجہ سے کسی کو تکلیف نہیں ہوئی۔ ہر انسان کو اپنے حصے کی آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"یہی بات تو تم نے ایک دن مجھے سمجھائی تھی..."

پھر اُس نے نہایت نرمی سے اپنے انگوٹھے سے رامین کے گال پر بہتے آنسو صاف کیے۔

"اب خود کو بھی معاف کر دو، رامین۔"

وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر دھیرے سے بولا،

"تمہاری کبھی کوئی غلطی نہیں تھی... نہ پہلے... نہ آج۔"

"شاید ہماری قسمت میں یہی لکھا تھا، اور انسان اپنی قسمت سے بھاگ نہیں سکتا۔"

رامین خاموشی سے اُس کی باتیں سنتی رہی۔

پتہ نہیں کیوں...

مگر آج پہلی بار اُس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا محسوس ہوا۔

ارسم نے ماحول بدلنے کے لیے اُس کی سرخ ہوئی ناک کو ہلکے سے چھوا۔

"اور ہاں..."

اُس نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا۔

"انکل کے سامنے ایسے روتے ہوئے مت جانا... ورنہ وہ خود ہی پریشان ہو جائیں گے۔"

رامین کی بھیگی ہوئی آنکھوں میں ہلکی سی مسکراہٹ اُبھری۔

وہ کچھ بول نہ سکی، بس آہستہ سے سر ہلا دیا۔

اسی لمحے آئی سی یو کا دروازہ کھلا۔

سب ایک ساتھ چونک کر کھڑے ہو گئے۔

ڈاکٹر باہر آئے تو سب کی نظریں بے اختیار اُن پر جم گئیں۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ اب بالکل خطرے سے باہر ہیں۔ ہم اُنہیں روم میں شفٹ کر رہے ہیں، پھر آپ سب اُن سے مل سکتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی جیسے سب کے سینوں سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا۔

رامین نے بے اختیار آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا۔

اُس کی آنکھوں سے اس بار سکون کے آنسو بہہ نکلے۔

اگلے ہی لمحے وہ دوڑ کر فرحین صاحبہ کے گلے لگ گئی۔

"آئی ایم سوری، آنٹی..."

اُس کی آواز رندھ گئی۔

"مجھے معاف کر دیں..."

فرحین صاحبہ نے اُس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور اُسے اپنے سینے سے مزید لگا لیا۔

"نہیں، میری جان..."

اُن کی آواز ماں جیسی شفقت سے بھری ہوئی تھی۔

"تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے۔"

وہ اُس کے ماتھے کو چومتے ہوئے بولیں،

"اب خود کو مزید سزا دینا بند کر دو... اور بالکل بھی پریشان مت ہونا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا، اِن شاء اللہ۔"

////////

شہاب صاحب کو آئی سی یو سے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ خطرہ ٹل چکا تھا، مگر اُن کے بازو پر بندھی سفید پٹی ابھی بھی چند لمحے پہلے گزرے خوفناک واقعے کی گواہی دے رہی تھی۔

ایک ایک کر کے سب اُن سے ملنے آئے تھے۔ کسی نے اُن کی خیریت دریافت کی، کسی نے دعا دی، اور کسی نے سکون کا سانس لیا۔ کچھ دیر بعد فرحین صاحبہ بھی ڈاکٹر سے بات کرنے کے لیے باہر چلی گئیں۔

اب کمرے میں صرف دو لوگ رہ گئے تھے...

شہاب صاحب...

اور رامین۔

رامین اُن کے بیڈ کے بالکل قریب رکھی کرسی پر خاموش بیٹھی تھی۔اُس کے دونوں ہاتھ آپس میں جڑے ہوئے تھے، نظریں جھکی ہوئی تھیں اور چہرے پر عجیب سی خاموشی چھائی تھی، جیسے وہ اب بھی خود کو اس سب کا ذمہ دار سمجھ رہی ہو۔

شہاب صاحب کافی دیر سے اُسے خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

آخر کار اُنہوں نے نرمی سے اُسے پکارا۔

"رامین..."

وہ چونکی نہیں، مگر آہستہ سے اُن کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بچے... میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

اُنہوں نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"ادھر میری طرف دیکھو۔"

رامین نے آہستہ سے سر اٹھایا۔

اُس کی کالی آنکھیں مسلسل رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں۔

"آپ نے ایسا کیوں کیا، انکل؟"

اُس کی آواز کانپ گئی۔

"اگر آپ کو کچھ ہو جاتا... تو میں خود سے کیسے نظریں ملاتی؟"

چند آنسو بے اختیار اُس کے گالوں پر بہہ نکلے۔

"آنٹی کو کیا جواب دیتی؟"

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"میرے لیے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی آپ نے؟"

شہاب صاحب نے محبت سے اُس کی طرف دیکھا، پھر آہستہ سے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"اگر تمہاری جگہ عنایا ہوتی..."

وہ چند لمحے رکے۔

"...تو بھی میں یہی کرتا۔"

رامین کی پلکیں لرز اٹھیں۔

"رامین، میں نے صرف تمہیں بیٹی کہا نہیں ہے..."

اُنہوں نے اُس کا ہاتھ ہلکا سا دباتے ہوئے کہا۔

"...تم واقعی میری بیٹی ہو۔"

اُن کی آنکھوں میں بھی نمی اتر آئی تھی۔

"اور کوئی بھی باپ... اپنے بچے کو اپنی آنکھوں کے سامنے خطرے میں کیسے چھوڑ سکتا ہے؟"

اُنہوں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں ایک بیٹی کو پہلے ہی کھو چکا ہوں..."

یہ کہتے ہوئے اُن کی آواز بھی بھر گئی۔

"...دوسری بیٹی کو کھونے کا حوصلہ مجھ میں نہیں ہے۔"

یہ سن کر رامین کا ضبط جواب دے گیا۔

وہ بچوں کی طرح رونے لگی۔

"انکل..."

وہ مشکل سے بول پائی۔

"اور اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو؟"

اُس نے نم آنکھوں سے اُنہیں دیکھا۔

"پھر آپ کی یہ بیٹی کیا کرتی؟"

اُس کی آواز میں بے بسی صاف جھلک رہی تھی۔

"مجھے تو ہمیشہ آپ کی ضرورت رہے گی۔"

اُس نے اُن کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

"بچوں کو اپنے ماں باپ کی ضرورت کبھی ختم نہیں ہوتی نا..."

شہاب صاحب کی آنکھوں میں محبت بھر آئی۔

اُنہوں نے شفقت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا، بالکل ویسے جیسے ایک باپ اپنی بیٹی کو دلاسہ دیتا ہے۔

"میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں، بیٹا۔"

اُنہوں نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"چاہے حالات جیسے بھی ہوں..."

پھر اُنہوں نے کچھ لمحے خاموش رہ کر اُسے غور سے دیکھا۔

"لیکن اب ایک بات بتاؤ۔"

رامین نے سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا۔

"اپنی زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

اُن کے سوال پر رامین چند لمحوں کے لیے خاموش رہ گئی۔

وہ حیرت سے اُنہیں دیکھنے لگی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، انکل..."

اُس نے دھیرے سے پوچھا۔

"...مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

شہاب صاحب کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ اُبھری۔

"یہ زندگی تمہاری ہے، بیٹا۔"

اُنہوں نے نہایت اطمینان سے کہا۔

"فیصلہ بھی تمہارا ہونا چاہیے۔"

وہ چند لمحے رکے، پھر محبت سے بولے،

"وہی راستہ چنو جس میں تمہیں سکون ملے، خوشی ملے۔"

"ہر وقت دوسروں کے بارے میں سوچتے سوچتے انسان خود کو کھو دیتا ہے۔"

اُنہوں نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا..."

اُن کی آواز پہلے سے بھی زیادہ نرم ہو گئی۔

"تمہارے انکل اور آنٹی ہر حال میں تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے۔"

رامین خاموشی سے اُنہیں دیکھتی رہی۔

اُن کے لفظ جیسے اُس کے دل کی کسی بند کھڑکی پر دستک دے رہے تھے۔

وہ کچھ نہ بولی...

بس اپنی سوچوں میں کہیں بہت دور گم ہو گئی۔

//////////

شہاب صاحب کو دو دن بعد ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ان دو دنوں میں رامین ایک لمحے کے لیے بھی اُن سے اور فرحین صاحبہ سے الگ نہیں ہوئی تھی۔صوفیہ اور رومان روز زوہان کو اُس کے پاس لے آتے،اور ننھا زوہان پورا دن اُس کی گود،اُس کی بانہوں اور اُس کی مسکراہٹوں میں گزارتا۔جیسے وہ بھی جانتا ہو کہ اُس کی ماں کو اس وقت اُس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

اب شہاب صاحب کی طبیعت پہلے سے کافی بہتر تھی،اس لیے رامین بھی واپس ابراہیم ہاؤس آ گئی تھی۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں موجود تھی۔

کمرے میں عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔کھڑکی سے آتی شام کی مدھم روشنی پورے کمرے میں پھیل رہی تھی،جبکہ ہلکی ہلکی ہوا پردوں کو آہستگی سے ہلا رہی تھی۔

آج اُسے ایک فیصلہ کرنا تھا...

ایسا فیصلہ،جو صرف اُس کی زندگی ہی نہیں،کئی اور دلوں کی زندگی بھی بدلنے والا تھا۔

اُس کا سوٹ کیس اب بھی ویسے ہی سائیڈ ڈراور کے پاس رکھا تھا،جیسے اُس دن رکھا گیا تھا۔نہ اُس نے اسے کھولا تھا،نہ ہی اُس میں سے کچھ نکالا تھا۔

بیڈ پر زوہان سکون سے سو رہا تھا۔اُس کی ننھی ننھی سانسیں اور معصوم چہرہ دیکھ کر رامین کے ہونٹوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اُس کی نظریں آہستہ آہستہ پورے کمرے میں گھومنے لگیں۔

پھر اُس کے ذہن میں وہ دن تازہ ہو گیا...

جب وہ پہلی بار اس گھر میں آئی تھی۔

پہلی ملاقات...

پہلی بحث...

پہلی غلط فہمیاں...

عنایا...

ارسم...

زوہان...

سب کچھ ایک فلم کی طرح اُس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا۔

اُس نے بے اختیار سوٹ کیس کی طرف قدم بڑھائے۔

شاید آج واقعی جانے کا وقت آ گیا تھا...

یا شاید...

یہیں رک جانے کا۔

وہ ابھی سوٹ کیس کے قریب پہنچی ہی تھی کہ دروازہ آہستگی سے کھلا۔

رامین نے پلٹ کر دیکھا۔

دروازے پر ارسم کھڑا تھا۔

اُن دونوں کی نظریں ملیں تو چند لمحوں کے لیے وقت جیسے وہیں تھم گیا۔

ارسم خاموشی سے اُس کے قریب آیا اور اُس کے بالکل سامنے آکر رک گیا۔

"تو تم نے سوچ لیا ہے..."

اُس نے اپنی گہری نیلی آنکھیں رامین کی کالی آنکھوں میں ڈالتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔

"...کہ تم نے کیا کرنا ہے؟"

رامین نے چند لمحے خاموش رہ کر اُسے دیکھا، پھر نظریں ہٹا کر عنایا کی تصویر کی طرف دیکھنے لگی، جو ہمیشہ کی طرح دیوار پر مسکرا رہی تھی۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے، ارسم..."

اُس نے آہستہ سے کہا۔

"یہ جگہ کبھی میری تھی ہی نہیں۔"

ارسم نے بھی اُس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

عنایا کی تصویر...

پھر اُس نے دوبارہ رامین کو دیکھا۔

اس بار اُس کی آواز پہلے سے زیادہ نرم تھی۔

"مت جاؤ، رامین۔"

رامین نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

وہ چند لمحے خاموش رہا، جیسے اپنے دل کے سارے بند دروازے ایک ایک کر کے کھول رہا ہو۔

پھر اُس نے دھیرے سے کہا،

"زوہان کے لیے..."

چند لمحے رکا۔

"اس گھر کے لیے..."

اور آخر میں اُس کی آواز بھر گئی۔

"...اور میرے لیے۔"

رامین کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔

وہ خاموشی سے اُسے سنتی رہی۔

"رامین..."

ارسم نے گہرا سانس لیا۔

"میں عنایا سے بہت محبت کرتا ہوں..."

اُس کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جس میں یادوں کا درد شامل تھا۔

"اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔"

وہ چند لمحے عنایا کی تصویر کو دیکھتا رہا۔

"کچھ لوگ زندگی میں آکر ہمیں محبت کا مطلب سکھا جاتے ہیں۔"

"عنایا میری زندگی میں سکون لے کر آئی تھی۔"

"میں ایک لاابالی سا لڑکا تھا...اُس کی محبت نے مجھے ایک بہتر انسان بنا دیا۔"

اُس کی آواز آہستہ آہستہ بوجھل ہونے لگی۔

"پھر وہ چلی گئی..."

"اور اُس کے بعد میں بھی کہیں کھو گیا تھا۔"

"سانسیں تو چل رہی تھیں..."

"لیکن زندگی صرف زوہان کے لیے باقی رہ گئی تھی۔"

اُس نے رامین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا،

"پھر تم آئیں۔"

"اور مجھے سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ کوئی لڑکی... کسی اور کی اولاد سے اتنی محبت کیسے کر سکتی ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"لیکن اب سمجھ آیا..."

"عنایا تمہارے بارے میں بالکل صحیح کہتی تھی۔"

"وہ جانتی تھی کہ تم اُس کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہو..."

"اُس کی ہر امانت کی حفاظت کرو گی..."

"اور تم نے کر دکھایا۔"

اُس نے زوہان کی طرف دیکھا، جو سکون سے سو رہا تھا۔

"تم صرف زوہان کے دل میں نہیں..."

"اس گھر کے ہر فرد کے دل میں اپنی جگہ بنا چکی ہو۔"

پھر اُس نے اپنا ہاتھ اپنے دل پر رکھا۔

"اور..."

وہ چند لمحے خاموش رہا۔

"یہ بات اب میں مزید جھٹلا نہیں سکتا..."

"تم میرے لیے بہت ضروری ہو، رامین۔"

اُس کی آواز میں پہلی بار مکمل اعتراف تھا۔

"مجھے تمہاری عادت ہو گئی ہے۔"

"تم نے اپنی جگہ بنالی ہے..."

اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔

"...یہاں۔"

رامین کی پلکوں سے آنسو خاموشی سے بہنے لگے۔

وہ کچھ بول نہ سکی۔

ارسم نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا۔

"مسز رامین ارسم ابراہیم..."

اُس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔"

"میں اب تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔"

رامین نے اُس کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو دیکھا۔

پھر اُس کی آنکھوں میں۔

اور اگلے ہی لمحے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ کو اُس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

ارسم نے فوراً اُس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

اگلے ہی لمحے رامین خود کو اُس کے سینے سے لگائے کھڑی تھی۔

جیسے برسوں کی بے چینی کو آخر کار ایک محفوظ پناہ مل گئی ہو۔

ارسم نے محبت سے اُس کے آنسو صاف کیے۔

پھر اُس کے ماتھے پر اپنی محبت کی پہلی مہر ثبت کی۔

"اب جانے کی کوشش بھی مت کرنا..."

اُس نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"...ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، آفیسر صاحبہ۔"

رامین ہنستے ہوئے، مگر بھیگی پلکوں کے ساتھ سر نفی میں ہلانے لگی۔

"کبھی نہیں..."

اُس نے دھیرے سے کہا۔

"اب اگر زبردستی بھی نکالیں گے..."

وہ مسکرائی۔

"...تو بھی کہیں نہیں جاؤں گی۔"

ارسم بھی مسکرادیا۔

اُسی لمحے بیڈ پر لیٹا زوہان جاگ گیا۔

اُس نے پہلے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے دونوں کو دیکھا...

پھر اچانک ایک زوردار قہقہہ لگادیا۔

اُس کی معصوم ہنسی نے کمرے کی ساری خاموشی کو خوشیوں میں بدل دیا۔

رامین اور ارسم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا...

اور بے اختیار مسکرادیے۔

پھر دونوں ایک ساتھ زوہان کے پاس گئے۔

رامین نے اُسے گود میں اٹھایا، جبکہ ارسم نے اُس کی ننھی سی ناک دباتے ہوئے اُسے ہنسانا شروع کر دیا۔

کمرے میں اب صرف ایک ہی آواز گونج رہی تھی...

ننھے زوہان کی بے فکر ہنسی...

اور اُن تینوں کے درمیان ایک نئے، مکمل اور ہمیشہ کے لیے جڑ جانے والے رشتے کی خاموش خوشبو۔

//////////

دو مہینے بعد

وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا...

وہ ہر زخم پر آہستہ آہستہ مرہم رکھ دیتا ہے، ہر دکھ کی شدت کم کر دیتا ہے، اور ایک دن انسان خود کو وہاں کھڑا پاتا ہے جہاں کبھی پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

یہ دو مہینے بھی اسی خاموش رفتار سے گزر گئے تھے۔

اب ابراہیم ہاؤس میں خاموشیاں نہیں، ہنسی کی آوازیں گونجا کرتی تھیں۔ ہر کمرے میں زندگی لوٹ آئی تھی۔ صوفیہ اور رامین نے مل کر پورے گھر کی ترتیب بدل دی تھی۔ پردوں کے رنگوں سے لے کر دیواروں کی سجاوٹ تک، ہر چیز میں ایک نئی تازگی اور اپنائیت محسوس ہوتی تھی۔

ابراہیم صاحب اب اپنی ساری دنیا اپنے بیٹوں، بہوؤں اور سب سے بڑھ کر اپنے ننھے پوتے زوہان کے گرد گھومتے دیکھتے تھے۔ اُن کے چہرے پر اب اکثر وہ مسکراہٹ رہتی تھی، جو کبھی بہت کم دکھائی دیتی تھی۔

زوہان اب دس ماہ کا ہو چکا تھا۔

اب وہ صرف مسکراتا ہی نہیں تھا، بلکہ اپنی ننھی ننھی شرارتوں سے پورے گھر کو سر پر اٹھائے رکھتا تھا۔ کبھی رینگتے ہوئے کسی کے کمرے میں پہنچ جاتا، کبھی کسی کی چیز اٹھا لیتا، تو کبھی اپنی معصوم ہنسی سے سب کی تھکن دور کر دیتا۔

صوفیہ اور رومان تو جیسے روز ایک نیا مشن لے کر آتے تھے کہ آج زوہان کو کیا نیا سکھانا ہے، اور پورا گھر اُن دونوں کی حرکتیں دیکھ کر ہنستا رہتا تھا۔

اسی دوران...

رامین اپنے کمرے میں موجود تھی۔

وہ الماری صاف کر رہی تھی۔ کئی دنوں سے اُس کا ارادہ تھا کہ آج پورا کمرہ اچھی طرح ترتیب دے گی۔

کپڑے سمیٹتے ہوئے اچانک اُس کی نظر الماری کے ایک کونے پر پڑی، جہاں لکڑی کے اندر ایک چھوٹا سا ڈیجیٹل لاکر بنا ہوا تھا۔

وہ چند لمحے حیرت سے اُسے دیکھتی رہی۔

"یہ پہلے کبھی نظر کیوں نہیں آیا؟"

اُس نے آہستہ سے خود سے کہا۔

اُس نے لاکر کھولنے کی کوشش کی، مگر اُس پر پاس ورڈ لگا ہوا تھا۔

چند لمحے سوچنے کے بعد اُس نے عنایا کی تاریخِ پیدائش درج کی۔

بیپ...

اگلے ہی لمحے لاکر کھل گیا۔

رامین نے حیرت سے اندر جھانکا۔

وہاں نہ زیورات تھے، نہ کوئی قیمتی چیز...

صرف چند تہہ کیے ہوئے کاغذ رکھے تھے۔

اُس نے احتیاط سے وہ صفحات باہر نکالے۔

چند لمحے بعد اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ تو..."

یہ وہی صفحات تھے...

جو عنایا کی ڈائری سے پھٹے ہوئے تھے۔

رامین بے اختیار بیڈ پر بیٹھ گئی۔

دل کی دھڑکن غیر محسوس انداز میں تیز ہو گئی تھی۔

اُس نے لرزتے ہاتھوں سے پہلا صفحہ کھولا۔

جیسے ہی اُس کی نظریں الفاظ پر پڑیں، اُسے ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا جیسے عنایا پھر سے اُس کے سامنے بیٹھی مسکرا رہی ہو۔

وہ خاموشی سے پڑھتی رہی...

ہر لفظ کے ساتھ اُس کی آنکھیں مزید نم ہوتی گئیں۔

عنایا نے لکھا تھا:

"آج کل پتہ نہیں کیوں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ موت میرے سر پر منڈلا رہی ہے۔ کہتے ہیں نا... مرنے والے کو پہلے ہی محسوس ہونے لگ جاتا ہے کہ اُس کا سفر ختم ہونے والا ہے۔"

"مجھے مرنے کا افسوس نہیں... مگر جب زوہان کے معصوم چہرے کو دیکھتی ہوں، یا ارسم کو دیکھتی ہوں، تو دل بے اختیار کانپ جاتا ہے۔"

"رامین... میں نے ہمیشہ تم سے بہت کچھ مانگا ہے، اور تم نے کبھی انکار نہیں کیا۔ آج ایک آخری وعدہ مانگ رہی ہوں۔"

"میرے بعد ارسم سے شادی کر لینا..."

"میرے شوہر اور میرے بیٹے کو سنبھال لینا۔"

"مجھے تمہارے علاوہ کسی پر اتنا بھروسہ نہیں۔"

"ارسم بہت اچھا انسان ہے، اور میں جانتی ہوں وہ مجھ سے بہت محبت کرتا ہے۔ لیکن ایک سچ یہ بھی ہے..."

"تم بہت پیاری ہو، رامین..."

"اُسے تم سے محبت ہو جائے گی۔"

"جانتی ہو، میں نے کبھی تمہاری ملاقات ارسم سے کیوں نہیں کروائی؟"

"کیونکہ تم وہ واحد انسان ہو، جس پر مجھے سب سے زیادہ یقین بھی ہے..."

"اور سب سے زیادہ ڈر بھی لگتا ہے۔"

"کیونکہ تم سے ملنے کے بعد کوئی بھی تم سے محبت کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔"

"بس... میری یہ آخری خواہش پوری کر دینا۔"

الفاظ ختم ہوتے ہی رامین کی پلکوں سے آنسو مسلسل بہنے لگے۔

اُس نے اگلا صفحہ کھولا۔

وہ صرف چند سطروں پر مشتمل تھا۔

"یہ سب لکھ تو دیا ہے..."

"لیکن شاید تم یہ پڑھ کر میری بات نہ مانو..."

"اس لیے یہ صفحے الگ کر رہی ہوں، تاکہ تم انہیں کبھی نہ پڑھ سکو۔"

تمہاری دوست

صفحہ یہیں ختم ہو گیا تھا۔

رامین کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

اُس کا چہرہ آنسوؤں سے مکمل بھیگ چکا تھا۔

اُس نے اُن تمام صفحات کو دونوں ہاتھوں سے اپنے سینے سے لگا لیا، جیسے برسوں بعد اپنی دوست کو دوبارہ محسوس کر لیا ہو۔

چند لمحوں بعد وہ آہستہ آہستہ اُٹھی اور عنایا کی تصویر کے سامنے جا کر رک گئی۔

تصویر میں عنایا ہمیشہ کی طرح مسکرا رہی تھی۔

رامین بھی نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

"تمہیں مجھ سے ڈر لگتا تھا، عنایا..."

اُس نے دھیرے سے کہا۔

"پھر بھی تم نے اپنی سب سے قیمتی امانتیں مجھ پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیں۔"

اُس نے تصویر کو دیکھتے ہوئے آنسو صاف کیے۔

"تم نے ہمیشہ میرے لیے بہت کچھ کیا ہے..."

"اور میں کبھی بھی یہ سب نہیں بھول سکتی۔"

اُس کی آواز میں سکون تھا۔

"تم ہمیشہ میری پہلی محبت... میری پہلی دوستی... اور میری پہلی ترجیح رہو گی۔"

یہ کہتے ہی اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کے دل پر رکھا برسوں پرانا آخری بوجھ بھی اتر گیا ہو۔

اب جب بھی وہ عنایا کی تصویر کے سامنے کھڑی ہوتی...

اُسے خود کو مجرم محسوس نہیں ہوتا تھا۔

کیونکہ آج اُسے یقین ہو چکا تھا...

وہ عنایا کی جگہ نہیں لے رہی تھی...

وہ صرف اُس کی آخری خواہش پوری کر رہی تھی۔

اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا۔

ارسم مسکراتا ہوا اندر آیا۔

وہ خاموشی سے اُس کے پیچھے آکر کھڑا ہوا اور دونوں ہاتھ اُس کے کندھوں پر رکھ دیے۔

"ویسے قسمت تو دیکھو میری..."

اُس نے شرارتی انداز میں کہا۔

"پہلی بیوی اپنی دوست کی باتیں کرتے نہیں تھکتی تھی..."

"اور دوسری بیوی اپنی دوست کی تصویر دیکھتے نہیں تھکتی۔"

رامین ہنس دی۔

"خبردار..."

اُس نے مصنوعی غصے سے کہا۔

"جو میری دوست کے بارے میں ایک لفظ بھی کہا آپ نے، ارسم!"

"تم بھی اپنی دوست سے کم نہیں ہو۔"

ارسم نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"وہ بھی مجھے ایسے ہی ڈانٹتی تھی۔"

عنایا کا ذکر آیا تو دونوں چند لمحے خاموش ہو گئے، مگر اس خاموشی میں اب درد کم اور محبت زیادہ تھی۔

"ہاں تو بہت اچھا کرتی تھی۔"

رامین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے تو آپ آج سدھرے ہوئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

ارسم نے فوراً احتجاج کیا۔

"میں تو ہمیشہ سے ہی بہت شریف تھا!"

"اچھا جی؟"

رامین نے ہنسی دباتے ہوئے کہا۔

"کریڈٹ بھی دونوں دوستیں مفت میں لے جاتی ہیں۔"

ارسم نے منہ بنایا تو رامین بے اختیار ہنس پڑی اور دوبارہ الماری ترتیب دینے لگی۔

ارسم وہیں کھڑا اُسے دیکھ کر مسکراتا رہا۔

عنایا اب بھی اُن کی زندگی کا حصہ تھی...

فرق صرف اتنا تھا کہ اب اُس کی یاد آنسو نہیں لاتی تھی۔

صرف مسکراہٹ...

دعا...

اور بے حد خوبصورت یادیں۔

اب اُن کے درمیان کوئی خلا باقی نہیں رہا تھا۔

وہ خاندان...

آخر کار مکمل ہو چکا تھا۔

//////

آج زوہان کی پہلی سالگرہ تھی۔

پورا ابراہیم ہاؤس رنگ برنگی روشنیوں، غباروں اور خوبصورت سجاوٹ سے جگمگا رہا تھا۔ ہال کے ایک کونے میں زوہان کے نام کا بڑا سا بورڈ لگا تھا، جبکہ ہر طرف ننھے ننھے کھلونوں اور پھولوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ گھر کا ہر گوشہ خوشیوں کی گواہی دے رہا تھا۔

آج صرف خاندان کے افراد اور چند قریبی دوستوں کو ہی مدعو کیا گیا تھا، اس لیے ماحول میں ایک خاص اپنائیت اور بے تکلفی تھی۔

ان خوشیوں میں ایک اور خوشخبری بھی شامل تھی۔

رومان اور صوفیہ کے گھر بھی ایک ننھا مہمان آنے والا تھا۔

صوفیہ کے مزاج میں آج کل خاصی تبدیلی آ چکی تھی۔ کبھی کسی چیز کی ضد، کبھی اچانک غصہ، تو کبھی بلاوجہ ناراضی... اور ان سب کا سب سے بڑا شکار ہمیشہ کی طرح رومان ہی بنتا تھا۔

رامین اُس کا بے حد خیال رکھتی تھی، جبکہ ابراہیم صاحب اور ارسم تو ہر وقت رومان کو چھیڑنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتے تھے۔

بیچارا رومان کبھی صفائیاں دیتا پھرتا، تو کبھی اپنی قسمت کو کوستا۔

آج بھی کچھ ایسا ہی منظر تھا۔

زوہان کو رامین نے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا تھا۔

اُس نے اُس کے لیے سیاہ رنگ کا ننھا سا کُرتا، اُس پر خوبصورت سی چھوٹی واسکٹ اور ننھے سے جوتے پہنائے تھے۔اُس کے بال بھی بڑے پیار سے سیٹ کیے تھے۔

رامین کے مطابق اُس کا بیٹا اتنا پیارا تھا کہ اُسے بہت جلد نظر لگ جاتی تھی، اسی لیے اُس نے آج بھی کالی ڈریس تھیم ہی رکھی تھی۔

خود رامین اور ارسم بھی بلیک لباس میں تھے، جبکہ رومان اور صوفیہ نے ہلکے نیلے رنگ کے ملبوسات پہن رکھے تھے۔

ابراہیم صاحب سفید کُرتے شلوار میں حسبِ معمول باوقار لگ رہے تھے اور اس وقت شہاب صاحب اور حارث صاحب کے ساتھ کسی بات میں مصروف تھے۔

دوسری طرف...

فرحین صاحبہ اور ریحا صاحبہ صوفیہ کے پاس بیٹھی تھیں، جو کافی دیر سے مسلسل رومان کی شکایتیں کیے جا رہی تھی، جبکہ سامنے بیٹھا ثمر اُس کی حالت دیکھ کر اپنی ہنسی روکنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

"دیکھا، ماما... آنٹی!"

صوفیہ نے ناراضگی سے رومان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس لڑکے کو میری ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔ میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ مجھے آئس کریم کھانی ہے، تو کہنے لگا کہ 'میں اس وقت کہیں نہیں جا رہا۔' اب آپ ہی بتائیں، یہ میرے بچے کا کیا خیال رکھے گا، جو اُس کی ماں کا ہی خیال نہیں رکھتا!"

صوفیہ کی شکایت ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

رومان نے بے بسی سے ایک لمبی سانس لی۔

اُسے واقعی محسوس ہو رہا تھا کہ اُس نے خود اپنے سر ایک مستقل مصیبت بٹھالی ہے۔

ادھر ثمر کی دبائی ہوئی ہنسی نے اُس کا پارہ مزید چڑھا دیا۔

"اوئے!"

رومان نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اپنے دانت نکالنا بند کر۔ بہت جلد تیری بھی شادی ہونے والی ہے، پھر دیکھنا... تیرا حال بھی مجھ سے مختلف نہیں ہوگا۔"

ثمر نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"میں تو ابھی سے تمہارے لیے دعا کر رہا ہوں، بھائی!"

اُس کی بات پر آس پاس بیٹھے سب لوگ ہنس پڑے، جبکہ رومان نے ماتھا پکڑ لیا۔

مگر صوفیہ ابھی بھی رکی نہیں تھی۔

وہ ایک کے بعد ایک نئی شکایت سنائے جا رہی تھی۔

تبھی رامین وہاں آئی اور ہنستے ہوئے اُس کے پاس بیٹھ گئی۔

"چلیں، اب سب لوگ کیک کاٹ لیتے ہیں۔"

پھر اُس نے صوفیہ کی طرف دیکھ کر شرارتی انداز میں کہا،

"اور صوفیہ... کیا آج ہی میرے دیور کے سارے گلے شکوے ختم کر دو گی؟ کچھ اگلے مہینوں کے لیے بھی بچا کر رکھو، یار!"

صوفیہ نے مصنوعی ناراضی سے منہ بنایا، مگر پھر خود بھی ہنس دی۔

ادھر رومان نے دل ہی دل میں اپنی پیاری بھابھی کو دعائیں دیں، جس نے عین وقت پر آ کر اُس کی جان بچا لی تھی۔

کافی نخرے کرنے کے بعد آخر کار صوفیہ بھی سب کے ساتھ کیک ٹیبل کی طرف آ گئی۔

ہال کی روشنیاں مدھم کر دی گئیں۔

سب کی نظریں صرف ایک سال کے ننھے زوہان پر تھیں، جو حیرانی سے کبھی غباروں کو دیکھتا، کبھی کیک کو، اور کبھی اپنے ارد گرد کھڑے سب لوگوں کو۔

ارسم نے زوہان کو اپنی بانہوں میں اٹھا رکھا تھا، جبکہ رامین اُس کے ساتھ کھڑی مسکرا رہی تھی۔

سب نے ایک ساتھ گنتی شروع کی۔

"تھری..."

"ٹو..."

"ون..."

"ہیپی برتھ ڈے!"

تالیوں کی گونج پورے ہال میں پھیل گئی۔

رامین اور ارسم نے زوہان کا ننھا سا ہاتھ پکڑ کر اُس سے کیک کٹوایا۔

زوہان نے حیرت سے پہلے کیک کو دیکھا، پھر اپنی انگلی کریم میں لگالی، جس پر سب زور سے ہنس پڑے۔

سب سے پہلے رامین نے ننھا سا ٹکڑا زوہان کو کھلایا، پھر ارسم نے بھی اُسے کیک کھلایا۔

اس کے بعد زوہان کی طرف سے سب کو کیک کھلایا گیا۔

پورا ہال ہنسی، مبارک بادوں، تصویروں اور خوبصورت یادوں سے بھر گیا۔

بعد میں سب لوگ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

کہیں قہقہے گونج رہے تھے...

کہیں پرانی باتیں ہو رہی تھیں...

اور کہیں زوہان اپنی معصوم شرارتوں سے سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

یوں محبت، اپنائیت، ہنسی اور بے شمار خوبصورت لمحوں کے ساتھ زوہان کی پہلی سالگرہ اپنی یادگار اختتام تک پہنچی۔

ایک سال پہلے جو گھر غموں، خاموشیوں اور بکھرے ہوئے رشتوں کا مسکن تھا...

آج وہی گھر محبت، سکون اور مکمل خاندان کی سب سے خوبصورت تصویر بن چکا تھا۔

//////////

رامین اپنے کمرے میں موجود تھی۔

آج کی خوشیوں بھری تقریب کے بعد ننھا زوہان کھیلتے کھیلتے تھک کر گہری نیند سو چکا تھا۔اُس کی سانسوں کی مدھم سی آواز کمرے کے پر سکون ماحول میں ایک عجیب سا سکون گھول رہی تھی۔

رامین آئینے کے سامنے کھڑی آہستہ آہستہ اپنی جیولری اُتار رہی تھی۔اُس کے چہرے پر آج کی خوشیوں کی تھکن بھی تھی اور ایک دلی اطمینان بھی۔

تبھی کمرے کا دروازہ کھلا۔

ارسم خاموشی سے اندر آیا اور بغیر کچھ کہے اُس کے پیچھے آ کر ٹھہر گیا۔

آئینے میں اُن دونوں کا عکس ایک ساتھ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ارسم نے آہستہ سے اپنے بازو اُس کے گرد لپیٹ لیے۔

"تم اتنی خوبصورت کیسے لگ سکتی ہو... ہر بار؟"

اُس نے اپنی نیلی آنکھیں رامین کے چہرے پر جماتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

رامین نے آئینے میں اُس کی آنکھوں میں دیکھا اور ہلکے سے مسکرا دی۔

"میں اتنی خوبصورت بھی نہیں ہوں... جتنا آپ میری تعریف کرتے ہیں۔"

اُس نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

ارسم نے محبت سے اُس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"تم خود کو اتنا کم کیسے سمجھ سکتی ہو؟"

وہ چند لمحے اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

"جانتی ہو... تمہاری یہ بڑی بڑی آنکھیں..."

اُس نے نرمی سے کہا۔

"ان میں ایک عجیب سی چمک ہے... ایسا سکون ہے... ایسا سحر ہے کہ جو ایک بار ان میں دیکھ لے،

دوبارہ نظریں ہٹانا نہیں چاہتا۔"

وہ مسکرایا۔

"اور میں تو صرف ایک عام سا انسان ہوں... آخر کب تک بچ پاؤں گا اس سحر سے؟"

رامین بے اختیار ہنس دی۔

"اچھا بس... بہت ہو گئی میری تعریفیں۔"

اُس نے شرارت سے کہا۔

"اب آپ کو کچھ دکھانا ہے۔"

اُس نے ارسم کا ہاتھ تھاما اور اُسے کمرے کی اُس دیوار کے سامنے لے آئی جہاں آج اُس نے ایک نئ تصویر آویزاں کی تھی۔

وہ اُن کے نکاح کی تصویر تھی...

وہی تصویر جو ارسم نے اُسے تحفے میں دیتے ہوئے کہا تھا کہ اسے اپنے ہاتھوں سے دیوار پر لگانا۔

ارسم کی نظر تصویر پر ٹھہری۔

اُس کے برابر ہی عنایا کی تصویر مسکرا رہی تھی۔

دونوں تصویریں ایک ساتھ تھیں...

ایک ماضی کی خوبصورت یاد...

اور ایک حال کی خوبصورت حقیقت۔

ارسم کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"تو آخر کار..."

اُس نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی اپنی صحیح جگہ پر پہنچ گئی۔"

رامین نے بھی دونوں تصویروں کو ایک ساتھ دیکھا۔

اُس کے دل میں عجیب سا سکون اتر آیا۔

"تھینک یو، ارسم۔"

اُس نے آہستہ سے کہا۔

ارسم نے فوراً اُس کی طرف دیکھا۔

"مجھے تھینک یو کیوں کہہ رہی ہو؟"

وہ مسکرایا۔

"تم میری بیوی ہو، رامین۔"

"جس دن میں نے تمہیں یہ تصویر دی تھی، اُس دن بھی تم میری بیوی تھی..."

"اور اُس دن بھی اس گھر پر تمہارا حق تھا..."

"آج بھی ہے..."

"اور ہمیشہ رہے گا۔"

یہ کہتے ہوئے اُس نے رامین کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

رامین نے بھی سکون سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

جیسے اُسے اپنی منزل مل گئی ہو۔

چند لمحوں بعد اُس نے دھیرے سے سر اٹھایا۔

"آپ میرا سکون ہیں، ارسم..."

اُس کی آواز میں بے پناہ محبت تھی۔

"اور میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں، کم ہے... کہ اُس نے مجھے آپ سے ملایا۔"

یہ پہلا موقع تھا...

جب رامین نے اپنی محبت کا اعتراف لفظوں میں کیا تھا۔

ارسم کی آنکھوں میں خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

اُس نے مسکراتے ہوئے اُس کی پیشانی پر محبت بھرا بوسہ ثبت کیا اور اُسے پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی سے اپنے حصار میں لے لیا۔

آج...

وہ واقعی مکمل تھے۔

ایک وعدے نے اُن دونوں کو ایک ایسے رشتے میں باندھا تھا، جس نے نہ صرف اُن کی زندگیاں بدل دیں، بلکہ کئی ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھی جوڑ دیا۔

رامین...

جو محبت سے ہمیشہ بھاگتی رہی...

آخر کار اُسی محبت میں اپنا سکون پا گئی۔

اور ارسم...

جو عنایا کے بچھڑ جانے کے بعد صرف اپنے بیٹے کے لیے زندہ تھا...

رامین نے اُسے دوبارہ جینا سکھا دیا۔

زوہان کو...

اپنی ماں مل گئی۔

اور عنایا...

وہ خود تو اس دنیا سے چلی گئی تھی...

لیکن جاتے جاتے اپنے ہر رشتے کو مکمل کر گئی۔

وہ اُن کے ساتھ موجود نہیں تھی...

مگر اُن کی ہر خوشی، ہر دعا اور ہر مسکراہٹ میں ہمیشہ زندہ رہے گی۔

کچھ وعدے صرف نبھائے نہیں جاتے...

وہ پوری زندگیاں سنوار دیتے ہیں۔

اور یہی تھا..."ایک وعدہ"۔

ختم شد